رَجُلٌ رَشِیْد

فخرِ اہلِ سنت حضرت مولانا قاری عبدالرشید رحمۃ اللہ علیہ
اُستاذ حدیث و تفسیر جامعہ مدنیہ لاہور
کا ایمان افروز اور دل آویز تذکرہ

مرتبہ
مولانا نعیم الدین
فاضل جامعہ مدنیہ لاہور

مکتبہ قاسمیہ
۱۷۔ اردو بازار، لاہور

سنے کون ہائے صداءِ دل　　ملے آہ کس سے شفاءِ دل
وہ جو بیچتے تھے دواءِ دل　　وہ دکان اپنی بڑھا گئے

رَجُلٌ رَّشِید

فخرِ اہلِ سُنّت حضرت مولانا قاری عبد الرشید رحمۃ اللہ علیہ
اُستاذِ حدیث و تفسیر جامعہ مدنیہ لاہور
کا ایمان افروز اور دِل آویز تذکرہ

مُرتّبہ

مولانا نعیم الدین

فاضل جامعہ مدنیہ، لاہور

نام کتاب .... رجل رشید

ترتیب .... مولانا نعیم الدین

صفحات 224

طبع اول .... رجب المرجب ۱۴۲۳ھ، ستمبر 2002ء

کمپوزر .... انجم حمید بھٹی

تعداد ....

پریس ....

ناشر .... مکتبہ قاسمیہ ۱۷ الفضل مارکیٹ

اردو بازار لاہور ☎ :7232536

قیمت ....

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہٗ

بحر العلوم جناب مولانا قاری عبدالرشید رحمہ اللہ تعالیٰ پاکستان میں عصرِ حاضر کے نوجوان علماء کے سرخیل تھے۔ ان کی ذات مجموعۂ محاسن تھی۔ سراپا علم و فضل اور پیکرِ شرافت و متانت تھے راقمِ سطور نے انہیں بہت قریب سے دیکھا سفرِ حج میں رمضان المبارک سے ذی الحجہ تک ان کی رفاقت حاصل رہی۔ انہوں نے درسِ نظامی کا بیشتر نصاب اپنے والدِ ماجد حضرت مولانا مفتی عبدالحمید صاحب سیتاپوری زید مجدہٗ تلمیذ رشید شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمتہ اللہ علیہ سے پڑھا، پھر جامعہ مدنیہ ہی میں دورہ حدیث کے بعد مسند تدریس کو رونق بخشی۔ یہ حقیقت ہے کہ اب تک جامعہ مدنیہ نے ان سے بڑا عالمِ دین پیدا نہیں کیا۔

ایک مرتبہ کراچی کے سفر میں وہ میرے ساتھ تھے دارالعلوم کراچی میں حضرت مولانا مفتی محمد رفیع اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی زید مجدھم سے علمی گفتگو ہوئی تو وہ بے حد متاثر ہوئے۔ قاری صاحب رحمہ اللہ یادگارِ اسلاف تھے۔ انہیں اکابر علماءِ دیوبند کے ساتھ انتہائی عشق تھا۔ قطب الارشاد حضرت اقدس مولانا رشید احمد محدث گنگوہی قدس سرہٗ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت شیخ الہند رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ سے غایت درجہ محبت رکھتے تھے اور انہی کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ سیاسی مسلک میں حضرت اقدس مدنیؒ کے پیرو تھے۔ لیکن حکیم الامت حضرت مولانا

اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ سے بھی والہانہ محبت رکھتے تھے۔

جناب قاری صاحب کا علم مستحضر تھا۔ کبھی مناظرہ کی ضرورت ہوتی تھی تو بے تکلف اور بغیر کسی تیاری کے پہنچ جاتے تھے۔ بریلویت ہو یا غیر مقلدیت، شیعیت ہو یا خارجیت مقابل کے دانت کھٹے کر دیتے تھے۔ شہاب ثاقب مؤلفہ حضرت اقدس مدنیؒ اور حفظ الایمان مؤلفہ حضرت اقدس تھانویؒ کے مقدمے ان کی بہترین تنقیدی تحریروں کا نمونہ ہیں، جن کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ فاضل بریلوی سے مولانا مفتی عبدالرشید صاحب کا علمی پایہ بلند تھا۔ جامعہ علوم اسلامیہ کراچی کے شیخ الحدیث اور صدر مفتی، پاکستان کے سر برآوردہ عالم دین مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی نے مدینہ منورہ میں راقمِ سطور سے دریافت کیا یہ کون شخص ہے جس کی زبردست تنقید مولوی احمد رضا خان بریلوی کے ترجمہ قرآن مجید پر ماہنامہ فیضان مدینہ میں چھپ رہی ہے۔ اس شخص نے تو کمال کر دیا ہے میں نے انہیں بتایا تو بہت حیران ہوئے۔ مولانا عبدالرشید رحمہ اللہ نے تعلیم و تدریس میں بھی کمال دکھایا۔ اچھے اچھے شاگرد پیدا کیے جو آج جامعہ مدنیہ میں تدریس کا فریضہ انجام دے رہے ہیں ان کے ہونہار شاگردوں میں ایک مولانا نعیم الدین صاحب ہیں جنہوں نے اپنے فخرِ روزگار اُستاذ کے حالات و کمالات قلمبند کیے ہیں۔ جس کو "رجلٌ رّشید" کے نام سے شائع کیا ہے۔ بلاشبہ انہوں نے نہایت سلیقہ سے مولانا رحمہ اللہ کی زندگی کے ہر ہر پہلو پر روشنی ڈالی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر سے نوازے اور اس کتاب کو قبول عام عطا فرمائے۔ آمین

۱۳ شعبان ۱۴۲۳ھ — نفیس الحسینی

حرفِ آغاز

سنہ ستر کی بات ہے جب ہم نے ترجمۂ قرآن سیکھنے کے شوق میں جامعہ مدنیہ میں داخلہ لیا تو ہماری رفاقت صاحبزادگانِ گرامی قدر مولانا سیّد محمود میاں صاحب، مولانا سیّد وحید میاں صاحب اور مولانا عبدالحفیظ صاحب کے ساتھ ہوئی، ہم صرف ایک کتاب حضرت مولانا ظہور الحق صاحب دامت برکاتہم سے پڑھتے تھے، یہ زمانہ ہمارے بچپن اور لاشعوری کا تھا اور ہم دنیاوی ماحول سے مدرسہ کے ماحول میں آئے تھے اس لیے یہ سال سارے کا سارا اس طرح گزرا کہ مدرسہ کی فضا اور ماحول سے موافقت اور اُنسیت پیدا نہ ہوسکی۔

دوسرے سال ہم نے تجوید شروع کر دی اور کچھ دوسری کتابوں کے اسباق بھی بڑھ گئے، یہ کتابیں ہمارے لیے بالکل نئی لائن کی تھیں اِس لیے اِن کو سمجھنا، ذہن میں بٹھانا اور یاد رکھنا خاصا مشکل ہوتا تھا، ایک دن ایسے ہوا کہ سبق سمجھ نہ آنے کی وجہ سے یاد نہیں ہو رہا تھا اُدھر سنانے کی فکر نے پریشان کر رکھا تھا، اِسی خیال میں مگن میں اور عبدالحفیظ صاحب صحنِ جامعہ سے گزر رہے تھے کہ عبدالحفیظ صاحب نے کہا ”وہ سامنے سے بھائی جان آ رہے ہیں اُن سے سبق سمجھ لیتے ہیں“ میں نے نگاہ اُٹھائی تو دیکھا کہ ایک مولوی صاحب معصوم سی شکل وصورت، میانہ قد، گھٹا ہوا جسم، گول چہرہ، کشادہ پیشانی، بھرواں ڈاڑھی، گندمی رنگ، سر پر چیک دار رمال، کھدر کے کرتے اور لنگی میں ملبوس چلے آ رہے ہیں، عبدالحفیظ صاحب نے کتاب بڑھا کر اُن سے آموختہ کہلوانے کو کہا تو وہ وہیں بیٹھ کر بلا کسی پس وپیش کے آموختہ کہلانے لگے، یہ تھے حضرت مولانا قاری عبدالرشید صاحب رحمۃ اللہ علیہ جنہیں قدرت نے بڑی فیاضی کے ساتھ بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا اور وہ فخرِ اہلسنّت بحر العلوم محقق، مفکر، متکلم، مناظر، مدرس، معلم، مصنف، مقرر، مجود، قاری،

محدث اور فقیہ بنے۔

حضرت قاری صاحبؒ چونکہ اپنی تعلیم میں منہمک تھے اور اُنہیں تعلیم کے علاوہ کسی اور مشغلہ سے سروکار نہ تھا اس لیے ہماری آپ سے راہ ورسم نہ ہوسکی، اتنا ضرور ہوتا تھا کہ جب ہم سبق پڑھنے کے لیے حضرت مفتی (عبدالحمید) صاحب دامت برکاتھم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو حضرت قاری صاحبؒ کو ادب سے حضرت مفتی صاحب کے سامنے سبق پڑھتے دیکھتے۔

۱۹۷۲ء میں جب آپ نے تدریس کا آغاز کیا اور ہمارے متعدد اسباق آپ کے پاس آئے تو آپ سے راہ ورسم بڑھی اور پھر بڑھتی ہی چلی گئی، ہم کچھ مدت تک روزانہ تکرار ومطالعہ کے لیے آپ کی ''مسجد جانی شاہ'' جاتے رہے۔ پھر عرصۂ دراز تک ہر جمعرات کو عصر تا عشاء آپ کے پاس رہنے کا اتفاق ہوا۔ شعبان و رمضان کی چھٹیاں ہوتیں تو یہ ایام بھی آپ کے پاس ہی گزرتے، تقریباً دس برس تک آپ سے باقاعدہ تلمذ اور اس کے بعد دس برس تک آپ کی رہنمائی میں کام کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ بیس سال کے اس طویل عرصہ میں راقم الحروف نے آپ کو کیسا پایا، آپ سے کیا حاصل کیا اور کیا سیکھا یہ ایک طویل داستان ہے جس کا بیان بھی بس سے باہر ہے۔

ع سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے لیے

مختصراً یوں کہا جاسکتا ہے کہ احقر نے آپ میں

''باپ کی محبت، اُستاذ کی شفقت، دوست کی دوستی، بھائی کی چاہت، کردار وگفتار کی عظمت، قول وعمل کی سچائی، معاملات کی صفائی، اصول پسندی، علم وفضل، راست گفتاری، اخلاص وللّٰہیت، تواضع ومسکنت، استغناء وبے نیازی، امانت ودیانت، ایمان ویقین، عزم وہمت، خوردنوازی، حاضر دماغی، حاضر جوابی، شخصیت

کی دلآویزی، خلقی و فطری محبوبیت، اسلاف سے بے مثال محبت، مظلوموں اور کمزوروں کی نصرت و حمایت اور اِن جیسی بیسیوں خوبیاں پائیں"

جن حضرات نے آپ کو قریب سے نہیں دیکھا اُن کو شاید ان اوصاف کے ذکر میں مبالغہ نظر آئے مگر جن لوگوں نے آپ کو قریب سے دیکھا اور برتا ہے اُن کو یقیناً اِن اوصاف کے ذکر میں تشنگی محسوس ہوگی۔

آپ کی شخصیت کا شمار اُن لوگوں میں ہے جن کی تصویر کَشی اُن کی گوناگوں خصوصیات اور عظیم تر اوصاف و کمالات کے باعث دشوار ہی نہیں بلکہ دشوار تر ہے، آپ کی ذات ایک انجمن، نہیں بلکہ ایک جماعت، نہیں بلکہ ایک متحرک اور فعّال تحریک تھی، اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ صلاحیتیں اور کمالات عطا فرمائے تھے جو ایسے علماءِ دین اور قائدینِ ملت کے لیے ضروری ہیں جو اداروں اور قوموں میں صالح انقلاب لاتے ہیں افسردہ و پژمردہ قلوب میں نئی روح اور نئی زندگی ڈالتے ہیں۔کم ہمتوں کی ہمت بندھاتے ہیں، منزل متعین کرتے ہیں، طریقۂ کار بتلاتے ہیں اور کام کا سلیقہ سکھاتے ہیں۔

حضرت قاری صاحبؒ کو حیاتِ مستعار کا وقت اگرچہ بہت کم ملا لیکن اس قلیل مدت میں آپ نے تنِ تنہا وہ کام کیے جن کا ایک جماعت سے انجام پانا بھی مشکل نظر آتا ہے۔ قدرت نے آپ سے جہاں اور بہت سے علمی و عملی، دینی و مذہبی، ملکی و ملّی، تحقیقی و تاریخی کام لیے وہیں ایک اہم کام یہ بھی لیا کہ آپ کے ہاتھوں ایک صالح افراد کی جماعت تیار کروا دی جو مختلف مقامات پر دینی و مذہبی امور کی انجام دہی میں مصروف ہے، اِن افراد میں معلم بھی ہیں، مدرس بھی ہیں، مصنف بھی ہیں، مؤلف بھی ہیں، مقرر بھی ہیں، مبلغ بھی ہیں، متکلم بھی ہیں، مناظر بھی ہیں، مفتی بھی ہیں، فقیہ بھی ہیں، **ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیہِ مَنْ یَّشَآءُ**۔

حضرت قاری صاحبؒ نے ابھی زندگی کی بیالیسویں منزل میں قدم رکھا تھا، عین شباب کا زمانہ تھا، آپ کی شخصیت مرجعِ انام بن رہی تھی کہ داعیِ اجل کی طرف سے اچانک بلاوا آ گیا اور آپ تیزی کے ساتھ آخرت کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ آپ دنیا سے کیا گئے آپ کے ہزاروں متعلقین و منتسبین کی دنیا تاریک ہوگئی۔

ویراں ہے مے کدہ خُم و ساغر اُداس ہے
تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

حضرت قاری صاحبؒ کی وفات کو اگرچہ دس سال کا طویل عرصہ گزر چکا ہے لیکن آپ کی یاد بھلائے نہیں بھولتی، یوں لگتا ہے جیسے

وہ کب کے آئے بھی اور گئے بھی نظر میں اب تک سما رہے ہیں
یہ چل رہے ہیں وہ پھر رہے ہیں یہ آ رہے ہیں وہ جا رہے ہیں

آپ ہمیشہ زندہ رہیں گے، یاد آتے رہیں گے، دلوں اور آنکھوں میں بسے رہیں گے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت ست بر جریدۂ عالم دوامِ ما

ناچیز کے دل میں اکثر یہ خیال کروٹیں لیتا رہا کہ اُستاذ محترم کی یاد تازہ رکھنے اور آپ کے کارناموں کو اُجاگر کرنے کے لیے آپ کی سوانح ترتیب دینی چاہیے رفقاء اور احباب کا تقاضا بھی تھا کہ یہ کام ضرور ہونا چاہیے، راقم الحروف نے طبعی تقاضے اور احباب کے اصرار پر اللہ کا نام لیکر سوانح کی ترتیب کا کام شروع کر دیا۔ ناچیز چونکہ اس راہ میں نووارد اور ناتجربہ کار ہے اس لیے قدم قدم پر پیچیدگیوں کا سامنا کرنا پڑا، پھر کچھ حالات ایسے ناسازگار رہے کہ یہ کام تعویق وتاخیر کا شکار ہوتا رہا، اللہ کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے سوانح کی ترتیب کے اندر تاخیر وتعویق میں بھی اللہ کی حکمت تھی کہ بعد میں جو چیزیں سوانح میں شامل ہو گئیں وہ یقیناً جلدی کی صورت میں شامل نہ ہوتیں، بہرحال اللہ تعالیٰ کی نصرت و امداد اور

احباب کے تعاون سے سوانح کی ترتیب کا کام پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔
راقم الحروف یہ دعویٰ تو نہیں کر سکتا کہ اس سوانح میں حضرت قاری صاحبؒ کی حیاتِ طیبہ کی مکمل منظر کشی ہوگئی ہے کہ یہ تو میرے بس میں بھی نہیں، ہاں اتنا ضرور ہے کہ آپ کی زندگی کے وہ گوشے ضرور نمایاں ہوگئے ہیں جن کا تعلق آپ کے مشن سے ہے۔

ناسپاسی ہوگی اگر اس موقع پر شیخ المشائخ حضرت سیّد نفیس الحسینی دامت برکاتھم کا شکریہ ادا نہ کیا جائے کہ قدم قدم پر آپ نے راقم الحروف کی صرف رہنمائی ہی نہیں کی بلکہ ہمت بندھائی اور حوصلہ افزائی فرمائی، اسی پر بس نہیں مزید کرم فرمایا کہ ''کلمۂ نفیس'' کے عنوان سے سوانح کے لیے اپنا ایک تاثراتی مضمون رقم فرما کر عنایت فرمایا۔ اللہ تعالیٰ آپ کا سایۂ عاطفت صحت و عافیت کے ساتھ تادیر سلامت رکھے۔ آمین

اِسی کے ساتھ راقم الحروف حضرت قاری صاحبؒ کے برادرانِ گرامی قدر اور اُن تمام حضرات کا بھی تہہ دل سے شکرگزار ہے جنھوں نے سوانح کی ترتیب میں کسی بھی قسم کا تعاون فرمایا۔
راقم کو اپنی علمی کم مائیگی اور اس راہ میں اپنی ناتجربہ کاری کا پورا پورا اعتراف ہے اس بناء پر قارئین کو اس سوانح میں اگر کہیں کوئی غلطی یا سقم نظر آئے تو اُسے راقم کے سبقت قلم پر محمول کرتے ہوئے درگزر فرمائیں، اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ناچیز کی اس حقیر سی کاوش کو قبول فرما کر صاحبِ سوانح کے رفعِ درجات اور احقر کی نجات کا ذریعہ بنائے۔

اخوکم فی اللہ
نعیم الدین

۱۸/ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ

آباء و اجداد

حضرت قاری عبدالرشید صاحبؒ ددھیال کی طرف سے راجپوت[۱] چوہان اور ننھیال کی طرف سے صدیقی ہیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے۔

''عبدالرشید بن عبدالحمید بن محمد علی خاں بن جنگی خاں بن رانا خاں''

حضرت قاری صاحبؒ کے جد امجد محمد علی خاں انتہائی نیک سیرت و پاک طینت، متبع شریعت پابندِ صوم وصلوٰۃ بزرگ تھے، ذریعۂ معاش زراعت تھا۔

آپ کے نانا منشی عبداللہ صدیقی صاحب، اپنے وقت کے ولی کامل اور علماء وصلحاء سے بے انتہاء عقیدت ومحبت رکھنے والے مردِ دُرویش تھے، آپ کے ایک بھائی مولانا نواب علی صاحب مرحوم دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور منقول و معقول کے متبحر عالم تھے، آپ کو شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہٗ (م:۱۳۳۹/۱۹۲۰) سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔

حضرت مفتی عبدالحمید صاحب

حضرت قاری صاحبؒ کے والد ماجد حضرت مفتی عبدالحمید صاحب دامت برکاتھم کی ولادت ۱۳۳۸/ ۱۹۱۹ میں ضلع سیتا پور کی تحصیل بِسواں کے ایک قصبہ سَبُدَل پور میں ہوئی۔

---

[۱] ہندوؤں میں راجاؤں کی اولاد کو راجپوت کہا جاتا ہے، راجپوت: ہندوؤں کے جنگجو اشراف کا طبقہ جس کا ظہور چھٹی ساتویں صدی عیسوی میں شمالی اور وسط ہند میں ہوا جو قدیم کشتریوں کے وارث ہونے کا مدعی تھا۔ (دائرۂ معارف اسلامیہ) ہندوؤں کے چار طبقے ہیں (۱) برہمن: یہ ہندوؤں کا مذہبی طبقہ ہے، جیسے مسلمانوں میں علماء اور مشائخ (۲) کشتری: (کھتری) یہ جنگجو اور لڑائیاں لڑنے والا طبقہ ہے۔ (۳) ویش: یہ زراعت پیشہ لوگ ہیں۔ (۴) شُودھر: یہ ہندوؤں میں مشقتی اور خدمت گزار طبقہ کے لوگ ہیں، انہی کو ہریجن کہا جاتا ہے، راجپوت چونکہ ہندوؤں کے جنگجو اشراف کا طبقہ ہے اس لحاظ سے ان کا تعلق ہندوؤں کے دوسرے طبقہ کشتری سے ہوا۔

آپ کی عمر چار برس کی ہوئی تو آپ کو مڈل سکول تحصیل بسواں میں داخل کرا دیا گیا۔ یہ سکول گھر سے تقریباً پانچ میل کے فاصلہ پر تھا، اس سکول میں آپ نے مڈل تک تعلیم حاصل کی، اس زمانہ میں ساتویں کلاس مڈل کہلاتی تھی، اُس وقت اِس کلاس میں آپ کے اُستاذ ماسٹر محمد بخش صاحب تھے، سکول سے فراغت کے بعد آپ نے دینی علوم کی تحصیل کی طرف توجہ کی اور اس سلسلہ میں آپ مختلف مقامات پر تشریف لے گئے۔

"علم ہیئت" رام پور میں کابل کے ایک عالم سے حاصل کیا، وہاں سے آپ ٹونک تشریف لے گئے۔ ۱۳۵۸/۱۹۳۹ میں دوسری جنگ عظیم کے دوران آپ کا قیام دہلی میں تھا، دہلی میں دو سال قیام رہا، یہاں آپ علوم و فنون کی کتابیں پڑھتے رہے، ۱۳۶۰/۱۹۴۱ میں آپ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے تقریباً چار سال فنون کی تکمیل میں لگے ۱۳۶۵/۱۹۴۵ میں دورۂ حدیث شریف کیا، اس وقت دارالعلوم کے شیخ الحدیث شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمہ اللہ (م ۱۳۷۷/۱۹۵۷) تھے، آپ بخاری شریف اور ترمذی شریف پڑھاتے تھے۔ حضرت مفتی صاحب نے بخاری اور ترمذی آپ سے پڑھیں، البتہ جن دنوں آپ گرفتار ہو گئے تھے اُن ایام میں آپ کی جگہ بخاری و ترمذی شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمتہ اللہ علیہ (م ۱۳۷۴/۱۹۵۵) پڑھاتے رہے، مسلم شریف امام المعقولات حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی رحمتہ اللہ علیہ (م: ۱۳۸۷/۱۹۶۷) سے پڑھی، ابوداؤد شریف، ماہر علم ہیئت حضرت مولانا بشیر احمد گلاؤٹھی رحمہ اللہ (م:) سے پڑھی، دورۂ حدیث شریف سے فراغت کے بعد دو سال دورۂ تفسیر میں لگائے۔ ایک مرتبہ دورۂ تفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۸۱/۱۹۶۲) سے پڑھا اور دوسری مرتبہ دیوبند میں حضرت مولانا ادریس کاندھلویؒ اور دیگر اساتذہ سے۔

حضرت مفتی صاحب کا بیعت وارادت کا تعلق شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمہ اللہ (م:۱۳۷۷/ 1957) سے ہے، آپ اکابر کی یادگار، تسلیم ورضا کا پیکر اور زہد و اتقا میں اسلاف کا نمونہ ہیں، علوم نقلیہ و عقلیہ میں کامل دستگاہ رکھتے ہیں، دوبار حج بیت اللہ کی سعادت سے مشرف ہو چکے ہیں۔

پاکستان آمد:-

حضرت مفتی صاحب دامت برکاتھم حضرت مدنی رحمہ اللہ کے حکم سے ۱۹۴۵ء میں گوجرہ (پاکستان) تشریف لائے گوجرہ تشریف لانے کے متعلق حضرت مفتی صاحب نے بتلایا کہ ''میرا تکمیل کا سال تھا اور میں حجۃ اللہ وغیرہ پڑھ رہا تھا کہ گوجرہ سے ایک مدرس کی ضرورت کے متعلق دارالعلوم دیوبند خط آیا، حضرت مدنی رحمہ اللہ نے میرا نام تجویز فرما کر جانے کا حکم دیا، میں نے اپنے اُستاذ حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت میرا یہ تکمیل کا سال ہے اور میں یہ یہ کتابیں پڑھ رہا ہوں ایسی صورت میں میرے جانے سے تعلیم کا حرج ہوگا، حضرت نے فرمایا کہ کوئی بات نہیں تم چلے جاؤ وہاں اپنے طور پر ان کتابوں کا مطالعہ کرتے رہنا اور سالانہ امتحان کے موقع پر آ کر امتحان میں شریک ہو جانا چنانچہ آپ کے تسلی دینے پر میں گوجرہ چلا آیا''

حضرت مفتی صاحب دو تین ماہ یہاں رہ کر واپس دیوبند چلے گئے اور وہاں امتحان دے کر ۱۹۴۶ء میں مستقل طور پر گوجرہ چلے آئے، تقسیم کے وقت آپ گوجرہ ہی میں قیام فرما تھے، ابتداءً آپ کا قیام گوجرہ ہی میں رہا، جنوری ۱۹۵۱ء میں یہاں سے ٹوبہ ٹیک سنگھ کی جامع مسجد میں تشریف لے گئے، کچھ عرصہ بعد یہاں سے جامعہ رشیدیہ ساہیوال جانا ہوگیا تقریباً چار پانچ سال یہاں پڑھاتے رہے، ۱۹۵۶ء میں اوکاڑہ جانا ہوا یہاں سے غالباً ۱۹۶۲ء میں لاہور تشریف لائے اور ''جامعہ مدنیہ'' میں تدریس کے فرائض انجام دینے لگے، جامعہ مدنیہ میں فتویٰ نویسی

اور نظامتِ تعلیم کا کام بھی آپ کے ذمہ رہا، ۱۴۰۸/۱۹۸۸ء میں حضرت مولانا سیّد حامد میاں صاحب رحمہ اللہ بانی و مؤسس و شیخ الحدیث جامعہ مدنیہ کے انتقال کے بعد آپ جامعہ کے شیخ الحدیث مقرر ہوئے، گیارہ بارہ سال تک آپ اس منصب پر فائز رہے حتیٰ کہ پیرانہ سالی ضعف و نقاہت اور نظر کمزور ہو جانے کے سبب یہ سلسلہ منقطع ہو گیا، آج کل آپ معذوری کے سبب گھر ہی تشریف رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ تادیر سلامت رکھے اور صحت و عافیت سے نوازے۔ (آمین)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو تین فرزند حضرت مولانا قاری عبدالرشید صاحبؒ، مولانا عبدالحفیظ صاحب، مولانا عبدالوحید صاحب اور چار صاحبزادیاں عطا کیں۔ بحمداللہ تینوں فرزند عالم باعمل اور چاروں صاحبزادیاں حافظِ قرآن اور دینی تعلیم سے آراستہ پابندِ صوم وصلوٰۃ ہیں۔ تمام بہن بھائیوں میں سب سے بڑے حضرت قاری عبدالرشید صاحبؒ تھے جن کی سوانح اِس وقت ہمارے پیشِ نظر ہے۔

والدہ محترمہ:-

حضرت قاری صاحبؒ کی والدہ محترمہ صدیقی النسب، علمی گھرانے کی چشم و چراغ اور اپنے دور کی ولیہ تھیں نہایت پاکباز، دیندار اور متقی خاتون تھیں، دین سے انتہائی درجہ رغبت رکھتی تھیں، دُنیا سے کوئی لگاؤ نہ تھا یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنی تمام اولاد کو حفظِ قرآن اور دینی تعلیم سے آراستہ کیا اور ان کی شادیوں میں بھی سو فیصد دین کو ترجیح دی، آپ کے ایک داماد مولانا قاری عبدالرحیم صاحب تحریر فرماتے ہیں

''حضرت قاری صاحب کی والدہ ماجدہ نہایت ہی پارسا، عابدہ، زاہدہ خاتون تھیں ہمیشہ گھر کی چار دیواری میں ایسی رہیں کہ اس دور میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے، فرمایا کرتی تھیں۔

''اگر کوئی شخص مجھے مزنگ چونگی پر چھوڑ دے تو واپسی کے وقت گھر

پوچھ کر تلاش کرنا پڑے گا"

حالانکہ آپ کا گھر "جامع مسجد جانی شاہ" میں مزنگ چونگی سے چند قدم کے فاصلہ پر تھا اور آپ سالہا سال سے وہاں مقیم تھیں، مختصر علالت کے بعد ۲۸ شوال المکرّم ۱۴۰۴/ ۲۷ رجولائی ۱۹۸۴ء بروز جمعہ آپ کا انتقال ہوا اور قبرستان میانی صاحب میں شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کے جوار اور حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ (م: ۱۳۹۲/۱۹۷۲) خلیفہ و مجاز حضرت لاہوریؒ کے پہلو میں مدفون ہوئیں رحمہا اللہ رحمۃً واسعۃً۔

حضرت قاری صاحبؒ کی ولادت:-

حضرت قاری صاحبؒ کی ولادت باسعادت ۲۲ صفر المظفر ۱۳۶۹/ ۱۵ردسمبر ۱۹۴۹ء بروز جمعرات ٹوبہ ٹیک سنگھ میں ہوئی "محمد عبدالرشید" نام رکھا گیا۔

تعلیم و تربیت:-

آپ کی تعلیم و تربیت شروع سے آخر تک آپ کے والدِ محترم حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی کے زیر سایہ ہوئی، حضرت مفتی صاحب نے سب سے پہلے آپ کو قرآن مجید حفظ کروایا جس کی ابتداء حضرت قاری نذر محمد شاہ صاحبؒ سے ہوئی تقریباً ڈیڑھ سپارہ آپ سے حفظ کیا، اس کے بعد شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ کے صاحبزادہ قاری اعزاز النبی صاحبؒ سے پڑھنا شروع کیا دس سپارے آپ سے پڑھے، باقی اخیر تک قاری محمد فاروق صاحب سے پڑھا، تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ حضرت مفتی صاحب اوکاڑہ سے لاہور تشریف لے آئے اور جامعہ مدنیہ میں تدریس کے فرائض انجام دینے لگے، اِن دنوں جامعہ مدنیہ ابتدائی مراحل سے گزر رہا تھا طلباء کی کثرت تھی لیکن جامعہ کی کوئی اپنی مستقل عمارت نہ تھی اس لیے تعلیم مختلف مقامات پر ہو رہی تھی جن میں مسلم مسجد، مکی مسجد

اور مسجد نیلہ گنبد شامل ہیں۔

حضرت قاری صاحبؒ کی انتہائی خوش قسمتی تھی کہ اس زمانہ میں جامعہ مدنیہ میں بڑے بڑے اساطینِ علم وفضل رونق افروز تھے جن میں اکثریت فضلاء دارالعلوم دیوبند کی تھی، مثلاً حضرت مولانا سیّد حامد میاں صاحبؒ خلیفہ ومجاز شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمہ اللہ، حضرت مولانا عبدالحکیم صاحبؒ (م:۱۳۹۳/۱۹۷۳) خلیفہ ومجاز حضرت مدنیؒ مولانا سیّد میرک شاہ صاحبؒ (م:۱۳۹۳/۱۹۷۳) تلمیذ حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ (م:۱۳۵۲/۱۹۳۳) حضرت مولانا کریم اللہ صاحبؒ دامانی (م:۱۴۰۳/۱۹۸۳) حضرت مولانا مفتی ضیاء الحق صاحب، حضرت مولانا شریف اللہ خان صاحبؒ (م:۱۳۹۹/۱۹۷۹) وغیرھم حفظِ قرآن سے فراغت کے بعد غالباً ۱۳۸۱/۱۹۶۲ میں اس خالص علمی اور بابرکت ماحول میں آپ کی تعلیم کا آغاز ہوا اور پورے دس سال تعلیم حاصل کر کے ۱۳۹۱/۱۹۷۱ میں آپ جامعہ مدنیہ سے فارغ التحصیل ہوئے دس سالہ تعلیمی دور میں آپ نے جن اساتذہ سے جو کتابیں پڑھیں وہ آپ کی بیاض سے نقل کی جاتی ہیں۔

(۱) حضرت مولانا سیّد حامد میاں صاحب رحمہ اللہ: بخاری شریف

(۲) حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب رحمہ اللہ: کنز الدقائق، شرح جامی

(۳) حضرت مولانا مفتی عبدالحمید صاحب دامت برکاتھم: موطا امام مالک، ترمذی شریف ج اوّل، ہدایہ اوّلین، نورالایضاح، اصول الشاشی، تیسیر المنطق، مرقات، شرح تہذیب، قطبی، ملا حسن، حمداللہ، قاضی مبارک، میر زاہد ملا جلال، میر زاہد اُمور عامہ، ہدیہ سعیدیہ، صدرا، شمس بازغۃ، شرح اشارات، تصریح، شرح چغمینی، سراجی، آئین علاج، بست باب، حجۃ اللہ البالغۃ، الملتقطات فی اعمال المقنطرات، شمس النہار، الرسالۃ الفتحیۃ، انفع الکشوف، خلاصۃ الحساب۔

حضرت مولانا کریم اللہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ:- مسلم شریف، جلالین جلد اوّل، نسائی شریف، ہدایہ جلد رابع، سلم العلوم۔

حضرت مولانا شریف اللہ خان صاحب رحمتہ اللہ علیہ:- ترمذی شریف جلد ثانی، طحاوی شریف، میر زاہد رسالہ قطبیہ، شرح عقائد جلالی، رشیدیہ۔

حضرت مولانا ظہور الحق صاحب مدظلہ العالی:- ابوداؤد شریف، جلالین شریف جلد ثانی، شرح عقائد، شرح وقایہ، نورالانوار، مختصر المعانی، میبذی، نفحۃ العرب، خیالی۔

حضرت مولانا سیّد غازی شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ:- ہدایہ ثالث، مشکوٰۃ شریف، نخبۃ الفکر، مسلم الثبوت، توضیح تلویح، بیضاوی شریف، محیط الدائرۃ، مطول۔

حضرت مولانا محمد فرقان صاحب رحمتہ اللہ علیہ:- (م: ۱۳۹۳/۱۹۷۳) حسامی، مقامات حریری۔

حضرت مولانا عبدالهادی صاحب رحمتہ اللہ علیہ:- دیوانِ متنبیّ، دیوانِ حماسہ۔

حضرت مولانا محمد دین صاحب رحمتہ اللہ علیہ:- قدوری۔

حضرت مولانا ولی محمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ:- علم الصیغہ، کافیہ۔

حضرت مولانا وکیل احمد شیروانی وحضرت مولانا مقبول احمد صاحب کشمیری، فارسی۔

حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب ڈیروی مدظلہ العالی:- جمال القرآن، فوائد مکیہ، جزری شاطبیہ، قصیدہ رائیہ، الدرۃ المضیۃ۔

حضرت قاری صاحبؒ کی بیاض سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ نے بہت سی وہ کتابیں بھی پڑھی تھیں جن کا پڑھنا پڑھانا آج کل موقوف ہو چکا ہے، نہ کوئی پڑھتا ہے اور نہ کوئی پڑھاتا ہے، اِلّا ماشاء اللہ، قاری صاحبؒ کو چونکہ پڑھنے کا ازحد شوق تھا اس لیے بعض کتابیں جو نایاب تھیں اور ملتی نہیں تھیں وہ ہاتھ سے لکھ کر پڑھیں، قاری صاحب مرحوم کی اس بیاض سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ آپ نے زیادہ تر

تعلیم اپنے والد ماجد حضرت مفتی عبدالحمید صاحب سے حاصل کی ہے حضرت مفتی صاحب چونکہ اپنے وقت کے جید ترین علماء میں سے ہیں اور معقول ومنقول نیز علوم قدیمہ و جدیدہ میں کامل دستگاہ رکھتے ہیں اسی کا نتیجہ ہے کہ حضرت قاری صاحب مرحوم بھی اپنے والد محترم کی طرح بلکہ بمزیدِ معقول ومنقول اور علومِ جدیدہ وقدیمہ میں ماہر اور یگانۂ روزگار بنے۔

اسنادِ عالی:

اسنادِ عالی کا طلب کرنا اسلاف کا طریقہ رہا ہے، چنانچہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا:

> ''اسناد عالی کی طلب کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمانے لگے اسنادِ عالی کا طلب کرنا سلف کی سنت ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ (آپ سے علم حاصل کرنے اور حدیثیں سن لینے کے باوجود) مدینہ (طیبہ) کا سفر کرتے اور وہاں جا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے علم سیکھتے اور حدیثیں سنتے تھے''[1]

حضرت قاری صاحب مرحوم نے بھی سلف کی اس سنت کو اپنایا، چنانچہ آپ نے حضرت مولانا شریف اللہ خان صاحب رحمہ اللہ سے بطورِ خاص سندِ حدیث حاصل کی ۱۹۷۷ء میں جن دنوں تحریک نظام مصطفیٰ چل رہی تھی حضرت قاری صاحب مرحوم راقم الحروف کے ساتھ حضرت مولانا شریف اللہ خان صاحبؒ کے گھر چوبرجی کوارٹر تشریف لے گئے اور مختلف احادیثِ مبارکہ کے اطراف سنا کر حضرت سے اجازتِ حدیث لی۔

حضرت مولانا شریف اللہ خان صاحب رحمہ اللہ کو ایک تو براہِ راست شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ (م: ۱۳۳۹/۱۹۲۰) سے اجازتِ حدیث حاصل

---

[1] مناقب الامام احمد از ابن جوزی ص ۲۰۳ طبع مصر بحوالہ ابن ماجہ اور علم حدیث ص ۱۶

تھی، دوسرے حضرت مولانا منور علی صاحب رامپوری رحمہ اللہ (م:۱۳۵۱/۱۹۳۲) سے بھی اجازتِ حدیث حاصل تھی، مولانا منور علی صاحبؒ نے علمِ حدیث حضرت سیّد محمد شاہ بن حسن شاہ حسینی رامپوریؒ سے حاصل کیا تھا اور حضرت سیّد محمد شاہؒ صاحب کو حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی رحمہ اللہ (م:۱۳۱۳/۱۸۹۶) سے اجازتِ حدیث حاصل تھی اور حضرت مولانا فضل رحمٰن کو حضرت شاہ اسحٰق صاحبؒ کے علاوہ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ (م:۱۲۳۹/۱۸۲۲) سے بھی اجازتِ حدیث حاصل تھی۔

درسِ نظامی سے فراغت کے بعد آپ نے ۱۹۷۱ء میں فاضلِ عربی اور ۱۹۷۲ء میں میٹرک کا امتحان دیا اور کامیابی حاصل کر کے سندات حاصل کیں۔ قدرت کی عطاء ہے کہ دورانِ تعلیم جہاں آپ نے بڑے بڑے جید علماء وفضلاء سے فیض پایا وہیں آپ کو شرکاءِ درس اور رفقاءِ سبق بھی انتہائی سعادت مند اور نیک وصالح ملے آپ کے رفقاءِ درس میں سے راقم الحروف کو چار پانچ افراد کے بارے میں علم ہے جو درج ذیل ہیں۔ (۱) حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب، اُستاذ الحدیث جامعہ خیرالمدارس ملتان (۲) مولانا محمد یوسف برمی صاحب (۳) مولانا عبدالواحد ہزاروی صاحب (۴) مولانا محمد وارث ہزاروی صاحب (۵) مولانا علی اکبر قیصر کشمیری صاحب۔

حضرت قاری صاحبؒ کا مزاج فطرۃً سنجیدہ تھا اس لیے آپ شروع ہی سے کھیل کود سے دور رہے، دورانِ تعلیم سوائے پڑھنے کے کوئی اور مشغلہ آپ کو پسند نہیں تھا، آپ کی تعلیم کے آخری دو سال راقم کی نظروں کے سامنے گزرے ہیں راقم کو یاد نہیں کہ کبھی آپ کو تعلیمی مشغلہ کے علاوہ کسی اور کام میں مصروف پایا ہو، فارغ اوقات میں آپ عموماً شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے مکاتیب اور حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر مدظلہ العالی کی کتب کا مطالعہ فرمایا کرتے تھے۔

تعلیم میں کامیابی کیلئے ضروری چیزیں:

کسی بھی تعلیم میں عموماً اور دینی تعلیم میں خصوصاً کامیابی حاصل کرنے کے لیے چند چیزیں لازمی ہیں۔

(۱) اساتذۂ کرام کا ادب واحترام۔

(۲) اساتذۂ کرام کے ساتھ تعلق اور اُن کی بے لوث خدمت۔

(۳) کتابوں کا ادب واحترام۔

(۴) اسباق کا مطالعہ اور تکرار۔

(۵) مادرِ علمی سے تعلق اور لگاؤ۔

حضرت قاری صاحبؒ ان تمام باتوں کا خاص لحاظ رکھا کرتے تھے، جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے آپ کو کامیابی سے نوازا اور علمی دولت سے سرفراز فرمایا تھا۔ اساتذۂ کرام کے ادب واحترام کا حال تو یہ تھا کہ فرمایا کرتے تھے میں نے دورانِ تعلیم کبھی کسی اُستاذ کو ناراض نہیں کیا، البتہ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ایک اُستاذ کچھ ناراض ہوگئے مجھے احساس ہوا تو میں نے معذرت کر کے فوراً اُنہیں راضی کر لیا، آپ دورانِ سبق چوکڑی مار کر نہیں بیٹھتے تھے، کبھی کسی اُستاذ کی طرف پشت نہیں کرتے تھے نہ ہی کبھی کسی اُستاذ کی طرف پاؤں پھیلاتے تھے اور نہ ہی کبھی کسی اُستاذ کے آگے چلتے تھے، نہ ہی کبھی کسی اُستاذ کی بات کاٹتے تھے، نہ ہی اُنہیں اپنی علمیت جتلاتے تھے بلکہ اُن کے سامنے متواضع بن کر رہتے تھے۔

آپ میں اساتذۂ کرام کی خدمت اور اُن سے تعلق کا بھرپور جذبہ موجود تھا اپنے اُستاذ کے ہر کام کو بڑا ہو یا چھوٹا انتہائی خوش دلی کے ساتھ انجام دیتے تھے، اساتذۂ کرام سے تعلق صرف مدرسہ کی حد تک محدود نہ تھا وقتاً فوقتاً اُن کی جائے اقامت پر جا کر اُن سے ملتے تھے اور یہ تعلق صرف دورانِ تعلیم ہی نہیں تھا بلکہ زمانۂ

تدریس میں بھی جوں کا توں باقی رہا، بلکہ یہاں تک ہوا کہ اگر وہ اُستاذ وفات پا گئے تو ان کی وفات کے بعد اُن کے اہل وعیال کی خدمت میں جاتے رہے۔

راقم الحروف کو اپنے تعلیمی دور میں کئی بار حضرت قاری صاحبؒ کے ساتھ ایک اُستاذ کے گھر راج گڑھ اور دوسرے اُستاذ کے گھر چوبرجی کوارٹرز جانے کا اتفاق ہوا۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ طالب علم شروع سے لیکر موقوف علیہ تک تعلیم ایک مدرسہ کے اساتذہ سے حاصل کرتے ہیں اور دورۂ حدیث شریف کے لیے دوسرے مدرسہ چلے جاتے ہیں اس طرزِ عمل سے پہلے اساتذہ کی حق تلفی اور حوصلہ شکنی ہوتی ہے جس کا نتیجہ بسا اوقات علم سے محرومی یا بے برکتی کی صورت میں نکلتا ہے حضرت قاری صاحبؒ اس طرزِ عمل کے بالکل خلاف تھے آپ نے شروع سے لیکر اخیر تک ایک ہی جگہ تعلیم حاصل کی، آپ کے ایک ساتھی آپ کی منشاء ومرضی کے خلاف دورۂ حدیث کے لیے کراچی چلے گئے تو آپ کو اس کا سخت افسوس ہوا۔

اس سلسلہ میں آپ طلباء کو حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا واقعہ سنایا کرتے تھے۔

حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمہ اللہ (م: ۱۳۶۳/۱۹۴۴) تحریر فرماتے ہیں۔

"جب حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ العزیز نے گنگوہ میں درس حدیث شروع فرمایا تو بہت سے طالب وہاں پڑھنے چلے گئے اور انہوں نے حضرت والا (حضرت تھانویؒ) کو بھی ترغیب دی کیونکہ مولانا (یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ) کے یہاں ناغے بہت ہوتے تھے گو جب پڑھاتے تھے تو بقول حضرت والا سیراب فرما دیتے تھے، لیکن حضرت والا نے فرما دیا کہ گو میں سمجھتا ہوں کہ وہاں درس حدیث بہتر ہوگا لیکن مجھے تو اپنے اُستاذ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کو چھوڑنا بیوفائی معلوم ہوتا ہے جب تک کہ مولانا

خود یہ نہ فرمادیں کہ بس اب میرا ذخیرۂ علمی ختم ہو گیا، اب مجھ سے
تمہاری تعلیم نہیں ہو سکتی“[1]

قاری صاحبؒ فرماتے تھے دیکھو آج حضرت تھانویؒ کو ایک دُنیا جانتی ہے لیکن آپ کے جو ساتھی آپ کا ساتھ چھوڑ کر چلے گئے تھے اُن کا کوئی نام بھی نہیں جانتا۔

طالب علم اکثر بے پروا ہوتے ہیں کتاب کے ادب و احترام کا خیال نہیں رکھتے لیکن قاری صاحبؒ اس سے بالکل مختلف تھے آپ کتابوں کا اسقدر احترام کرتے تھے کہ اس دور میں اس کی نظیر ملنی مشکل ہے، آپ علی العموم کتابوں کا مطالعہ باوضوء کیا کرتے تھے، کتاب کی طرف پاؤں نہیں پھیلاتے تھے، نہ ہی کبھی کسی کتاب کو تکیہ بنا کر اس پر سر رکھتے تھے نہ ہی کبھی کسی کتاب پر کہنی رکھ کر ٹیک لگاتے تھے، یہ باتیں تو بہت دور کی ہیں آپ تو کتابیں رکھنے میں بھی ان کے درجات کا خیال رکھتے تھے یعنی سب سے اُوپر تفسیر کی کتاب اس کے نیچے حدیث شریف کی اس کے نیچے فقہ کی اس کے نیچے اصولِ فقہ کی اس کے نیچے ادب کی علیٰ ھٰذا القیاس۔

اکثر طالب علم بے پروائی کیوجہ سے جوتیاں دائیں ہاتھ میں لے لیتے ہیں اور کتاب بائیں ہاتھ میں یہ طریقہ کتاب کے ادب واحترام کے بالکل خلاف ہے، قاری صاحبؒ اس کا بھی بطورِ خاص خیال رکھتے تھے کہ ضرورت کے وقت کتاب دائیں ہاتھ میں رہے اور جوتیاں بائیں ہاتھ میں، حضرت قاری صاحبؒ کے ایک شاگرد و مرید جناب اقبال انصاری صاحب[2] اپنا واقعہ تحریر فرماتے ہیں

”میں عام طور پر حضرت کی جوتیاں دائیں ہاتھ سے اُٹھاتا ہوں ایک مرتبہ میرے بائیں ہاتھ میں فارسی کی کتاب تھی اور دائیں ہاتھ سے میں نے جوتیاں اُٹھائیں آپ نے فوراً ٹوک دیا اور فرمایا کہ جوتیاں

---

[1] اشرف السوانح ج ا ص ۱۴۰

[2] یاد رہے: اقبال انصاری صاحب کے تمام اقتباسات جو اس کتاب میں موقع بموقع دیے گئے ہیں یہ اُن کی ذاتی ڈائری سے ماخوذ ہیں جو انہوں نے حضرت قاری صاحبؒ کے ملفوظات جمع کرنے کے لیے بنائی تھی۔

بائیں ہاتھ اور کتاب دائیں ہاتھ (ہونی چاہیے)''

بعض طالب علم کتاب کو بے ادبی کے ساتھ معمولی چیز ٹوکری وغیرہ کی طرح ہاتھ میں لٹکا لیتے ہیں قاری صاحبؒ اس کو اچھا نہیں سمجھتے تھے بلکہ ادب واحترام کے ساتھ کتاب کو بغل میں رکھتے تھے یا پھر ہاتھ میں لٹکانے کے بجائے اُوپر کر کے رکھتے تھے۔

سبق کا مطالعہ وتکرار پابندی کے ساتھ نہ صرف یہ کہ خود کرتے تھے بلکہ اپنے رفقاءِ درس کو بھی کروایا کرتے تھے۔

رہا مادرِ علمی کے ساتھ تعلق اور لگاؤ کا معاملہ تو اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ آپ نے دوسرے مقامات سے بڑی بڑی تنخواہوں کی پیشکش کے باوجود مدرسہ کو نہیں چھوڑا۔ آپ اس کو مدرسہ کے ساتھ بے وفائی تصور فرماتے تھے۔

بیعت و سلوک خلافت و اجازت:-

بیعت و ارشاد کے سلسلہ میں فرمایا کرتے تھے میرا ارادہ تو حضرت پیر خورشید احمد صاحب[1] رحمتہ اللہ علیہ سے بیعت ہونے کا تھا لیکن چونکہ آپ دور رہتے تھے جس کی وجہ سے پوری طرح استفادہ مشکل تھا اس لیے میں نے حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے بیعت کر لی جو میرے اُستاذ بھی تھے اور اُن سے طبعی مناسبت بھی تھی۔

---

[1] آپ کھوتکہ شاہ پور ضلع سرگودھا میں حسینی ہمدانی سادات کے علمی و روحانی خاندان میں پیدا ہوئے، مختلف مقامات سے تحصیل علوم کے بعد دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث شریف پڑھا، ظاہری علوم سے فراغت حاصل کر کے شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ اس بیعت کیلئے عبدالحکیم ضلع ملتان سے دیوبند کا خصوصی سفر کیا۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی وفات کے بعد شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی طرف رجوع فرمایا، سلوک کی تکمیل کے بعد خلافت سے مشرف ہوئے۔ آپ کا حضرت مدنی رحمہ اللہ کے ممتاز خلفاء میں شمار ہوتا ہے۔ مؤرخہ ۱۰/ جمادی الاولی ۱۳۹۳ھ/۱۲/ جون ۱۹۷۳ء کو سو سال سے زیادہ عمر پا کر آپ کی وفات ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ:-

حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب رحمہ اللہ کا جید ترین علماء میں شمار ہوتا ہے۔ آپ جامع منقول و معقول نیز جامعِ شریعت و طریقت تھے۔ ۹۲-۱۸۹۱ میں محلّہ پٹی سادات موضع گنگیر و ضلع مظفر نگر یو پی انڈیا میں آپ کی ولادت ہوئی۔ والد ماجد کا نام میاں عبدالعزیز تھا۔ آپ زراعت پیشہ تھے گنگیر و میں آبائی زمینوں کی کاشت کیا کرتے تھے۔

حضرت مولانا عبدالحکیم صاحبؒ نے ابتدائی کتابیں اپنے ضلع کے متفرق مدارس میں پڑھیں اور پانچ سال ازھرالھند دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی۔ دورۂ حدیث شریف حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ (م:۱۳۵۲/۱۹۳۳) کے زمانۂ صدارت میں پڑھا۔ بخاری و ترمذی حضرت شاہ صاحبؒ سے، ابوداؤد حضرت میاں اصغر حسین صاحبؒ (م: ۱۳۶۴/۱۹۴۵) سے مسلم شریف حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ (م: ۱۳۶۹/۱۹۴۹) سے، حمد اللہ، صدرا، توضیح تلویح، بیضاوی، رسالہ میر زاہد اور رشیدیہ حضرت مولانا رسول خان صاحب رحمہ اللہ (م:۱۳۹۱/۱۹۷۱) سے پڑھیں۔ دارالعلوم سے فراغت کے بعد آپ دہلی چلے آئے اور یہاں آپ نے حکیم جمیل الدین نگینوی رحمہ اللہ (م: ۱۳۵۵/۱۹۳۶) سے فن طب کی کتابیں موجز القانون، الاسباب والعلامات، نفیسی، شرح تشریح الاعضاء اور حمیاتِ قانون پڑھیں۔ حکیم جمیل الدینؒ، حکیم عبدالمجیدؒ کے شاگرد اور حکیم اجمل خان مرحوم کے اُستاذ تھے۔ طب کی تعلیم سے فارغ ہو کر آپ نے حکیم اجمل خان مرحوم کے بھتیجے حکیم ظفر خان مرحوم سے عملی تجربہ حاصل کیا، تقریباً چار سال آپ حکیم صاحب کی زیر نگرانی کام کرتے رہے، اس کے بعد لاہور تشریف لے آئے اور فیض باغ میں دوا خانہ سلیمانی کے نام سے اپنا مطلب جاری کیا جو تقریباً چالیس سال چلتا رہا، آپ کو یہ خصوصی فضیلت حاصل تھی کہ آپ کے اُستاذ حضرت مولانا رسول خان

صاحبؒ نے آپ سے علم طب باقاعدہ سبقاً حاصل کیا تھا، آپ فرماتے تھے کہ ''حضرت مولانا رسول خان صاحبؒ نے ایک مرتبہ مجھ سے پوچھا کہ فن طب کی جامع اور مختصر کتاب کون سی ہے؟ میں نے ''موجز القانون'' کے متعلق عرض کیا کہ یہ کتاب نہایت جامع بھی ہے اور مختصر بھی، آپ نے موجز کا بہت عمدہ نسخہ خرید لیا اور فرمایا میں آپ سے طب پڑھنی چاہتا ہوں شاگرد ہونے کی وجہ سے میں متأمل تھا حضرت نے اشکال دور کر دیئے، میں نے حکم کی تعمیل کی اور ایک سال کے عرصہ میں اُنہیں موجز القانون پڑھا دی'' آپ فرماتے تھے کہ اِن دنوں حضرت مولانا رسول خان صاحبؒ اندرون لوہاری گیٹ خراسیاں مسجد کے قریب رہائش پذیر تھے میں صبح کو مطب کرتا اور رات کو آ کر حضرت کو پڑھاتا۔

حضرت مولانا رسول خان صاحبؒ حضرت حکیم صاحبؒ کا بہت احترام فرماتے تھے، حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب رحمہ اللہ کے نام ایک گرامی نامہ میں آپ نے حضرت حکیم صاحبؒ کا بہت اُونچے القاب کے ساتھ تذکرہ کیا ہے چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں۔

''مولانا قاری و حاوی علوم عقلیہ و نقلیہ و جامع طب ابن سینا و ماہر حکمت جمالنا و مخدومنا مولوی عبدالحکیم صاحب بارک اللہ فی عمرھم و علوھم کی خدمت میں السلام علیکم فرما دیں''[1]

حضرت حکیم صاحبؒ کی طبیعت میں تحصیل علوم کا جذبہ بہت غالب تھا، اسی کا اثر تھا کہ پیرانہ سالی میں حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ (م:۱۳۷۹/۱۹۵۹) سے تجوید و قراءت سیکھنے کے لیے باقاعدہ ان کے پاس داخلہ لیا اور مسلسل دو سال فیض باغ سے پرانی انارکلی روزانہ پیدل جاتے رہے۔ ان دو سالوں میں بامر مجبوری صرف دو ناغے ہوئے۔

---

[1] ماہنامہ انوار مدینہ ج ۲ ش ۵ ص ۶ بابت ۱۳۹۳ھ

آپ عمدہ مجوّد اور قاری تھے روایتِ حفص اور سبعہ میں طلباء کا امتحان بھی لیتے تھے۔

آپ ایک عرصہ تک جامعہ مدنیہ لاہور میں مختلف علوم و فنون کی کتب کا درس دیتے رہے۔

آپ شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے خلیفہ و مجاز تھے۔ حضرت شیخ الاسلام سے بیعت ہونے کا حکم آپ کو (آپ کے ارشاد کے مطابق) خواب میں حق تعالیٰ کی طرف سے ہوا تھا۔[1] تقریباً پندرہ سال آپ حضرت سے سلوک حاصل کرتے رہے تکمیل سلوک کے بعد آپ کو خلافت حاصل ہوئی۔[2]

''مکتوبات شیخ الاسلام'' جلد نمبر۲ و نمبر۴ میں حضرت مدنی رحمہ اللہ کے چند

---

[1] راقم الحروف کو حضرت کے صاحبزادے میاں محبوب علی صاحب نے حضرت کے بیعت ہونے کا واقعہ اس طرح سنایا کہ ''ابا میاں بچپن سے تہجد کے عادی تھے ایک دفعہ آپ تہجد پڑھ کر لیٹے تو نیند کی حالت میں آپ کو سنائی دیا کہ حق تعالیٰ شانہ فرما رہے ہیں کہ ہمیں تمہاری مفارقت برداشت نہیں، ابا میاں نے اس کی تعبیر یہ سمجھی کہ اب وفات کا وقت آ گیا ہے چنانچہ آپ نے گھر والوں کو وصیتیں کر کے موت کی تیاری شروع کر دی، چند روز گزرے تھے خواب دیکھا کہ غیب سے آواز آ رہی ہے ''علیك بالعراق'' عراق چلے جاؤ۔ ابا میاں نے فرمایا: یہ خواب دیکھ کر میں پریشان ہوا کہ عراق جا کر کیا کروں کس سے ملوں، میں نے رو رو کر دُعا کی کہ یا اللہ میری اس سلسلہ میں صاف رہنمائی کی جائے چنانچہ ایک دن میں نے خواب دیکھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ تشریف لائے ہیں ایک ہاتھ سے حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کو بازو سے پکڑ رکھا ہے اور دوسرے ہاتھ سے مجھے فرما رہے ہیں کہ ان سے بیعت ہو جاؤ۔ یہ خواب دیکھ کر میری تسلی ہو گئی ان دنوں حضرت مدنی علیہ الرحمہ جیل میں تھے میں نے جیل کے پتے پر بیعت کیلئے خط لکھا حُسنِ اتفاق کہ جس دن آپ رہا ہوئے اسی دن میرا خط آپ کو ملا آپ نے جواب میں تحریر فرمایا: رمضان میں دیوبند آ جاؤ۔ میں دیوبند حاضر خدمت ہوا اور آپ نے بیعت فرما کر اسباق تلقین فرمائے''۔

[2] آپ کی خلافت کا واقعہ بھی نہایت عجیب ہے میاں محبوب علی صاحب نے یہ واقعہ بھی سنایا کہ جب ابا میاں کے سلوک کے مراحل طے ہو گئے تو حضرت مدنیؒ نے آپ کو لکھا کہ دیوبند آ جائیں چنانچہ آپ نے رختِ سفر باندھا اور دیوبند جانے کیلئے گاڑی میں سوار ہو گئے۔ رات کو خواب میں دیکھا غیب سے آواز آ رہی ہے کہ تمہیں یہ سفر مبارک ہو۔ ابا میاں فرماتے ہیں میں پھر سو گیا اب خواب میں دیکھا کہ حضور اکرم ﷺ تشریف لائے ہیں اور بالکل ویسا لباس زیب تن کیا ہوا ہے جیسا کہ میں نے پہن رکھا تھا۔ ابا میاں کو دھاری دار کرتہ پسند تھا اور وہی پہن رکھا تھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی ویسا ہی دھاری دار کرتہ زیب تن فرما رکھا تھا۔ جب آپ دیوبند پہنچے تو حضرت مدنی رحمہ اللہ کو اپنے حالات لکھ کر پیش فرمائے حضرت نے حالات ملاحظہ فرما کر آپ کو چاروں طریقوں میں اجازتِ بیعت مرحمت فرمائی۔

مکاتیب آپ کے نام موجود ہیں۔

آپ کے مزاج میں خودداری، محبت و اُنس اور مہمان نوازی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، نہایت صابر وشاکر انسان تھے کثیر العیال ہونے کے باوجود صبر وشکر کے ساتھ گزراوقات کرتے رہے اور کبھی اپنے مقام وقار سے نیچے نہیں اُترے۔

حضرت کی عمر تقریباً اکیاسی بیاسی سال ہوئی تو بدن میں ضعف آ گیا اور نظر کمزور ہوگئی آپ کے صاحبزادہ میاں محبوب علی صاحب آپ کو فیض باغ سے چونگی ملتان روڈ لے آئے یہاں آپ کی طبیعت سنبھلنے کے بجائے مزید خراب ہوگئی حتیٰ کہ ۲۱ شوال المکرّم ۱۳۹۳/ ۱۷ نومبر ۱۹۷۳ء بروز ہفتہ صبح پانچ بجے آپ نے اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، ظہر بعد علماء وطلباء کے کندھوں پر آپ کا جنازہ روانہ ہوا، دارالعلوم الاسلامیہ کے چمن زار میں حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب رحمہ اللہ نے آپ کا جنازہ پڑھایا۔ دارالعلوم الاسلامیہ طیب آباد کامران بلاک لاہور کے قریب قبرستان میں آپ کی تدفین ہوئی رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

حضرت مولانا قاری عارف صاحب دامت برکاتھم شاگرد و مرید حضرت حکیم صاحبؒ نے راقم الحروف کو بتلایا کہ وفات سے دو تین ماہ پہلے حضرت نے یہ قصہ سنایا تھا کہ ''میرے پاس بریلوی مکتبۂ فکر کے مولوی شمس الدین آتے ہیں میں نے اُن سے پوچھا کہ تم لوگ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ سے محبت و عقیدت کا دم بھرتے ہو کبھی اُن کی تمہیں زیارت بھی نصیب ہوئی ہے؟ اُنہوں نے کہا کہ نہیں، میں نے کہا کہ مجھے آپ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے، چنانچہ ایک دفعہ میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تشریف لائے اور مجھے گلے سے لگا لیا اور ایسا گلے لگایا کہ پھر چھوڑا نہیں''۔ حضرت قاری عارف صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت کی وفات کے بعد اس خواب پر توجہ کی تو ذہن اس طرف گیا کہ خواب میں آپ کی وفات کی طرف اشارہ تھا جس کا آپ کی

زندگی میں احساس نہیں ہو سکا۔ حضرت حکیم صاحب رحمہ اللہ نے اپنے پسماندگان میں اہلیہ، چھ صاحبزادے محمد سلیمان، سعید احمد، ایوب علی، محبوب علی، زاہد حسین، عابدِ حسین اور تین صاحبزادیاں چھوڑیں۔ حضرت کی اہلیہ کا تقریباً ۷۶ برس کی عمر میں ۲۸/جولائی ۱۹۹۸ء میں انتقال ہوا اور حضرت کی قبر مبارک کے ساتھ ہی آپ کی قبر بنی۔ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کی یہ تیسری اہلیہ تھیں دو بیویوں کا آپ کی زندگی ہی میں انتقال ہو گیا تھا۔

حضرت قاری صاحبؒ دورانِ تعلیم ہی حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب رحمہ اللہ سے بیعت ہو گئے تھے۔ قاری صاحبؒ فرماتے تھے کہ حضرت مولانا نے بیعت کے بعد فرمایا: تمہارا قلب شفاف ہے اس لیے تمہیں ذکر جہری کی ضرورت نہیں، چنانچہ ذکر پاس انفاس سے آپ نے میرے اسباقِ روحانیت شروع کروائے۔ جن دنوں آپ ذکر کیا کرتے تھے اُن دنوں آپ کے ساتھ بہت سے واقعات و واردات پیش آئے۔ ہماری اصلاح کے لیے کبھی کبھار آپ کوئی واقعہ سنا دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا:

''ابتدائی دور میں ایک دن میں ذکر اللہ میں مشغول تھا کہ ایک شخص جو بہت ہی گندا تھا۔ اس کا سارا جسم گندگی اور گار میں بھرا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بہت بڑا رسّا تھا وہ اس رسے کو میرے گرد لپیٹا جاتا تھا اور مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ میں اس رسّے کو توڑتا جا رہا ہوں۔ وہ شخص اتنا گندہ تھا کہ مجھے ایسے لگتا تھا کہ جیسے ابھی کسی گٹر سے نکل کر آیا ہو، کافی کوشش کے بعد جب اسے کامیابی حاصل نہ ہوئی تو اس نے جیسے بالکل میرے قریب آ کر مجھ سے بڑے پیار سے کہا ''کیا تو مجھے بھگا کر ہی رہے گا''

فرمایا: ''مجھے پہلے ہی علم تھا کہ یہ شیطان ہے، اس کے بعد جب میں فارغ ہوا تو وہاں کوئی موجود نہ تھا حتیٰ کہ وہ جگہ بھی اس کی گندگی کی وجہ سے خراب نہ تھی''۔

فرمایا: ''ایک بار ذکر کر رہا تھا کہ معاً کچھ ایسے لگا کہ جیسے مجھ پر زعفران کی بارش ہو رہی ہے، میں نے اس طرف کوئی توجہ نہیں دی اور اپنے اصل کام میں مشغول رہا، جب فارغ ہوا تو وہاں کوئی زعفران موجود نہیں تھی''

علومِ ظاہری سے فراغت کے دو سال بعد آپ کو حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب رحمہ اللہ کی طرف سے خلافت عطاء ہوئی جس روز حضرت قاری صاحبؒ کو خلافت ملی اس روز مولانا عبدالغنی صاحب مدظلہ العالی خلیفہ ومجاز حضرت مولانا سیّد حامد میاں رحمہ اللہ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ مولانا عبدالغنی صاحب فرماتے ہیں۔

''حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب رحمتہ اللہ علیہ بیماری کی وجہ سے صاحب فراش تھے آپ کی وفات سے چند روز پیشتر قاری صاحب اسباق سے فارغ ہو کر فرمانے لگے میں نے حضرت کی عیادت کے لیے جانا ہے۔ میں نے عرض کیا میں بھی چلتا ہوں، چنانچہ ہم ملتان روڈ آپ کے صاحبزادہ کے گھر جہاں آپ وفات سے پیشتر قیام فرما تھے پہنچے، سلام و دُعا کے بعد ہم بیٹھ گئے۔ حضرت لیٹے ہوئے تھے نقاہت بہت زیادہ تھی۔ قاری صاحب نے سیب کاٹ کر حضرت کو کھلائے کچھ دیر بیٹھ کر جب ہم اجازت لیکر واپس آنے لگے تو آپ نے قاری صاحب مرحوم کو بلا کر لیٹے لیٹے اپنے سینہ سے لگایا اور فرمایا کہ میری طرف سے تمہیں بیعت کی اجازت ہے، اس کے چند روز بعد حضرت کا انتقال ہو گیا''

انتقالِ نسبت اور اجازتِ بیعت کا یہ واقعہ بعینہٖ ایسے ہی ہے جیسے بانیِ تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد الیاسؒ صاحب رحمہ اللہ (م:۱۳۶۳/۱۹۴۴) کے دمِ واپسیں کا واقعہ، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ آپ کی وفات کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

''پچھلے پہر مولوی یوسف صاحب اور مولوی اکرام الحسن صاحب کو یادفرمایا مولوی یوسف صاحب سے فرمایا'' آمل لے ہم تو چلے اور صبح کی اذان سے پہلے جان جاں آفریں کے سپرد کر دی''۔[1]

حضرت قاری صاحبؒ کے علاوہ حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب رحمہ اللہ سے قاری عبدالغنی صاحب[2] مرحوم بھی مجاز تھے۔ نیز آپ نے حضرت مولانا قاری اظہار احمد صاحب تھانوی رحمہ اللہ (م:۱۴۱۲/۱۹۹۱) اور مولانا حافظ محمد رفیع صاحب مہتمم مدرسہ تجوید القرآن موتی بازار لاہور کو بھی مشروط اجازت دی تھی، ان چار حضرات کے علاوہ کسی اور کی خلافت واجازت کے متعلق راقم الحروف کو علم نہیں۔

حضرت قاری صاحبؒ کی طبیعت میں چونکہ اخفاء تھا اس لیے بہت سے ہمعصر علماء کو آپ کے مجازِ بیعت ہونے کا علم نہیں تھا۔ آپ کی وفات کے بعد علم ہوا، حضرت قاری صاحبؒ نے عرصۂ دراز تک کسی کو بیعت نہیں کیا۔ اگر کوئی کہتا تو اُسے بڑے مشائخ کی طرف رجوع کا مشورہ دیتے۔ پھر جب بعض مشائخ نے بیعت لینے پر اصرار کیا اور خود آپ نے بھی محسوس کیا کہ اس طرح لوگ کہیں غلط عقائد ونظریات والوں کا شکار نہ ہونے لگیں تو بیعت لینی شروع کر دی، لیکن ابھی یہ سلسلہ دراز نہ ہونے پایا تھا کہ آپ اللہ کو پیارے ہو گئے۔

ع آں قدح بشکست و آں ساقی نماند

حضرت قاری صاحبؒ اس دور میں تصوف وتزکیہ کی اہمیت پر بہت زور

---

[1] حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت ص ۱۶۷ [2] قاری عبدالغنی صاحب جامعہ اشرفیہ کے فاضل اور انتہائی نیک سیرت انسان تھے۔ مؤرخہ ۱۴۰۴ھ/۳ رمارچ ۱۹۸۴ء میں آپ کی جوانی کے عالم میں وفات ہوئی رحمہ اللہ۔

دیتے تھے، فرماتے تھے کہ اس دور میں ایمان بچانے کا سب سے محفوظ راستہ تصوف وتزکیہ ہی کا ہے، پہلے آپ طلباء کو دورانِ تعلیم بیعت وسلوک میں مشغولیت اور ذکر واذکار سے منع فرماتے تھے لیکن بعد میں آپ کا نظریہ یہ ہوگیا تھا کہ طلباء کو دورانِ تعلیم ہی کسی شیخ سے بیعت ہو کر اصلاحِ نفس کی طرف توجہ دینی چاہیئے اس کی وجہ آپ یہ بیان فرماتے تھے کہ ماضی میں تحصیل علم کے بعد اصلاحِ نفس کی طرف توجہ دی جاتی تھی لیکن اس زمانہ میں طلباء فارغ ہو کر چلے جاتے ہیں اور تزکیۂ نفس کی طرف توجہ نہیں دیتے اس لیے اب ضروری ہے کہ دورانِ تعلیم ہی اُن کو بیعت کرلیا جائے۔ آپ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے والد ماجد کا یہ مقولہ اکثر سنایا کرتے تھے کہ

> ''ہم نے دارالعلوم کا وہ وقت دیکھا ہے جس میں صدر مدرس سے لیکر ادنیٰ مدرس تک اور مہتمم سے لیکر دربان اور چپراسی تک سب کے سب صاحبِ نسبت بزرگ اور اولیاء اللہ تھے، دارالعلوم اس زمانہ میں دن کو دارالعلوم اور رات کو خانقاہ معلوم ہوتا تھا کہ اکثر حجروں سے آخر شب میں تلاوت اور ذکر کی آوازیں سنائی دیتی تھیں اور درحقیقت یہی اس دارالعلوم کا طغرائے امتیاز تھا''[1]

حضرت قاری صاحبؒ اپنے شیخ حضرت مولانا عبدالحکیم صاحبؒ کی وفات کے بعد اپنے اُستاذ مکرم حضرت مولانا سیّد حامد میاں صاحبؒ سے مراقبات کے سلسلہ میں استرشاد فرماتے رہے۔

تدریس:-

حضرت قاری صاحبؒ ۱۳۹۱/۱۹۷۱ میں تعلیم سے فارغ ہوئے اور اس سے اگلے ہی سال ۱۳۹۲/۱۹۷۲ میں آپ نے حضرت مولانا سیّد حامد میاں صاحب رحمہ اللہ

---

[1] میرے والد ماجد- از حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ ص ۵۲

مہتمم جامعہ مدنیہ کے حکم سے جامعہ مدنیہ ہی میں تدریس کا سلسلہ شروع فرما دیا سب سے پہلی کلاس جو آپ کو دی گئی اس میں اکثریت ان طلباء کی تھی جو شہری تھے اور بعض ان میں ایسے بھی تھے جن کی شرارتوں کی وجہ سے دوسرے اساتذہ اُنہیں پڑھانے سے قاصر تھے، آپ نے حکمتِ عملی کے ساتھ اس کلاس کو سنبھالا اور بڑی کامیابی کے ساتھ کتابیں پڑھائیں، آپ کی اس لیاقت پر دوسرے اساتذہ بھی عش عش کر اُٹھے۔ جامعہ میں پہلے سال آپ نے درجِ ذیل کتابیں پڑھائیں۔

(۱) ترجمۂ قرآن پاک (پہلے چار سپارے ترکیب کے ساتھ)
(۲) قصص النّبیین اوّل تا چہارم۔ (۳) اصول الشاشی۔
(۴) علم الصیغہ۔ (۵) شرح مائۃ عامل۔ (۶) ہدایۃ النحو۔
(۷) کافیہ مع بحثِ فعل شرح جامی۔ (۸) تیسیر المنطق۔
(۹) مرقات۔ (۱۰) شرح تہذیب۔ (۱۱) مفید الطالبین۔

اس کے بعد آپ ہر سال درجہ بدرجہ کتابیں پڑھاتے رہے اور بیس سالہ تدریسی دور میں آپ نے ابتدائی درجہ کی کتب سے لیکر انتہائی درجہ کی کتب بڑی مہارت اور کامیابی کے ساتھ پڑھائیں۔

مدرسہ کی طرف سے جو کتابیں آپ کے لیے تجویز کر دی جاتیں خندہ پیشانی کے ساتھ قبول فرماتے اور بڑی کتابوں کے ساتھ بلا تکلف چھوٹی کتابیں بھی پڑھاتے اور اس میں اپنے لیے کوئی عار محسوس نہ فرماتے۔ آخر میں آپ تدریس کے اس درجہ پر پہنچ گئے تھے کہ بہت سی کتابوں کے پڑھانے کے لیے آپ کو مطالعہ کی ضرورت نہ رہی تھی انتہائی دقیق و مشکل کتابیں بغیر مطالعہ کیئے بلا تکلف پڑھا دیتے تھے۔

حضرت قاری صاحبؒ کے اندازِ تدریس کے متعلق آپ کے بہنوئی حضرت

مولانا قاری قیام الدین صاحب زید مجدھم تحریر فرماتے ہیں۔

''بھائی صاحب (جامعہ مدنیہ کی) مسجد کے صحن میں ''شرح تہذیب'' کی کلاس لیے بیٹھے تھے کہنے لگے میں سبق پڑھا لوں اس کے بعد دونوں شاہ صاحب کے پاس چلیں گے، خیر عبارت کے بعد سبق شروع ہوا تو میرے ذہن میں شیطانی وسوسہ پیدا ہوا اس کا منشا کبر نہ تھا بلکہ قاری صاحب کی علمی استعداد کے متعلق غلط فہمی تھی، وسوسہ یہ تھا کہ شرح تہذیب کا اتنا مشکل سبق وہ کیا پڑھا سکیں گے، قاری صاحب نے اپنے مخصوص مگر سادہ و سلیس انداز میں آدھ پون گھنٹہ تقریر فرمائی ماشاء اللہ بڑے اعتماد و وثوق اور کسی جھجک کے بغیر، گو فہیم طلبہ تو چند تھے باقی بزِ اخفش کی طرح سر ہلا رہے تھے، تاہم ایک دقیق بحث کو بھائی صاحب کے اس طرح پڑھانے سے سچی بات یہ ہے کہ میرے تمام وساوس ختم ہو گئے''[1]

اس موقع پر یاد آتا ہے کہ حضرت قاری صاحبؒ ہمیں دورانِ سبق کبھی کبھی بانی دار العلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ (م: ۱۲۹۷/۱۸۸۰) کا یہ مقولہ سنایا کرتے تھے۔

''آج کل کے عالم یقین جانیئے کُل نہیں تو اکثر جاہل ہی ہیں، بلکہ بعض عالم تو جاہلوں سے بھی زیادہ جاہل ہیں، دو کتابیں اُردو کی بغل میں مار کر وعظ کہتے پھرتے ہیں اور علم کے نام خاک بھی نہیں جانتے، کم سے کم علم اتنا تو ہو کہ ہر علم کی ہر ایک کتاب طالب علم کو پڑھا سکے''[2]

اُس وقت تو ہمیں اس بات کی اتنی اہمیت معلوم نہیں ہوئی تھی، لیکن جب خود پڑھانا شروع کیا تو پھر پتہ چلا کہ حضرت نانوتویؒ نے کیا فرمایا ہے، حقیقت یہ

---

[1] انوار مدینہ ج ۵ ش ۸ ص ۲۷۔ [2] تصفیۃ العقائد ص ۴۵ طبع دار الاشاعت کراچی

ہے کہ اگر چراغ لیکر بھی ڈھونڈھا جائے تو کوئی ایسا عالم نہیں ملے گا جو ہر علم کی ہر ایک کتاب پڑھا سکے، حضرت قاری صاحبؒ جو ہمیں یہ مقولہ سنایا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے اُنہیں یقیناً یہ اعزاز بخشا تھا کہ وہ ہر علم کی ہر ایک کتاب پڑھا سکتے تھے۔ آپ نے ایسے ایسے علوم کی کتابیں پڑھی اور پڑھائی ہیں کہ موجودہ دور کے فُضَلاء شاید اُن کے نام سے بھی واقف نہ ہوں۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اگر آپ ایک جماعت کو تفسیر و حدیث پڑھا رہے ہیں تو دوسری جماعت کو تجوید وقراءت کا درس دے رہے ہیں، ایک جماعت کو اگر منطق و فلسفہ پڑھا رہے ہیں تو دوسری جماعت کو طب وحکمت کا سبق دے رہے ہیں، اسی طرح اگر ایک جماعت کو علمِ ہیئت وریاضی پڑھا رہے ہیں تو دوسری کو علم عروض وادب کا درس دے رہے ہیں، علیٰ ھٰذا اگر ایک جماعت کو نحو وصرف پڑھا رہے ہیں تو دوسری کو فقہ وفتاویٰ کا درس دے رہے ہیں۔ غرضیکہ ہر علم وفن کی کتاب پڑھانا آپ کے لیے آسان تھا۔

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی کتابیں علماء کے درمیان بڑی اَدَق اور دشوار سمجھی جاتی ہیں۔ حضرت قاری صاحبؒ اُن کا بھی مطالعہ فرماتے تھے، دو کتابیں تقریر دلپذیر اور تحذیر الناس متعدد بار مختلف جماعتوں کو آپ نے پڑھائی ہیں۔

اور پھر یہ نہیں کہ آپ کی نظر صرف درس نظامی تک محدود تھی بلکہ اس سے ہٹ کر عصری علوم پر بھی گہری نظر رکھتے تھے چنانچہ الجبرا، جیومیٹری، ہندسہ، ریاضی اور اس سے آگے علم نجوم وجفر پر بھی آپ کو عبور تھا اور اگر کوئی اِن علوم کی کتابیں پڑھنا چاہتا تو اسے آپ پڑھا دیتے تھے۔

یاد رہے کہ حضرت قاری صاحبؒ کو علوم عقلیہ (منطق و فلسفہ) کی تعلیم سے خاص شغف تھا، آپ طلباء کو ان علوم میں مہارت پیدا کرنے پر بہت زور دیا کرتے تھے، آپ فرماتے تھے کہ یہ دور عقلیت پسندی کا ہے اس لیے جب تک

طلباء علوم عقلیہ میں مہارت پیدا نہیں کریں گے اس دور کے عقلیت پسندوں کا مقابلہ نہیں کرسکیں گے۔

تدریس میں آپ کے اصول:۔

حضرت قاری صاحبؒ (۱) وقت کی پابندی کا خاص خیال رکھتے تھے۔ (۲) بلا ضرورتِ شدیدہ ہرگز ناغہ نہیں فرماتے تھے۔ سردی ہو یا گرمی، آندھی ہو یا بارش آپ سبق کے لیے ضرور تشریف لاتے تھے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ مدرسہ میں کوئی اور اُستاذ نہ ہوتا تنِ تنہا آپ پڑھا رہے ہوتے (۳) آج جو سبق پڑھاتے دوسرے دن طلباء سے ضرور سنتے تاکہ اُنہیں اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے اور اگر سمجھنے میں کوئی کمی رہ گئی ہو تو وہ پوری ہو جائے، (۴) اگر طلباء کا کچھ وقت فارغ ہوتا تو اُنہیں اپنے پاس بیٹھ کر تکرار کرنے کا حکم دیتے اور اس میں طلباء کی بھرپور نگرانی فرماتے، طلباء کو تکرار میں اس اصول کا پابند بنا رکھا تھا کہ پہلے ایک شخص کہلائے اور باقی سب سنیں پھر دوسرا کہلائے اور سب سنیں اسی طرح باری باری سب سبق کہلائیں۔ راقم الحروف کو اچھی طرح یاد ہے کہ میں ابتدائی زمانۂ طالب علمی میں شرم کی وجہ سے دوسروں سے اچھی طرح بات بھی نہیں کرسکتا تھا، اس کا اثر تکرار میں بھی تھا کہ بس خاموش بیٹھا سنتا رہتا تھا آموختہ کو کہلاتا نہیں تھا ایک دفعہ ہم سب ساتھی جامعہ کی مسجد میں شرح تہذیب کا تکرار کر رہے تھے، دوسرے سب ساتھی سبق کہلاتے تھے میں چپ بیٹھا سنتا تھا، قاری صاحبؒ نے فرمایا تم بھی کہلاؤ، میں نے عرض کیا مجھ سے نہیں کہلایا جاتا مجھے شرم آتی ہے، فرمایا: جیسے بھی ہو آئے نہ آئے صحیح غلط جس طرح ہو سکے کہلاؤ، میں پھر بھی آمادہ نہ ہوا تو آپ نے پٹائی کی اور خوب کی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پھر بحمد اللہ ساری کلاس کو بڑی بڑی کتابوں

کا تکرار کرانے کی توفیق نصیب ہوئی، اور ایسی زبان کھلی کہ اب درس وتقریر میں گھنٹوں گزر جائیں کوئی تکلف نہیں ہوتا۔ فَجَزَاهُ اللّٰهُ عَنَّا اَحْسَنَ الْجَزَاءِ (۵) حتی الوسع کتاب ختم کرواتے درمیان میں نہ چھوڑتے (۶) طلباء کو سوالات کرنے کی اجازت دے رکھی تھی، اگر کوئی سو بار بھی پوچھتا تو اُکتاتے نہیں تھے۔

طلباء کے ساتھ تعلق:۔

طلباء کی تعلیم کی فکر فرماتے کم ہمتوں کی ہمت بندھاتے، اگر کسی وقت مار پیٹ کی نوبت آتی تو دوسرے وقت اُن کی دلجوئی فرماتے، ان کی تربیت اور ذہن سازی کا خاص خیال رکھتے، لباس و پوشاک اور وضع قطع میں اتباعِ سنت کی تاکید فرماتے، مسلکِ دیوبند جو خالص اتباعِ سنت پر مبنی ہے اس سے آگاہ فرماتے، اس سلسلہ میں اکثر اکابر علماء دیوبند کے عبرت آموز واقعات سناتے، اکابر سے تعلق کی بناء پر طلباء میں انگریز سے نفرت کا داعیہ پیدا فرماتے۔ انگریزی طور وطریقہ سے بچنے کی تاکید کرتے۔

بہت سے طلباء کی مالی امداد بھی فرماتے، اُنہیں خرچ کے لیے رقم یا ان کی ضرورت کی کتاب خرید دیتے، جس طالب علم سے خوش ہوتے اُسے انعام بھی دیتے۔

احقر کو حضرت قاری صاحبؒ نے دورانِ طالب علمی دو کتابیں علم الفقہ اور مصباح اللغات خرید کر دی تھیں، راقم کے پاس وہ قاری صاحبؒ کی یادگار کے طور پر محفوظ ہیں۔ حضرت قاری صاحبؒ اپنی ان خصوصیات کی بناء پر باوجود ''سخت'' مشہور ہونے کے طلباء میں انتہائی مقبول تھے، اکثر طلباء کی خواہش ہوتی تھی کہ ہمارے اسباق قاری صاحبؒ کے پاس آئیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی تدریس صرف مدرسہ تک محدود نہ تھی بلکہ جامع مسجد جانی شاہ جہاں آپ کی رہائش تھی وہاں بھی بہت سے طلباء بلکہ بعض علماء بھی ظہر اور مغرب کے بعد آپ سے مختلف کتابیں پڑھتے تھے، یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ حضرت قاری صاحبؒ کو طلباء کی

تعلیم کا بہت اہتمام رہتا تھا، حتیٰ کہ آپ اُن کی چھٹیوں کے دن بھی تعلیم کے بغیر یونہی گزر جانے کو اچھا نہیں سمجھتے تھے چنانچہ مدرسہ میں شعبان رمضان کی چھٹیاں ہوتیں تو آپ اپنے بہت سے مخصوص طلباء کو گھر پر تعلیم دیتے۔ راقم الحروف کو بھی اِن ایام میں حضرت قاری صاحبؒ سے بہت سی کتابیں پڑھنے کا موقع ملا ہے حضرت قاری صاحبؒ کے یہاں تعلیم کا یہ حال تھا کہ عید بقرعید کے موقع پر بھی بعض طلباء ہاتھوں میں کوئی نہ کوئی کتاب لیے نظر آتے تھے، بار ہا دیکھنے میں آیا کہ رائے ونڈ میں تبلیغی جماعت کے سالانہ اجتماع کے موقع پر مکتبہ مدنیہ کے اسٹال میں بہت سے طلباء کتابیں لیے بیٹھے ہیں اور آپ اُنہیں سبق پڑھا رہے ہیں۔

اِفتاء:۔

حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کو مطالعہ کا انتہائی شوق تھا چنانچہ آپ تدریس کے دوران دیگر کتب کے ساتھ ساتھ کتبِ فتاویٰ مثلاً بدائع الصنائع اور شامی وغیرہ کا بھی مطالعہ فرمایا کرتے تھے جس سے آپ میں فتویٰ دینے کی بھرپور صلاحیت پیدا ہوگئی تھی۔ اسی صلاحیت کی بناء پر حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب رحمہ اللہ آپ کو ''مفتی عبدالرشید'' کہا کرتے تھے۔ لیکن چونکہ مدرسہ میں منصبِ افتاء پر آپ کے والد حضرت مفتی عبدالحمید صاحب دامت برکاتھم فائز تھے اور آخر میں اُن کی زیرِ تربیت حضرت مفتی عبدالواحد صاحب زید مجدھم فتوے دینے لگے تھے اس لیے حضرت قاری صاحبؒ افتاء کا کام نہیں کرتے تھے، تاہم آپ نے کچھ فتوے دیئے بھی ہیں اُن میں سے ایک فتویٰ تبرکاً درج کیا جاتا ہے۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کہ زید کا موقف یہ ہے
کہ ایک ہاتھ لگا کر ماتھے کی طرف سے (جہاں سے سر کے بال شروع ہوتے ہیں)
سر پر رکھ کر گردن تک پھیرنے سے فقہ حنفی کے مطابق سر کا مسح ہو جاتا ہے
اور یہ کہ اس طرح سے آدھے سے زائد سر کا مسح ہو جاتا ہے جبکہ بکر یہ کہ
اسی طرح ایک ہاتھ کو لگا کر اگر پورے سر پر پھیرا جائے تو تمام سر کا مسنون مسح
ہو جاتا ہے۔ کیا زید کا موقف از روئے فقہ حنفی درست ہے یا غلط ہے۔ آسان الفاظ
میں مسئلہ مذکورہ کی وضاحت فرما کر عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں

المستفتی

محمد ادریس عباسی

اسلام آباد

الجواب بعون الملک الوھاب

وضوء میں احناف کے ہاں چوتھائی سر کا مسح فرض ہے۔ اور چونکہ مسح کی حقیقت شرعاً یہ ہے کہ ممسوح عضو یا چیز کو پانی کی وہ تری پہنچائی
جائے جو غیر مستعمل ہو۔ اس میں ہاتھ لگانا بھی ضروری نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص بارش میں کھڑا ہو گیا اور کم از کم چوتھائی سر از خود
بھیگ گیا، اس نے سر پر بالکل ہاتھ نہیں پھیرا تو بھی اس کا مسح ادا ہو جائے گا۔ طحطاوی علی المراقی ص

لہٰذا سوال میں درج دونوں صورتوں

(۱) ایک ہاتھ بھگو کر سر کے نصف سے زائد حصے پر پھیرنا

(۲) ایک ہاتھ بھگو کر پورے سر کا مسح کرنا

میں مسح ادا ہو جائے گا۔ پہلی صورت میں صرف فرض اور دوسری صورت میں سنت بھی۔ البتہ دونوں ہاتھوں سے مسح کرنا چونکہ نبی کریم
علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہے اس لئے وہ زیادہ بہتر اور مستحب ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں عن عبد اللہ بن زید ان النبی (رسول اللہ)
صلی اللہ علیہ وسلم مسح راسہ بیدیہ فاقبل بھما وادبر بدأ بمقدم رأسہ ثم ذھب بھما الی قفاہ ثم ردھما حتی رجع الی المکان
الذی بدأ منہ الحدیث ترمذی شریف ص

عبد الرشید عفی عنہ
خادم جامعہ حنفیہ کریم پارک لاہور
۲۳ شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ

یاد رہے کہ حضرت قاری صاحبؒ اکثر اپنے احباب کو فتوے کے تقدس کی طرف توجہ دلایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ معمولی معمولی باتوں کو بیس بنا کر فتوی بازی میں نہیں لگنا چاہیئے۔ اس سے فتوے کی اہمیت جاتی رہتی ہے چنانچہ لاہور کے کچھ حضرات نے مولانا اللہ یار خان صاحب چکڑالویؒ اور ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے خلاف فتوے لینے کی کوشش کی تو آپ نے اُن سے اتفاق نہیں فرمایا۔

آپ فرماتے تھے کہ اہلِ بدعت کو دیکھ لو اُنہیں اُن کی فتوی بازی نے کیسا بدنام کیا ہے، آپ اس موقع پر مولانا ظفر علی خان مرحوم کے یہ اشعار سنایا کرتے تھے جو اُنہوں نے اہل بدعت کی فتوی بازی کے متعلق کہے تھے۔ ؂

بریلی کے فتووٴں کا سستا ہے بھاوٴ - کہ بکتے ہیں کوڑی کے اب تین تین
خدا نے یہ کہہ کر اُنہیں ڈھیل دی - وَاُمْلِیْ لَھُمْ اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْنٌ

شادی خانہ آبادی:-

حضرت قاری صاحبؒ کی تدریس کا ابھی دوسرا سال تھا کہ ۲۸ رجمادی الاولیٰ ۱۳۹۳/ ۲۹رجون ۱۹۷۳ میں حاجی سعید الحسن صاحب مرحوم کی صاحبزادی سے آپ کا نکاح ہوا۔ نکاح کی یہ تقریب سادگی کے ساتھ سنت نگر کی غنی مسجد میں منعقد ہوئی، نکاح حضرت مولانا سیّد حامد میاں صاحب رحمہ اللہ نے پڑھایا اور مہر مہرِ فاطمی مقرر رہوا۔

اکابر علماء دیوبند سے تعلق اور اُن پر اعتماد:-

حضرت قاری صاحبؒ کو اکابر علماء دیوبند سے غایت درجہ کا تعلق تھا۔ خاص کر حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی قدس سرہٗ سے تو عشق کی حد تک لگاوٴ رکھتے تھے، دورانِ طالب علمی حضرت مدنی رحمہ اللہ کے مکتوبات کی چاروں جلدوں کا مطالعہ فرما لیا تھا۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا۔

"جس روز مکتوبات کی چوتھی جلد ختم کی، مسجد میں لیٹا ہوا تھا نیند آ گئی خواب میں دیکھا کہ حضرت مدنی رحمہ اللہ تشریف لائے ہیں، آپ آگے

آگے چل رہے ہیں اور میں آپ کے پیچھے پیچھے چلا جا رہا ہوں"۔

آپ نے ایک مرتبہ یہ خواب بھی سنایا کہ:

"تدریس کے ابتدائی ایام میں بعض اوقات ایسا ہوا کہ دورانِ مطالعہ بعض عبارات کے حل کے لیے، ابا جی (حضرت مفتی صاحب) سے رجوع کرنا پڑا۔ انہی ایام میں میں نے خواب دیکھا کہ میں گھر میں ہوں اور کسی نے آکر مجھے اطلاع دی کہ باہر حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمہ اللہ تشریف لائے ہیں میں خوشی خوشی یہ اطلاع دینے کے لیے ابا جی (حضرت مفتی صاحب) کے پاس چلا گیا، بعدازاں جب باہر مسجد میں آیا تو پتہ چلا کہ حضرت مدنی رحمہ اللہ چوبرجی میں اپنے شاگرد حضرت مولانا قاضی عزیز اللہ صاحب[1] کے ہاں محمدیہ مسجد تشریف لے گئے ہیں، میں سائیکل پر چوبرجی میں واقع محمدیہ مسجد پہنچا تو دیکھا کہ واقعی حضرت مدنیؒ مسجد میں تشریف فرما ہیں، اردگرد حلقہ بنا ہوا ہے میں بھی حلقہ میں جا کر بیٹھ گیا، کچھ دیر بعد حضرت مدنیؒ نے کسی ساتھی کو ایک تعویذ دیا کہ یہ تعویذ عبدالرشید کو پکڑا دو، میں نے یہ تعویذ حاصل کر لیا اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی"۔

"آپ فرمایا کرتے تھے کہ اس دن کے بعد مجھے کبھی تدریس میں کسی قسم کی مشکل پیش نہیں آئی نہ کسی سے پوچھنے کی ضرورت پڑی"۔

حضرت قاری صاحبؒ حضرت مدنی رحمہ اللہ کے خلیفہ و مجاز ہی سے بیعت ہوئے، فرمایا کرتے تھے جی چاہتا ہے کہ بیعت کے سلسلہ میں جہاں بھی جائیں

---

[1] حضرت مولانا قاضی عزیز اللہ صاحبؒ حضرت قاری صاحبؒ کے والد حضرت مفتی عبدالحمید صاحب مدظلہ العالی کے دورِ طالب علمی کے ساتھی اور نہایت عابد و زاہد انسان تھے محمدیہ مسجد چوبرجی میں امامت و خطابت کے ساتھ تعلیم و تدریس کا کام بھی کرتے تھے، بہت سی مفید کتابیں تصنیف فرمائی تھیں تقریباً اسی برس کی عمر میں ۱۰رمضان المبارک ۱۴۱۴/ ۲۱ر فروری ۱۹۹۴ء بروز پیر آپ کا انتقال ہوا رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

سلسلہ حضرت مدنیؒ ہی کا رہے وہ نہ چھوٹے۔

جب کبھی آپ کی علمی قابلیت اور فنی مہارت کا کوئی تذکرہ کرتا تو فرماتے ہم میں تو کوئی کمال نہیں ہے، ہاں والد صاحب ہمارے بچپن میں جب دیوبند تشریف لے گئے تھے اور ہمیں حضرت مدنیؒ کی گود میں دیدیا تھا یہ اُسی کی برکت ہے۔

اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے پلّے اور تو کچھ ہے نہیں کہ نجات کا سبب بنے، ہاں ہمیں اپنے اکابر سے ضرور عقیدت ومحبت ہے یہ ذریعہ نجات بن جائے تو بن جائے۔

آپ نے کسی بھی علم وفن سے متعلق مدرسہ سے کوئی سند نہیں لی، فرمایا کرتے تھے کہ سند سے کیا ہوتا ہے آدمی کو خود سند ہونا چاہئے، البتہ جب آپ کو خود مدرسہ کی طرف سے سندات پیش کی گئیں تو فرمایا: سندوں کا ہمیں کوئی شوق نہیں ہے چونکہ اکابر کا طریقہ ہے اس لیے لے لیتے ہیں۔

ایک دفعہ راقم الحروف نے عرض کیا کہ لوگ ہمیں شادی بیاہ کی تقریبات میں بلاتے ہیں لیکن غیر شرعی حرکات کی وجہ سے شرکت کرنے کو جی نہیں چاہتا، پھر بعض مقامات ایسے ہوتے ہیں کہ انکار بھی نہیں کیا جاتا میں نے اس کا ایک حل سوچا ہے وہ یہ کہ جب کوئی شادی میں شرکت اور نکاح پڑھانے پر اصرار کرتا ہے تو میں تین چار شرطیں لگا دیتا ہوں مثلاً (۱) نکاح مسجد میں ہو (۲) مہر مہرِ فاطمی ہو (یعنی ایک سو اکتیس تولہ تین ماشے چاندی یا اس کی مالیت) (۳) تصویریں نہ بنائی جائیں (۴) کھانا نہیں کھاؤں گا، لوگ جب یہ شرائط سنتے ہیں تو خود ہی پیچھے ہٹ جاتے ہیں بلاتے ہی نہیں، آپ نے سن کر فرمایا: یہ باتیں اپنی جگہ درست ہیں لیکن ہمارے اکابر یہ شرطیں نہیں لگاتے تھے کیونکہ ہر کوئی اِن شرائط کا متحمل نہیں ہوسکتا، راقم نے اُسی دن سے اپنا نظریہ بدل لیا اور یہ شرطیں لگانی چھوڑ دیں۔

آپ تمام اکابر سے عقیدت ومحبت کے ساتھ ساتھ اُن کا ادب واحترام ملحوظ رکھتے تھے۔ اگر کسی وقت کوئی حضرت تھانوی اور حضرت مدنی رحمہما اللہ کے درمیان

اختلاف کے حوالہ سے بات چھیڑتا تو فرماتے: بھائی ہم اپنے تمام اکابر کے ساتھ عقیدت ومحبت رکھتے ہیں ہمیں اُن کے درمیان اختلافی باتیں چھیڑ کر تفریق کرنا پسند نہیں ہے ہمیں جیسے حضرت مدنی رحمہ اللہ سے محبت ہے ایسے ہی حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ سے محبت ہے ہمارے لیے جیسے حضرت مدنیؒ بڑے ہیں ویسے ہی حضرت تھانویؒ بڑے ہیں، اس موقع پر آپ حضرت مدنیؒ کے حوالے سے یہ شعر سناتے تھے۔

میں نہ تفضیل کا قائل نہ مساوات کا ہاں - مجھ سے گمراہ کی ہدایت کو ہیں یکساں دونوں[1]

آپ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی دِقّتِ نظر اور کمالِ علمی کے معترف تھے، فرماتے تھے کہ آپ کو ''حکیم الامت'' کا لقب جس نے بھی دیا ہے بالکل صحیح دیا ہے یہ لقب آپ ہی کو زیب دیتا ہے اس لیے کہ اَمراضِ روحانیہ کی تشخیص میں جہاں آپ کی نظر پہنچتی ہے وہاں کسی کا وہم بھی نہیں جاتا، آپ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے خطبات ومواعظ کا خود بھی مطالعہ فرماتے تھے اور متعلقین کو بھی اُن کے مطالعہ کی ترغیب دیتے تھے۔

۱۹۸۲ء میں جب انوار احمد صاحب مرحوم[2] نے ''مکتبہ مدنیہ'' سے ''بہشتی زیور'' شائع کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت قاری صاحبؒ نے ''بہشتی زیور'' کے تمام حصوں کی ایک جامع اور یکجائی فہرست تیار کر کے دی اور حضرت تھانویؒ کی مختصر سوانح مرتب کر کے شروع میں لگوائی اس سوانح کے مطالعہ سے قاری صاحبؒ کی حضرت تھانویؒ سے عقیدت ومحبت کا اندازہ ہوتا ہے۔

---

[1] یہ شیخ الھند حضرت مولانا محمود حسنؒ کا شعر ہے کلیات شیخ الھند ص ۱۴ پر درج ہے، حضرت مدنیؒ نے اپنے اُستاذ گرامی کا یہ شعر اپنے بعض مکاتیب میں ذکر فرمایا ہے۔ [2] آپ حضرت قاری عبدالرشید صاحبؒ کے شاگرد اور جانثار مرید تھے، عصری تعلیم میں ایم کام کیا تھا، کافی عرصہ بیرونِ ملک گزار کر پاکستان واپس آئے تو حضرت قاری صاحبؒ نے مکتبہ قائم کرنے کا مشورہ دیا، آپ کے مشورہ کے مطابق انوار صاحب مرحوم نے مکتبہ مدنیہ قائم کیا جس سے بہت سی نادر ونایاب کتابیں شائع کیں، آپ اُسے بڑی لگن اور محنت کے ساتھ چلا رہے تھے کہ ۲۷ر رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ/ ۲۸ر فروری ۱۹۹۵ء بروز منگل بعد نماز عصر مکتبہ میں دہشت گردوں نے آپ کو شہید کر دیا، اگلے دن حضرت قاری صاحبؒ کے پہلو میں آپ کی تدفین ہوئی رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

مارچ ۱۹۸۰ء میں دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ اجلاس کی تقریبات کا انعقاد ہوا تو آپ پُرجوش انداز میں اُن تقریبات میں شرکت کی غرض سے اپنے احباب کے ساتھ دیوبند تشریف لے گئے اور واپسی پر اکابر کی بہت سی کتابیں اور بہت سے نادر و نایاب رسالے ساتھ لائے جو آپ نے اپنے تلامذہ کو بھی دیئے، چند رسالے ناچیز کے پاس بھی بطور یادگار محفوظ ہیں۔

دیوبند سے جو حضرات لاہور تشریف لاتے چاہے وہ علماء ہوں یا عام طبقہ کے آپ بہ اصرار اُن کی دعوت کرتے اس کے لیے گھر میں خاص اہتمام ہوتا پُرتکلف کھانے پکائے جاتے اور اس طرح اُن سے اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کیا جاتا۔

حضرت قاری صاحبؒ کو اکابر علماء دیوبند پر حد درجہ اعتماد تھا اُن کے مسلک و مشرب سے سرِمو انحراف کو روا نہ رکھتے تھے، اصول ہوں یا فروع، عقائد ہوں یا احکام، نظریہ سیاست ہو یا تعلیم ہر بات میں اکابر علماء دیوبند کی تحقیقات پر اعتماد کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ لاہور کے چند حضرات نے دیوبندی بریلوی اتحاد کی کوشش کی تو وہ اس سلسلہ میں حضرت قاری صاحبؒ کے پاس بھی آئے اور ایک تحریر پر دستخط کرنے کو کہا، آپ نے جب اس تحریر میں شرائطِ اتحاد کو دیکھا تو آپ کو احساس ہوا کہ یہ تو سب اپنے اکابر کے خلاف باتیں ہیں آپ نے بغیر کسی مداہنت کے اُس پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا اور اُن کی ہزار منت و سماجت کے باوجود آخیر وقت تک اُن سے متفق نہ ہوئے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت قاری صاحبؒ کو جو اکابر پر حد درجہ کا اعتماد تھا وہ خود اکابر کے اپنے بڑوں پر اعتماد کا ہی تسلسل تھا، ہمارے اکابر بھی اپنے اکابر پر ایسا ہی اعتماد رکھتے تھے، ناچیز کی نظر سے بعض اکابر کے ایسے واقعات گزرے ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر پیش کر دیئے جائیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمتہ اللہ علیہ (م:۱۳۵۲/۱۹۳۳) کے شاگرد و داماد حضرت مولانا احمد رضا صاحب بجنوریؒ (م:۱۴۱۸/۱۹۹۸) نے "ملفوظات محدث کشمیریؒ"

کے نام سے علامہ انور شاہ صاحبؒ کے گرانقدر ملفوظات جمع کئے ہیں شروع میں آپ نے حضرت کی دس خصوصیات ذکر کی ہیں جن میں سے چھٹی خصوصیت بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

''(۶) اس غیر معمولی تبحُّر و وسعت مطالعہ کے ساتھ یہ بات بھی خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ سلف کے مسلک سے الگ ہو کر کسی تحقیق کو پسند نہیں فرماتے تھے بلکہ اپنے اکابر و اساتذہ کے مسلک کو بھی چھوڑنا گوارا نہیں فرماتے تھے، چنانچہ احقر نے دورانِ قیام کرنال میں تفسیر طنطاوی میں تصویر اور مروجہ فوٹو کے بارے میں علامہ طنطاوی کے نقلی و عقلی استدلات کا حوالہ دے کر استصواب رائے کیا تو تحریری جواب کچھ نہ ملا، کچھ عرصہ کے بعد احقر خدمتِ والا میں حاضر ہوا تو اپنے خط کا ذکر کیا، فرمایا کہ جی ہاں خط ملا تھا جواب کا موقع نہیں ہوا، پھر میں نے کہا کہ حضرت آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا کہ ''اپنے حضرات کی رائے نہیں ہے''

بس اس قدر جواب تھا اور اس سے بہتر وافی و شافی جواب کیا ہو سکتا ہے[۱]؟

مولانا موصوف کچھ آگے چل کر مزید تحریر فرماتے ہیں۔

''حضرت شاہ صاحبؒ کی مذکورہ بالا دس خصوصیات جو اس وقت مجھے مستحضر ہو سکیں درج کی گئیں۔ مگر سب سے زیادہ جو اہم ترین فضیلت میرے نزدیک حضرتؒ کی تھی اور ضمناً اس کا ذکر بھی آ چکا ہے وہ یہ تھی کہ باوجود اس قدر علم و فضل، تبحر علمی، وسعتِ معلومات اور وسعتِ مطالعہ کے کہ جہاں تک میرا خیال ہے ہندوستان اور حرمین شریفین کے کتب خانوں کی عربی مطبوعات و مخطوطات میں

---

[۱] ملفوظات محدث کشمیری ص ۴۳-۴۴

سے کوئی کتاب ایسی نہ ہوگی جو آپ کے کامل و مکمل مطالعہ سے نہ گزری ہو، کیونکہ سلف و خلف کی کسی کتاب کو بغیر مطالعہ کے نہ چھوڑتے تھے، پھر بھی آپ کا یہ تثبت و التزام حیران کن ہے کہ کبھی کسی ادنیٰ جزئی مسئلہ پر بھی سلف کے مسلک سے ہٹنے کے لیے تیار نہیں ہوئے۔ حتیٰ کہ اس دور میں اکابر دیوبند کا جو ایک چھنا چھنایا برگزیدہ معتدل حنفی مسلک ہے اور ہر طرح افراط و تفریط سے پاک اور علمائے سلف و خلف سے بطور تواتر و توارث ہمارے حضرات تک پہنچا ہے، اور ظاہر ہے کہ قرآن و سنت کی روشنی میں ایک بہتر اسوہ و نمونہ ہے، اس کی بھی رعایت بدرجہ اتم فرماتے تھے۔

اگر کوئی گنجائش اُوپر سے کسی مسئلہ میں مل گئی تو اس کو فرما دیا، ورنہ نیا اجتہاد کر کے کوئی گنجائش دینے کے لیے تیار نہیں تھے، میں سمجھتا ہوں کہ یہ حضرتؒ کا سب سے بڑا کمال تھا جو دوسرے کمالات پر کم از کم میرے نزدیک ایک بڑی فوقیت رکھتا ہے، کیونکہ اس دور میں تو بہت زیادہ اور پہلے اَدوار میں بھی ایسے علماء ہوئے ہیں جن کو علمی تبحر اور وسعتِ مطالعہ کی دولت ملی تو وہ مجتہد بن گئے، اور پھر وہ خود اپنے علم پر بھروسہ کر کے قرآن مجید کی تفسیر احادیث رسول اللہ ﷺ کی تشریح و اقوالِ سلف کی تاویل میں آزاد ہو گئے۔ اور جس طرح خود ان کی سمجھ میں آیا اس کو اگلوں تک پہنچانے کے لیے اپنی ساری قوتِ تحریر و بیان صرف کر دی، جس سے کتنے ہی مفاسد اور فتنوں کے دروازے کھل گئے اور جن لوگوں نے ان نئے مجتہدوں کی تحقیق پر بھروسہ کیا ان کا اعتماد پہلوں سے اُٹھ گیا، شاید ایسے ہی موقعوں کے لیے کسی شاعر نے کہا ہے۔

فان کنت لا تدری فتلک مصیبة
وان کنت تدری فالمصیبة اعظم

غرض میں یہ کہہ رہا تھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی سب سے بڑی خصوصیت وفضیلت میرے نزدیک یہ تھی کہ وہ سلف کے راستہ کو ترک کرنا گوارہ نہیں فرماتے تھے، خیال فرمایئے کہ مصر کے تقریباً تمام ہی علماء موجودہ فوٹوگرافی کے ذریعے حاصل شدہ تصاویر کو جائز قرار دے رہے ہیں۔ علامہ طنطاوی ان سب دلائل و براہین کو اپنی تفسیر میں یکجا کر دیتے ہیں۔ جن سے جواز کی شکل نکل سکتی ہے۔ قرآن مجید سے، احادیث سے، آثار صحابہؓ سے اور پھر دلائل عقلیہ سے اور اس پورے مضمون کو پڑھ کر اور علامہ طنطاوی کی ساحرانہ طرز تحریر اور زور بیان سے بھی متاثر ہو کر میں نے اپنے دل میں یہ یقین کر لیا تھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی بھی چونکہ سب چیزوں پر نظر ہے، اگر کوئی بال برابر بھی گنجائش شرعی نقطۂ نظر سے نکل سکتی ہے تو حضرت ضرور اس کا اشارہ فرمائیں گے۔ مگر وہاں سے جواب کیا ملتا ہے صرف اتنا کہ ''اپنے حضرات کی رائے نہیں ہے''۔ اس جملہ کی قیمت کتنی بڑی ہے کم از کم میں اپنے کو اس کے بیان سے عاجز پاتا ہوں، آج اس واقعہ کو تقریباً ۲۸-۲۹ سال گزر چکے ہیں مگر جب کبھی یہ جملہ یاد آ جاتا ہے تو سوچا کرتا ہوں کہ حضرت نے کیا بات فرمائی تھی؟ میرا اتنا لمبا چوڑا خط، علامہ طنطاوی کے پیش کردہ نقلی و عقلی دلائل کا انبار علماء مصر کا طرزِ عمل، اور اس کے اثر سے یہاں ہندوستان کے بھی بہت سے علماء وعوام میں اس امر کے رجحانات کہ کسی طریقہ سے بھی کچھ جواز شرعی کا شائبہ ہی نکل آئے، یہ سب

کچھ ہے مگر حضرتؒ کا جواب کتنا مختصر کتنا جامع و مانع اور کس قدر مکمل وافی وشافی ہے، اس کی داد دینا دشوار ہے بلکہ دشوار سے دشوار تر ہے، کیونکہ اس سے آپ نے صرف میرے سوال کا جواب ہی نہیں دیا بلکہ اس کے ساتھ یہ ہدایت اور رہنمائی بھی ملی کہ آئندہ بھی جب کبھی اس قسم کا خلجان کسی جزئی مسئلہ میں ہو تو تم کو صرف یہ دیکھ لینا چاہئے کہ اپنے حضرات کی رائے کیا ہے''؟[1]

مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھیؒ (م: ۱۳۶۰/۱۹۴۱) حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ (م: ۱۳۴۶/۱۹۲۷) کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

''ہر چند کہ آپ خلق مجسم تھے مگر خلافِ سنت عقیدہ والوں سے آپ کو کمال نفرت تھی ایک مرتبہ آپ کے کسی مرید نے ضلع رہتک کے ایک عالم کی صفائی کرتے ہوئے یوں کہا کہ حضرت وہ تو حضور کے رشتہ دار ہیں اور بالکل ہمارے ہم خیال ہیں صرف بعض عقائد میں کچھ یوں (ہی) سا جزوی اختلاف ہے جیسا باہم ائمہ میں، وہ صاحب اپنی تقریر ختم کرنے نہ پائے تھے کہ آپ کے چہرہ پر ناگواری کے آثار پیدا ہو گئے اور آپ نے تعجب کے ساتھ فرمایا کہ ہائیں عقائد میں اور اختلاف؟ یہ تو جزوی ہونا آپ کو خود ہی تسلیم ہے میرا تجربہ تو یہ ہے کہ عقائد میں جز تو جز اگر بالکل بھی اختلاف نہ ہو مگر شک اور شبہ کا درجہ ہو تو وہ بھی برباد و گمراہ ہوئے بغیر نہیں بچتا، پھر اس کو ائمہ کے اختلاف سے تشبیہ[2] دینا تو بڑی ہی دلیری کی بات ہے، پس چاہے عمل میں کتنی ہی کمزوری ہو مگر خدا نہ کرے کہ کوئی مسلمان بدعت کو سنت

---

[1] ملفوظات محدث کشمیریؒ ص ۴۶ تا ۴۸۔ [2] مولانا عاشق الٰہی صاحب حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں ائمہ مجتہدین میں عقائد کا اختلاف نہیں ہوتا صرف فقہی فروعی مسائل کے راجح و مرجوح ہونے کا ہوتا ہے حق و باطل کا وہ بھی نہیں، تذکرۃ الخلیل ص ۲۵۶۔

سمجھے یا سنت کے سنت ہونے میں شک لاوے کہ یہ بلائے بے درماں مہلک اور سمِ قاتل ہے"[1]

جس طرح ہمارے اکابر نوّر اللّٰہ مراقدھم اپنے وفورِ علمی اور وسعتِ نظر کے باوجود اپنے اکابر و اسلاف کے مسلک و موقف اور اُن کی رائے پر غیر متزلزل اعتماد و یقین رکھتے تھے اسی طرح حضرت قاری صاحب مرحوم اپنی دیگر خصوصیات کے ساتھ ساتھ اس خصوصیت میں بھی ممتاز تھے، آپ اکابر کے مسلک و موقف اور اُن کی رائے سے بال برابر بھی انحراف یا اختلاف کو برداشت نہیں کرتے تھے اور اس سلسلہ میں کسی قسم کی مداہنت کو پسند نہیں فرماتے تھے۔

موجودہ دور کا بہت بڑا المیہ ہے کہ اس دورِ پُرفتن میں اسلاف اور اکابر پر سے اعتماد اُٹھتا چلا جا رہا ہے معمولی سے معمولی آدمی بھی خود بینی اور خود رائی کا شکار ہے ہر ایک کی زبان پر تحقیق تحقیق کی رٹ ہے اور اس عنوان سے اجماعی اور طے شدہ مسائل کو تختۂ مشق بنا کر بجائے تحقیق کے لوگوں کو تشکیک کا شکار کیا جا رہا ہے۔ اسی پر بس نہیں بلکہ اکابر پر بداعتمادی کے ساتھ ساتھ اُن پر تنقید بھی ایک معمول کی چیز بنتی جا رہی ہے۔ ؎

الٰہی خیر ہو کہ فتنۂ آخر زماں آیا - رہے ایمان و دین باقی کہ وقتِ امتحاں آیا

ایسے محسوس ہوتا ہے کہ اب وہ دور آ گیا ہے جس کے متعلق حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے پیش گوئی فرمائی تھی، آپ نے فرمایا:

"یفتح القراٰن علی الناس حتی یقرأہ المرأۃ والصبی والرجل فیقول الرجل: قد قرأت القراٰن فلم اتبع واللّٰہِ لاقومن بہ فیھم لعلی اتبع فیقوم بہ فیھم فلا یتبع، فیقول قد قرأت القراٰن فلم اتبع، وقد قمت بہ فیھم فلم اتبع لاحتظرن فی بیتی مسجدًا

---

[1] تذکرۃ الخلیل ص ۲۵۵

لعلی اتبع فیحتظر فی بیته مسجدًا فلایتبع فیقول قد قرأت القرآن فلم اتبع و قمت به فیهم فلم اتبع وقداحتظرت فی بیتی مسجدًا فلم اتبع واللّٰہ لأ تینّهم بحدیثٍ لایجدونه فی کتاب اللّٰہ ولم یسمعوه عن رسول اللّٰہ لعلی اتبع قال معاذ: فایاکم وماجاء به فان ماجآء به ضلالة"[1]

ترجمہ:۔ قرآن مجید لوگوں میں عام ہو جائیگا، اسے عورتیں بھی پڑھیں گی، مرد اور بچے بھی پڑھیں گے، اس وقت آدمی سوچے گا کہ میں نے قرآن پڑھ لیا لیکن میری پیروی نہیں کی جاتی پھر اس پر عمل کا اہتمام کریگا تب بھی اس کی پیروی نہیں کی جائیگی، پھر وہ اپنے گھر میں مسجد بنا کر عبادت میں لگ جائے گا۔ پھر بھی اس کی پیروی نہ کی جائیگی، اب وہ اپنے دل میں کہے گا کہ میں نے قرآن پڑھا اور کسی نے مجھے اہمیت نہ دی کہ میری اتباع کرتا، میں نے اس پر عمل کیا پھر بھی میں مقتدیٰ نہ بنا پھر میں نے اپنے گھر کو مسجد بنا ڈالا تب بھی کوئی میرے پیچھے چلنے والا نہ نکلا، اچھا اب میں نئی تحقیقات اور نئی باتیں پیش کرونگا۔ ایسی تحقیقات اور ایسی باتیں جو نہ اللہ کی کتاب میں ہوں گی اور نہ انہوں نے اللہ کے رسول سے سنا ہوگا۔ شاید اس سے میری اہمیت ہو اور میری پیروی کی جائے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خبردار اس کی باتوں پر دھیان نہ دینا کیونکہ جو کچھ وہ پیش کر رہا ہے وہ گمراہی ہے۔

ایسی خطرناک اور بھیانک صورت میں سوائے اس کے کہ متنازع مسائل میں اکابر کی رائے پر غیر متزلزل اعتماد و یقین رکھا جائے نجات کی اور کوئی صورت نہیں، کیونکہ جو علم و عرفان، معرفت و بصیرت، تقوی وللّٰہیّت اور خوف و خشیت اُنہیں

---

[1] سنن دارمی ج ا ص ۷۸

حاصل تھا آج اُس کا شمّہ بھی کسی کو نصیب نہیں، اس لیے اُنہی کی پیروی میں سلامتی اور نجات حاصل ہو سکتی ہے، حدیث شریف سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھما حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "اَلْبَرَکَةُ مَعَ اَکَابِرِکُمْ"[1] برکت تمہارے اکابر کے ساتھ ہے، برکت کہتے ہیں خیر اور بھلائی کو تو مطلب یہ ہوا کہ اگر تم خیر اور بھلائی چاہتے ہو تو وہ تمہارے اکابر اور تمہارے بڑوں کے ساتھ ہے وہیں سے حاصل ہو سکتی ہے، سو جو بھی اکابر پر اعتماد کر کے اُن کے ساتھ جڑے گا وہ خیر و بھلائی کو پالے گا اور جو ان پر بے اعتمادی کر کے اُن سے کٹے گا وہ خیر سے محروم رہے گا۔

مسئلہ حیات النبی ہو (ﷺ) یا وسیلہ و سماعِ اموات، مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا مسئلہ ہو یا استخلافِ یزید کا، سنت و بدعت کا مسئلہ ہو یا اجتہاد و تقلید کا ہمارے اکابر رحمھم اللہ کا ہر مسئلہ پر ایک واضح موقف ہے جو انتہائی متوازن و مدلل ہے اس کے ہوتے ہوئے دربدر بھٹکنے اور کسی ایرے غیرے کے پیچھے لگنے کی ضرورت نہیں۔

تحفظ مسلک کے لیے فکر مندی و دل سوزی:

حضرت قاری صاحبؒ کو اکابر علماء دیوبند کے ساتھ والہانہ تعلق اور اُن پر غیر متزلزل اعتماد کی وجہ سے مسلک اعتدال مسلک علماء دیوبند (جو جمہور علماءِ اُمت کا مسلک ہے اور جس کی تعلیمات کا بنیادی سرچشمہ قرآن وسنت ہیں اس) کی نشر و اشاعت اور اس کے تحفظ کیساتھ جنون کی حد تک لگاؤ تھا، اس سلسلہ میں آپ نے کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کیا، بلکہ دامے درمے قدمے سخنے جس طرح بن پڑا اپنے راحت و آرام کو تج کر مسلک کی تبلیغ اور اس کے تحفظ کی کوشش کرتے رہے، بارہا آپ کو سفر درپیش آئے اندرونِ ملک کے طول و طویل اسفار کیئے۔

[1] مستدرک حاکم ج ۱ ص ۶۲ وقال ھذا حدیث صحیح علی شرط البخاری

ہندوستان اور متحدہ عرب امارات کا تفصیلی دورہ کیا۔

انجمن ارشاد المسلمین کا اجراء اور اس کے مقاصد:-

بھٹو صاحب کا پانچ سالہ دورِ اقتدار پاکستان کا انتہائی تاریک ترین دور شمار ہوتا ہے، اس دور میں قومی زندگی کا ہر شعبہ انتشار بلکہ تخریب کا شکار ہو چکا تھا صنعت وحرفت تباہ، زراعت کا نظام درہم برہم اور تعلیمی ادارے فتنہ وفساد کی آماجگاہ بن کر رہ گئے تھے، اخلاقی انحطاط وزوال ایک سیلاب کی طرح اُمڈ کر آ گیا تھا جو ساری اخلاقی قدروں کو جڑ سے اکھیڑ رہا تھا۔ کسی بڑے چھوٹے کی عزت باقی نہیں رہی تھی۔ دین داروں کا کھلے بندوں مذاق اڑایا جاتا تھا اور علماء دین کی پگڑیاں اچھالی جاتی تھیں۔ وہ پاکستان جو صرف اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا جس کی بنیادوں میں لاکھوں شہیدوں کا خون شامل تھا اسی پاکستان کی شاہراہوں پر ''اسلام مردہ باد'' ''سوشلزم زندہ باد'' کے نعرے لگ رہے تھے اور ان نعرہ بازوں کو روکنے کی کسی میں ہمت نہ تھی۔ کارخانوں کو ان کے اصل مالکوں سے چھین کر ناتجربہ کار اور غیر ذمہ دار حواریوں کے حوالے کر دیا جاتا تھا تاکہ وہ جس طرح چاہیں ملکی دولت کو لوٹیں اور مزے اڑائیں نتیجتاً وہ کارخانے جو کروڑوں روپے کا نفع دے رہے تھے خسارے کا شکار ہو گئے تھے الغرض ایک ہڑبونگ تھی جو چاروں طرف مچی ہوئی تھی۔ اس سب سے بڑھ کر المیہ یہ تھا کہ اہل حق کو ہر طرف سے مقاومت کا سامنا تھا۔ ۱۹۷۷ء کے اوائل میں انتخابات کا اعلان ہوا تو ملک کی ۹ جماعتوں نے اس سیاہ دور سے نجات حاصل کرنے کے لیے حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ (م: ۱۴۰۰/۱۹۸۰) کی قیادت میں ''قومی اتحاد'' کے نام سے ایک مشترکہ پلیٹ فارم قائم کیا۔

''قومی اتحاد'' نے پورے ملک میں بہت جلد انتہائی مقبولیت حاصل کر لی

اندازہ یہ تھا کہ انتخابات میں اُسے سو فیصد کامیابی حاصل ہوگی۔

لیکن شومیِ قسمت جب ۷/مارچ ۱۹۷۷ء بروز پیر قومی اسمبلی کی ۱۸۱ نشستوں کا الیکشن ہوا تو بھٹو حکومت نے بدترین دھاندلی کا ارتکاب کیا جس کے نتیجہ میں ''قومی اتحاد'' پورے ملک میں شکست سے دوچار ہوا۔ دس مارچ ۱۹۷۷ء بروز جمعرات صوبائی اسمبلی کے انتخاب ہونے تھے جن کا قومی اتحاد کے قائدین نے بائیکاٹ کیا اور مطالبہ کیا کہ قومی اسمبلی کے دوبارہ انتخابات کروائے جائیں اربابِ اقتدار نے یہ مطالبہ تسلیم کرنے کے بجائے پوری ڈھٹائی سے اِسے ماننے سے انکار کر دیا قومی اتحاد کے قائدین نے ان حالات کو دیکھتے ہوئے بھرپور تحریک چلانے کا پروگرام بنایا، چنانچہ ۱۴/مارچ ۱۹۷۷ء بروز پیر سے پورے ملک میں ایجی ٹیشن شروع ہوگئی، اس تحریک نے زور پکڑا اور پورا ملک سراپا احتجاج بن گیا ہر جگہ آگ وخون کی ہولی کھیلی جانے لگی اور بے گناہ لوگ خاک وخون میں تڑپنے لگے جس کا انجام یہ ہوا کہ ۵/جولائی ۱۹۷۷ء بروز منگل جنرل ضیاء الحق نے ملک میں مارشل لاء لگا کر زمامِ اقتدار خود سنبھال لی، جنرل ضیاء الحق کے اقتدار سنبھالنے کے بعد کچھ امن وسکون نصیب ہوا، یہ تمام حالات قاری صاحب مرحوم کے سامنے سے گزر رہے تھے ان حالات میں آپ کو ایک طرف سیاسی رُخ دیکھنا تھا تو دوسری طرف مسلک کے تحفظ کا کام بھی کرنا تھا اور اہلِ بدعت کی یلغار کو بھی روکنا تھا جو کفر سازی کے ساتھ ساتھ تاریخ کو بھی مسخ کر رہے تھے اہلِ بدعت سے نبرد آزما ہونے کے لیے آپ نے یہ چاہا کہ علماء حق کو علمی مواد سے مسلح کیا جائے، چنانچہ آپ نے اہل بدعت کی وہ کتابیں جو حوالہ کے لیے درکار تھیں لیکن نایاب ہونے کی وجہ سے ملتی نہیں تھیں وہ چھاپ کر علماء تک پہنچائیں، نیز اس سلسلہ میں اپنے اکابر علماء نے جو کچھ لکھا لکھایا تھا اُسے بھی تلاش کر کے شائع کیا اور علماء وعوام تک پہنچایا، انہی دنوں کی بات ہے کہ حضرت قاری صاحبؒ کے پاس شاداب کالونی

مزنگ کے چند نوجوان آیا کرتے تھے قاری صاحب مرحوم کے پاس نشست و برخاست اور آپ سے استفادہ سے ان کے دل میں مسلک علماء دیوبند سے قلبی لگاؤ بلکہ ایک قسم کی وارفتگی سی پیدا ہو گئی تھی۔

ان نوجوانوں نے حضرت قاری صاحب مرحوم سے اصرار کیا کہ نوجوانوں کی ایک تنظیم بنانی چاہیے جو مسلک دیوبند کے تحفظ اور اس کی نشر و اشاعت کے لیے کام کرے قاری صاحب مرحوم نے ان کے پیہم اصرار پر اپنے دیگر احباب سے مشورہ کیا اور ۲۴/اگست ۱۹۷۷ء بروز جمعتہ المبارک ''انجمن ارشاد المسلمین'' کے نام سے ایک تنظیم قائم کی جناب ایاز الرحمٰن صاحب کو اس کا صدر اور محترم انوار احمد صاحبؒ کو جنرل سیکرٹری نامزد کیا، اور خود اس کے سرپرست مقرر ہوئے۔ انجمن کے مقاصد حسب ذیل تھے۔

(۱) مسلمانوں میں اخوت اسلامی اور دینی جذبہ پیدا کرنا۔

(۲) توحید و سنت کو زندہ کرنا، شرک و بدعات، غیر اسلامی رسم و رواج، نیز دیگر فواحش و منکرات کو مٹانا۔

(۳) انکارِ ختم نبوت اور انکارِ حدیث ایسے عظیم فتنوں سے مسلمان بھائیوں کو بچانا۔

(۴) نو تعلیم یافتہ حضرات کے دل و دماغ کو مستشرقین کے پھیلائے ہوئے زہریلے اثرات سے محفوظ رکھنا۔

(۵) مقام صحابہ (رضی اللہ عنہم) سے لوگوں کو روشناس کرانا، نیز اُن کے معیارِ حق ہونے کے عقیدے کو مسلمانوں کے قلوب و اذہان میں راسخ کرنا۔

(۶) عوام کو صحیح طور پر مسلک اہل سنت و الجماعت سے متعارف کراتے ہوئے اپنے عقائد و اعمال کو اس کے مطابق ڈھالنے کی تلقین کرنا۔

(۷) مجدد الف ثانیؒ، شاہ ولی اللہؒ اور ان کے بعد پیدا ہونے والے مسلک اہل سنت والجماعت کے دیگر جید اساطین علم و فضل کی زندگیوں سے عوام کو آگاہ کرنا جن

کی ملی، ملکی، سیاسی اور مذہبی خدمات پر پاک و ہند کا چپہ چپہ گواہ ہے۔

(۸) دینی تعلیم و تبلیغ کو عام کرنا اور اس سلسلے میں اُردو کا ایک مخصوص دینی نصاب پڑھانا۔

(۹) ایک ایسی لائبریری کا قیام جس میں حدیث، تفسیر فقہ، عقائد، سیرت، تاریخ اور سوانح بزرگانِ سلف کی کتب کا ذخیرہ فراہم ہو تا کہ ہر شخص کے لیے ان کتب کا مطالعہ آسان ہو سکے۔

(۱۰) انجمن کی رکن سازی، بالخصوص تعلیم یافتہ حضرات کو انجمن کا رکن بنا کر رشد و ہدایت اور تعلیم و تبلیغ کے لیے تیار کرنا۔

(۱۱) فرق باطلہ کے دجل و فریب اور ان کے اضلال و تضلیل سے مسلمان بھائیوں کو بچانا۔

(۱۲) ایسی کتب کی نشر و اشاعت کرنا جو انجمن کے مقاصد پورا کرنے میں ممد و معاون بن سکیں۔

انجمن کے مقاصد بروئے کار لانے کے لیے ایک عرصہ تک انجمن کے ہفتہ وار اور ماہوار تربیتی اور تبلیغی اجلاس قاری صاحبؒ کی ''مسجد جانی شاہ'' میں باقاعدگی کے ساتھ ہوتے رہے، حضرت قاری صاحبؒ کی خواہش تھی کہ یہ انجمن چند نوجوانوں تک محدود رہنے کے بجائے آگے بڑھے، چنانچہ اس سلسلہ میں آپ نے اپنے حلقہ کے علماء کرام کو جوڑنے اور ساتھ ملانے کی کوشش کی لیکن خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی لہٰذا آپ نے افرادی قوت بڑھانے کے بجائے اہل باطل سے قلمی جہاد کرنے کی طرف توجہ مبذول فرمالی اور انجمن کے پلیٹ فارم سے اہل باطل کے خلاف بہت سی نادر و نایاب کتابیں چھاپ کر علماء و عوام کو اُن سے مسلح کیا۔

محمد رسول اللہ (ﷺ) کانفرنس

بجواب یارسول اللہ کانفرنس

مارچ ۱۹۸۴ء کی بات ہے کہ مولانا سیّد عبدالقادر آزاد خطیب بادشاہی مسجد لاہور کی دعوت پر عالم اسلام کے معروف قاری عبدالباسط عبدالصمد پاکستان تشریف لائے اور مختلف مقامات پر حسن قراءت کا مظاہرہ کیا۔ جس میں لاکھوں فرزندانِ توحید شریک ہوئے، اس کے علاوہ قاری عبدالباسط صاحب نے مختلف اخبارات کو انٹرویوز بھی دیئے جن میں اپنی خدمات کے ساتھ ساتھ علماء دیوبند کی خدمات کو بھی سراہا، اہل بدعت جو شروع سے ہی علماء دیوبند سے پرخاش رکھتے ہیں انہیں قاری عبدالباسط صاحب کے یہ بڑے بڑے اجتماعات جو علماء دیوبند کی مساجد میں ہورہے تھے ناگوار گزرے ردِ عمل کے طور پر انہوں نے بادشاہی مسجد لاہور میں محفل قراءت کے ایک پروگرام کو جو ۲۳ر مارچ ۱۹۸۴ء بروز جمعہ بعد نمازِ عشاء ہونا تھا ایک ناپاک سازش کے تحت خراب کرنے کی اسکیم بنائی، وہ سازش یہ کی کہ عین اس وقت جبکہ قاری عبدالباسط حسنِ قراءت کا مظاہرہ کر رہے تھے اور لوگ انہیں داد دے رہے تھے انہوں نے مجمع میں ایک شخص کو کھڑا کر دیا جس نے نعرے بازی کے ساتھ ساتھ ہلڑ بازی بھی شروع کر دی لوگوں نے اس شخص کو اس حرکت سے روکا اور باز نہ آنے پر مارا اور مجمع سے باہر نکال دیا، گڑبڑ ختم ہوگئی اور پروگرام جاری رہا جو قاری عبدالباسط صاحب کی تلاوت کے بعد اختتامی دعاء پر ختم ہوا، ابھی اس پروگرام کو چند روز بھی نہ گزرے تھے کہ اہلِ بدعت نے اخبارات و رسائل میں یہ شور مچانا شروع کر دیا کہ بادشاہی مسجد میں ۲۳ر مارچ کے پروگرام میں وہابیوں نے حضور کی گستاخی کی ہے اور نعرۂ رسالت کے جواب میں (نقلِ کفر کفر نہ باشد) مردہ باد کہا ہے، العیاذ باللہ اہل بدعت کا یہ خالص افتراء و بہتان تھا جو انہوں نے سازش کے تحت گھڑا تھا، اس سے وہ دو فائدے حاصل کرنا چاہتے تھے۔ نمبر ا علماء دیوبند کو بدنام کرنا، نمبر ۲ مولانا آزاد کو

بادشاہی مسجد کی خطابت سے برطرف کروا کر اپنا آدمی مقرر کرنا، اہلِ بدعت کے اس الزام کی تردید کی گئی اور یہ تردید نہ صرف مولانا آزاد نے کی بلکہ اس محفل میں شریک علماء، عوام اور سماجی کارکنان وغیرہ سب ہی نے کی مگر اہل بدعت کا شور کم ہونے کے بجائے مزید بڑھنے لگا جگہ جگہ یارسول اللہ کانفرنسیں ہونے لگیں اور اخبارات میں اشتعال انگیز اشتہارات چھاپ کر عوام کو مشتعل کیا جانے لگا، لیکن ان کارروائیوں کا نتیجہ کچھ نہ نکلا، انجام کار اہل بدعت نے بادشاہی مسجد پر قبضہ کا پروگرام بنایا اور اخبارات واشتہارات کے ذریعہ یہ اعلان کیا کہ ۲۱ رمئی بروز پیر کو ''یارسول اللہ کانفرنس'' بادشاہی مسجد میں ہوگی، اِدھر احبابِ دیوبند جو اہلِ بدعت کی اِن مذبوحی حرکات سے بے خبر نہ تھے مگر حالات کی نزاکت کے پیشِ نظر مصلحتاً خاموش تھے اُنہیں جب اس کا علم ہوا تو اُنہوں نے بادشاہی مسجد پر اہلِ بدعت کے قبضہ کو روکنے کے لیے عین اُسی تاریخ میں ''محمد رسول اللہ ﷺ کانفرنس'' کے انعقاد کا اعلان کر دیا، حکومت نے فریقین کو اس اقدام سے منع کیا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا، بالآخر ۲۱ رمئی کا دن آ گیا، اہلِ بدعت جو اپنے مدرسہ ''حزب الاحناف'' دربار روڈ میں جمع تھے۔ محمود احمد رضوی صاحب کی زیر قیادت غیظ وغضب میں بھرے ہوئے بادشاہی مسجد فتح کرنے کے لیے روانہ ہوئے اور پولیس کی کسی بھی قسم کی مزاحمت[1] کے بغیر مسجد میں پہنچ گئے، اور مسجد کی وہ بے حرمتی کی جس کی کوئی حد نہیں، اُدھر حضراتِ دیوبند (جن میں قاری صاحب مرحوم اور ان کے رفقاء پیش پیش تھے) جو شیرانوالہ میں جمع تھے وہ اہلِ بدعت کے حملہ کو روکنے کے لیے بادشاہی مسجد پہنچے، قانون کے محافظوں نے اہلِ بدعت کو تو بغیر کسی مزاحمت کے مسجد میں جانے دیا تھا لیکن اہلِ حق کو اُنہوں نے روکا اور جب اِن حضرات نے آگے بڑھنے

---

[1] اس کی وجہ یہ تھی کہ اِن دنوں پنجاب کے گورنر جنرل سوار خان تھے جو نظریاتی طور پر غالی بدعتی تھے، انہوں نے اہل بدعت کی بہت سپورٹ کی تھی۔

پر اصرار کیا تو قانون کے ان محافظوں نے اِن پر زبردست لاٹھی چارج کیا اور اُدھر اہلِ بدعت مسجد کے اُوپر سے سنگ باری کرتے رہے، قانون کے محافظ اہلِ حق کو روکنے میں کامیاب ہوئے اور اُنہیں گرفتار کر کے حوالات میں بند کر دیا، اس ہنگامۂ رُست و خیز میں اہلِ حق کے بہت سے علماء و مشائخ، طلباء و عوام شدید زخمی ہوئے جن میں حضرت سیّد نفیس الحسینی شاہ صاحب، حضرت قاری صاحب مرحوم آپ کے شاگرد جناب انوار صاحب مرحوم، قاری عثمان صاحب، بھائی توفیق صاحب بھی شریک تھے، ۲۱ مئی کا دن گزر گیا اللہ تعالیٰ نے اہل بدعت کی سازش کو ناکام کیا اور وہ مسجد پر قبضہ کئے بغیر خائب و خاسر ہو کر واپس چلے گئے۔ اس ہنگامہ کے بعد حکومت نے ۲۳/مارچ کے واقعہ کی تحقیقات کے لیے ہائی کورٹ کے جسٹس ریاض احمد پر مشتمل ایک ٹریبونل قائم کیا جس میں اس محفل میں شریک علماء و عوام سے اس واقعہ کے متعلق گواہیاں طلب کی گئیں، شریکِ محفل علماء و عوام نے ٹریبونل کے سامنے کھل کر یہ شہادت دی کہ یہ قصہ محض جھوٹ تھا ایسا کوئی واقعہ شاہی مسجد میں پیش نہیں آیا، چنانچہ کورٹ میں فیصلہ اہل بدعت کے خلاف ہوا اور وہ کورٹ میں ذلیل و رسوا ہو کر سیلاب کے جھاگ کی طرح بیٹھ گئے پھر اس قصہ کا نام تک نہیں لیا۔ یہ سارا واقعہ ۱۹۸۴ء کے اخبارات کی فائلوں میں محفوظ ہے ہر شخص اخبارات کے دفتر سے فائل نکلوا کر دیکھ سکتا ہے ہمارا ارادہ تھا کہ اخبارات کی مفصل رپورٹ یہاں شائع کرتے لیکن طوالت کے خوف سے پس انداز کیا جا رہا ہے۔

جمعیت اہلِ سنّت کا قیام:

مذکورہ بالا واقعہ کے بعد حضرت قاری صاحبؒ کے دل میں شدت سے یہ خواہش اُبھری کہ ہماری کوئی ایسی مؤثر تنظیم ہونی چاہیئے جو اہلِ باطل کے خلاف مؤثر طور پر کام کر سکے، چنانچہ ''جمعیت اہل سنت'' کے نام سے ایک تنظیم قائم کی

گئی، صحیح طور پر اس کی تاسیس کی تاریخ تو معلوم نہیں ہوسکی البتہ اس کی رجسٹری سے معلوم ہوتا ہے کہ دسمبر ۱۹۸۴ء سے پہلے اس کا قیام عمل میں آیا تھا، جمعیت اہل سنت کے اغراض و مقاصد درج ذیل تھے۔

(۱) اسلام کی تبلیغ کرنا

(۲) اہل سنت و جماعت کا معنی سمجھاتے ہوئے لوگوں کو عقائد و اعمال میں سنتِ رسول اللہ ﷺ اور جماعتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی صحیح اتباع کی تلقین کرنا۔

(۳) شرک و بدعت کی حقیقت سے روشناس کراتے ہوئے عوام الناس کو اُن سے مکمل طور پر اجتناب کرنے کی تلقین کرنا۔

(۴) انکار ختم نبوت اور انکار حدیث ایسے گمراہ کن فتنوں سے لوگوں کو آگاہ کرنا۔

(۵) تبلیغ اسلام کے کام کو زیادہ مؤثر اور وسیع کرنے کے لیے مختلف علاقوں میں جمعیت اہل سنت کی ذیلی شاخیں قائم کرنا۔

(۶) مختلف علاقوں میں درس قرآن کے لیے تربیتی اجتماعات منعقد کرنا۔

(۷) کارکنوں کی عملی و علمی تربیت کے لیے تربیتی اجتماعات منعقد کرنا۔

غالب گمان ہے کہ ۱۹۸۵ء میں جمعیت اہلسنّت کا کوئی باقاعدہ اجلاس نہیں ہوا۔ البتہ مارچ ۱۹۸۶ء میں باقاعدہ اجلاس ہوئے ہیں چنانچہ ۲۱؍مارچ ۱۹۸۶ء بروز جمعہ کے اجلاس میں جمعیت کی مجلس شوریٰ قائم کی گئی جس کا پہلا اجلاس ۲۸؍مارچ ۱۹۸۶ء بروز جمعہ ہوا جس کا ایجنڈا حسب ذیل تھا۔

(۱) مجلس شوریٰ کے اراکین کی کل تعداد اور مزید ارکان کی رکنیت کے بارے میں مشورہ

(۲) مالیاتی نظام کے بارے میں غور و خوض۔

(۳) تنظیمی ڈھانچہ اور مختلف حلقوں میں شاخوں کا قائم کرنا۔

(۴) دستور کی تدوین۔

مجلس شوریٰ کا دوسرا اجلاس ۱۹؍شوال المکرّم ۱۴۰۶/ ۲۷؍جون ۱۹۸۶ بروز

جمعہ ہوا پھر تیسرا اجلاس ۵ رصفر المظفر ۱۴۰۷/۱۰ /۱۱ اکتوبر ۱۹۸۶ بروز جمعہ کو ہوا اس اجلاس میں جمعیت کا دستور پاس کیا گیا۔

حضرت قاری صاحبؒ نے جمعیت اہل سنت کی تعمیر و ترقی کے لیے انتھک محنت کی اور اسے پروان چڑھانے کے لیے دن و رات ایک کر دیا۔ جمعیت کی ضروریات پوری کرنے کے لیے چندہ کی ضرورت پڑی تو سب سے پہلے خود آپ نے چھ سو روپے جمع کروائے، فرمایا کرتے تھے جی چاہتا ہے کہ کم از کم لاہور کی سطح پر ایسا ہو جائے کہ ہمارے ائمہ و خطباء ایک پلیٹ فارم پر اکٹھے ہو جائیں اور بھرپور طاقت کے ساتھ مسلک کے تحفظ اور اہل باطل کی سرکوبی کے لیے کام کریں، راقم کو اچھی طرح یاد ہے کہ سردیوں کے دن تھے حضرت قاری صاحبؒ روزانہ شام کو اُردو بازار تشریف لے آتے تھے اور احقر کو ساتھ لیکر انوار صاحب مرحوم کی گاڑی میں بیٹھ کر کسی نہ کسی امام یا خطیب سے رابطہ کے لیے چل دیتے تھے، دور دراز مقام پر جانا ہوتا گھنٹوں سفر میں لگتے، بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ کبھی وہ امام و خطیب ملتے کبھی نہ ملتے۔ مگر قاری صاحبؒ ہمت نہ ہارتے۔ ؎

عشق میں تیرے کوہِ غم سر پر لیا جو ہو سو ہو - عیش و نشاطِ زندگی چھوڑ دیا جو ہو سو ہو

بلا مبالغہ آپ نے سارے لاہور کے طول و عرض میں جا جا کر ائمہ و خطباء سے رابطہ کیا تھا، لیکن ؎

ماکل مایتمنی المرأ یدرکہٗ - تجری الریاح بمالا تشتھی السُّفُنُ

افسوس صد افسوس کہ قاری صاحب مرحوم کی یہ چاہت پوری نہ ہوئی اور لاہور کے ائمہ و خطباء ایک پلیٹ فارم پر اکٹھے نہ ہو سکے، قاری صاحبؒ ان حالات سے بہت شکستہ خاطر ہوئے اور ہمیشہ اپنوں کے انتشار و افتراق پر افسوس کرتے رہے، پھر آپ نے اُسی سابقہ ذہن کے مطابق سوچا کہ جدید تقاضوں کے مطابق اپنے علماء و عوام کو علمی طور پر مسلح کرنا چاہیئے تا کہ ہمارے ائمہ و خطباء اہل باطل سے مقابلہ کے

وقت کسی قسم کی کم مائیگی کا شکار نہ ہوں چنانچہ آپ کی کوششوں سے جمعیت اہل سنت کے پلیٹ فارم سے بہت سی قیمتی اور نادر و نایاب کتب شائع ہوئیں۔

احقاق حق و ابطالِ باطل:-

احقاقِ حق و ابطال باطل کے سلسلہ میں جو انتھک محنت و کوشش حضرت قاری صاحبؒ نے کی وہ کسی سے مخفی نہیں ہے، حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مسلکِ حق کی صحیح ترجمانی و اشاعت اور باطل کی تردید و بیخ کنی کے لیے منتخب فرمایا تھا چنانچہ آپ نے انتہائی قلیل عرصۂ حیات میں اس سلسلہ میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جنہیں دیکھ کر عقل محوِ حیرت رہ جاتی ہے، اس پُرخار وادی میں آپ کو ہر قسم کے حالات سے دوچار ہونا پڑا، دور دراز کے سفر بھی کیے، ساری ساری رات جاگ کر لوگوں کی ذہن سازی بھی کی، ہفتہ وار ماہوار درس بھی دیئے، تھانہ کچہری تک بھی نوبت پہنچی، اپنے پرایوں کی باتیں بھی سننی پڑیں بہت سے مناظرے کرنے پڑے جن میں تحریری مناظرے بھی شامل ہیں اور بالمشافہہ بھی، آپ نے یہ سب کچھ کیا لیکن کبھی جبیں پر شکن نہیں آنے دی، بڑے بڑے طوفانوں سے ٹکرا گئے لیکن آپ کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آئی۔ ؎

ہم کو طوفانِ حوادث سے کیا ڈرائے گا حمیدؔ
جب سے ہم پیدا ہوئے یہ آندھیاں دیکھا کیے

راہِ اُلفت میں گو ہم پر بہت مشکل مقام آئے
نہ ہم نے راستہ بدلا نہ ہم منزل سے باز آئے

الغرض حضرت قاری صاحبؒ ان سب حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے احقاقِ حق و ابطالِ باطل کا فریضہ انجام دیتے رہے اور بزبانِ حال کہتے رہے۔ ؎

تُندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اُونچا اُڑانے کے لیے

اس موقع پر ہم حضرت قاری صاحبؒ کے تقریری مناظروں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے صرف چند اہم تحریری مناظروں کی تفصیل ذکر کرتے ہیں۔

پہلا مناظرہ:

حضرت قاری صاحبؒ کا سب سے پہلا تحریری مناظرہ جامع مسجد داتا دربار کے خطیب مولانا سعید احمد نقشبندی صاحب سے ہوا جس کا موضوع فرض نمازوں کے فوراً بعد ذکر بالجہر تھا، یہ مناظرہ ستمبر ۱۹۷۷ء میں شروع ہوا۔ حضرت قاری صاحبؒ کی طرف سے آخری تحریر ۷/مئی ۱۹۷۸ء کو گئی جس کا جواب مولانا سعید احمد صاحب نہیں دے سکے۔ حتیٰ کہ ۱۹۸۶ء میں اُن کا انتقال ہوگیا، یہ مناظرہ فل سکیپ کے بیالیس صفحات پر ہے، اس میں جو چیز انتہائی قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ مولانا سعید احمد صاحب کے ذمہ تو یہ تھا کہ وہ کتاب وسنت سے ایسے دلائل پیش کریں جن سے فرض نمازوں کے فوراً بعد ذکر بالجہر کا ثبوت ملتا ہو لیکن وہ ایسے دلائل پیش کرتے رہے جن سے مطلق ذکر بالجہر ثابت ہوتا ہے، قاری صاحبؒ نے اس کے جواب میں یہ موقف اپنایا کہ محلِ نزاع مطلق ذکر بالجہر کا جواز نہیں، اس کے جواز کے تو ہم بھی چند شرائط کے ساتھ قائل ہیں محلِ نزاع خاص نمازوں کے بعد والا ذکر بالجہر ہے آپ اُسے ثابت کریں، اس سلسلہ میں مولانا سعید احمد صاحب نے بزعمِ خویش جو چند دلائل دیئے حضرت قاری صاحبؒ نے ان کا تارو پود بکھیر کر رکھ دیا اور موصوف سے ان کا جواب نہ بن پڑا۔

دوسرا مناظرہ:-

دوسرا مناظرہ جناب صوفی اللہ دتہ صاحب سے ہوا، موضوع تھا اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا جواز وعدم جواز، یہ مناظرہ ۱۹۸۱ء کے وسط میں شروع ہوا حضرت قاری صاحبؒ کی طرف سے آخری تحریر ۱۸/ذی الحجہ ۱۴۰۱/ ۱۷/اکتوبر

۱۹۸۱ء کو گئی جس کا جواب صوفی صاحب نہیں دے سکے، یہ مناظرہ فل سکیپ کے اٹھارہ صفحات پر ہے۔ اس مناظرہ میں صوفی صاحب نے سنجیدہ انداز میں بات کرنے کے بجائے مغلاطات سے کام لیا اور خلطِ مبحث کرتے رہے، ان کے دلائل کا انداز بھی یہی رہا کہ دعوی خاص اور دلیل عام، یعنی دلائل تو دینے چاہئے تھے اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام کے جواز پر لیکن وہ دلائل دیتے رہے مطلق درود وسلام کی فضیلت پر، حضرت قاری صاحبؒ نے انہیں بھی اس طرف توجہ دلائی کہ آپ وہ دلائل دیں جن سے اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام کا جواز ثابت ہوتا ہو کیونکہ محلِ نزاع یہی ہے، رہا مطلق صلوٰۃ وسلام تو ہم اس کے نہ صرف جواز بلکہ استحباب کے قائل ہیں لیکن صوفی صاحب مغلاطات سناتے رہے کام کی کوئی بات نہ کر سکے بالآخر وہ بھی ۱۹۸۵ء میں دنیا سے چلے گئے اور جواب نہ دے سکے۔

تیسرا مناظرہ:-

غیر مقلدین کی ''جماعت غرباء اہلحدیث'' لاہور کے ایک عالم مولانا ادریس ہاشمی صاحب سے ہوا۔ موضوع تھا نماز میں رکوع میں جاتے اور رکوع سے اُٹھتے رفع یدین کا مسنون ہونا نہ ہونا، اس کا پس منظر یہ ہے کہ ادریس ہاشمی صاحب اپنی جماعت کے طرزِ عمل کے مطابق اپنے محلّہ میں رفع یدین کرنے پر زور دیتے تھے اور کہتے تھے کہ رفع یدین نہ کرنے کی کوئی دلیل نہیں، حضرت قاری صاحبؒ نے ۲۳ر ربیع الاوّل ۱۴۰۴/۱۹۸۴ میں رفع یدین سے متعلق پانچ صفحات پر مشتمل ایک تحریر لکھی تھی وہ تحریر مولوی صاحب موصوف کے محلّہ کے حنفی نوجوانوں کے اصرار پر اُنہیں بھیج دی گئی، ادریس ہاشمی صاحب نے اس کا جواب لکھا۔ حضرت قاری صاحبؒ نے جواب الجواب لکھا ہاشمی صاحب نے اس دوسری تحریر کا بھی جواب لکھا، قاری صاحبؒ نے پھر جواب لکھا جو ۱۷ر جمادی الاولیٰ ۱۴۰۵/ ۸ر فروری ۱۹۸۵ء کو

ادریس ہاشمی صاحب کو روانہ کیا گیا۔ موصوف اس جواب کی جواب دہی سے عاجز رہے، یہ مناظرہ فل سکیپ کے پندرہ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں قابل ذکر بات یہ ہے کہ غیر مقلدین متنازع رفع یدین کے مسنون ہونے پر جو احادیث پیش کرتے ہیں وہ احادیث ایسی ہیں جن سے رفع یدین کا ثبوت معلوم ہوتا ہے، حضرت قاری صاحبؒ نے یہ موقف اپنایا کہ ہمارے سامنے وہ احادیث پیش نہ کی جائیں جن سے متنازع رفع یدین کا ثبوت مفہوم ہوتا ہو، کیونکہ یہ محلِ نزاع نہیں، ثبوتِ رفع کے تو ہم بھی قائل ہیں اس لیے یہ احادیث ہمارے بجائے اُن کے سامنے پیش کریں جو ثبوتِ رفع کے قائل نہ ہوں، محلِ نزاع متنازع رفع یدین کا بقاء و دوام ہے اس لیے ہمیں تو کوئی ایسی حدیث دکھائیں جس سے بقاء و دوامِ رفع یدین ثابت ہوتا ہو۔ ادریس ہاشمی صاحب ایسی کوئی حدیث اخیر تک پیش نہ کر سکے اور جواب سے پہلو تہی اختیار کی۔

چوتھا مناظرہ:-

مولانا شرف الدین صاحب بریلوی سے ہوا موضوع تھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاضر ناظر ماننا صحیح ہے یا نہیں؟ یہ مناظرہ ۳۰ رمضان المبارک ۱۴۱۰/ ۲۶ اپریل ۱۹۹۰ء کو شروع ہوا حضرت قاری صاحبؒ کی طرف سے آخری تحریر ۲ رجب المرجب ۱۴۱۱/ ۱۹ جنوری ۱۹۹۱ء کو گئی اس تحریر کے جواب سے عاجز آ کر شرف الدین صاحب نے لکھا

> ”آج تک کی تحریرات سے جو بات فقیر نے اخذ کی اس کی روشنی میں مختصر جواب دیا جا رہا ہے کیونکہ جو شخص پہلے سے ہی مطبوع القلب اور مختوم السمع ہونے کی وجہ سے جمہور اہل سنت کے خلاف معتقدات رکھنے والے کو حجت الاسلام آیۃ من آیات اللہ، قاسم العلوم والخیرات اور منصب عالی شہادت شرعی دینے میں ذرا بھی غیرتِ

ایمانی کا سہارا نہیں لیتا وہ اگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے
بارے میں اِدھر اُدھر کی ہانکتا پھرتا ہے تو ایسے کے لیے یہی کافی ہے
قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ الآية"[1] اور بات ختم کردی جواب نہیں دیا۔

اس مناظرہ میں بہت سی دقیق علمی باتیں آ گئی ہیں، قابل ذکر چیز یہ ہے کہ حضرت قاری صاحبؒ نے مسئلہ حاضر ناظر سے متعلق بائیس سوالات شرف الدین صاحب سے کئے تھے اُنہوں نے ان سوالات کے جوابات تو دیئے نہیں بہت سی لایعنی باتوں میں وقت ضائع کر دیا اس لیے اصل موضوع پر بات چل ہی نہیں سکی یہ مناظرہ فل سکیپ کے چھتیس صفحات پر مشتمل ہے۔

پانچواں مناظرہ:۔

غیر مقلدین کے مولانا عبیدالرحمٰن صاحب سے ہوا موضوع متنازع رفع یدین تھا۔ اس کی ابتداء کی وجہ بھی وہی ہوئی جو ادریس ہاشمی صاحب سے مناظرہ کی وجہ بنی تھی، حضرت قاری صاحبؒ نے اِنہیں بھی رفع یدین سے متعلق اپنے پرانے لکھے ہوئے پانچ صفحات ارسال کر دیئے تھے جن کا جواب عبیدالرحمٰن صاحب نے دیا، حضرت قاری صاحبؒ نے جواب الجواب لکھا جو ۲۶/شعبان ۱۴۱۲/۲/مارچ ۱۹۹۲ء میں موصوف کو بھیجا گیا۔ موصوف نے اس جواب کا انتہائی مختصر جواب لکھ کر کہا کہ تفصیلی جواب پھر دوں گا حضرت قاری صاحبؒ نے انہیں جواب بھیجا کہ جناب کا تفصیلی جواب آئے گا تو پھر میں اس کا جواب لکھوں گا۔ مولوی صاحب کا تفصیلی جواب تو نہ آیا لیکن حضرت قاری صاحبؒ کا ۱۸/شوال ۱۴۱۲/۲۲/اپریل ۱۹۹۲ء کو انتقال ہو گیا۔

اِن مناظروں کے علاوہ بہت سی چھوٹی موٹی مناظرانہ تحریریں بھی آپ نے لکھیں۔ یہ تمام مناظرے اور تحریریں غیر مطبوعہ ہیں خدا کرے کہ ان کی طباعت کا

---

[1] شرف الدین صاحب کی ساتویں تحریر

انتظام ہو جائے۔ آپ کے تقریری مناظروں میں سے ایک اہم مناظرہ کی روداد ''ایک مناظرہ جو ہو نہ سکا'' کہ نام سے آپ کی حیات ہی میں طبع ہوگئی تھی جس کا جواب مفتی غلام سرور صاحب اور ان کے حواریین آج تک نہیں دے سکے۔

> اس موقع پر ہم حضرت قاری صاحبؒ کی رفع یدین سے متعلق پانچ صفحات کی تحریر نیز اس موضوع پر آپ کے تحریر کردہ دو صفحات کا عکس پیش کر رہے ہیں۔ ان سے جہاں قارئین کو اس موضوع سے متعلق معلومات فراہم ہوں گی وہیں اِن سے حضرت قاری صاحبؒ کا اندازِ تحریر بھی سامنے آجائے گا۔

پانچ صفحات والی تحریر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ابتداءً یعنی پہلے رکوع کو جاتے وقت یا رکوع سے اُٹھتے وقت رفع یدین کرنا ثابت ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اختلاف اس بات میں ہے کہ یہ رکوع والا رفع یدین بعد میں باقی رہا یا نہیں۔ اہلحدیث حضرات کا موقف یہ ہے کہ رکوع والا اور تیسری رکعت والا رفع یدین حسب سابق بدستور باقی رہا۔ جبکہ حضراتِ احناف کا کہنا ہے کہ جس طرح اوّل اوّل نماز میں کلام کرنے کی اجازت تھی بعد میں یہ اجازت باقی نہیں رہی۔ یا سلام کے وقت ہاتھ سے اشارہ کرنا بعد میں باقی نہیں رہا اور سجدہ والا رفع یدین بعد میں باقی نہیں رہا۔ اسی طرح رکوع والا اور تیسری رکعت والا رفع یدین بھی بعد میں باقی نہیں رہا۔ حضراتِ احناف اس سلسلہ میں متعدد احادیث وآثار سے استدلال کرتے ہیں۔ احقر اس سلسلہ کی صرف دو حدیثیں پیش کرتا ہے۔

(۱) عن جابر بن سمرة - حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
قال خرج علینا رسول روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم - علیہ وسلم (حجرہ مبارک سے) نکل کر ہم پر

ونحن یعنی رافعوا ایدینا فی الصلوٰۃ فقال مابالھم رافعین ایدیھم فی الصلوٰۃ کا نھا اذناب الخیل الشمس اُسکنوا فی الصلوٰۃ (نسائی شریف ج ۱ ص ۱۷۶)

تشریف لائے اس حال میں کہ ہم نماز کے اندر رفع یدین کر رہے تھے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کا کیا حال ہے۔ انہیں کیا ہوا کہ نماز کے اندر رفع یدین کر رہے ہیں گویا کہ یہ ہاتھ بدکے ہوئے گھوڑوں کی دُمیں ہیں، نماز میں سکون اختیار کرو۔

یہ حدیث شریف صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۸۱ اور سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۱۴۳ میں بھی موجود ہے

امام شافعی رحمہ اللہ چونکہ رکوع والے رفع یدین کے قائل تھے اس لیے ان کے مقلدین جن میں امام بخاری رحمہ اللہ بھی شامل ہیں اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں سلام پھیرتے وقت ہاتھ سے جو اشارہ کیا جاتا تھا اس سے منع کیا گیا ہے رکوع والے رفع یدین کے منع کرنا مقصود نہیں ہے۔

لیکن ہر وہ شخص جو حدیث کے الفاظ پر غور کرتا ہے اس کے سامنے اس تاویل کی کمزوری اور اس کا ضعف واضح ہو جاتا ہے کیونکہ حدیث کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ ہم نماز کے اندر رفع یدین کر رہے تھے اور اسی مناسبت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ ارشاد فرمایا کہ نماز کے اندر سکون اختیار کرو۔ جب کہ دوسری حدیث جس میں سلام کے وقت اشارہ سے منع کیا گیا ہے اس میں ''رفع یدین'' کا لفظ نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ ہم سلام کے وقت اشارہ کر رہے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رانوں پر ہاتھ رکھے ہوئے سلام کے وقت صرف دائیں بائیں مڑ جانا کافی ہے۔ رفع یدین سے ممانعت والی حدیث اور سلام کے وقت اشارہ سے ممانعت والی حدیث کے درمیان اور بھی متعدد فرق ہیں جنہیں دونوں حدیثوں کو دیکھ کر بآسانی معلوم کیا جا سکتا ہے۔

بعض حضرات جواباً یہ کہہ دیتے ہیں کہ پھر عیدین اور وتر کی نمازوں میں جو رفع یدین کیا جاتا ہے اُسے بھی ترک کر دو۔ حالانکہ یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ جن لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں رفع یدین کرتے ہوئے دیکھ کر رفع یدین کرنے سے منع فرمایا تھا وہ نماز عید نہیں ادا کر رہے تھے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں نماز عید مدینہ منورہ کے اندر مسجد میں نہیں ہوتی تھی نیز اگر نماز عید وہ لوگ پڑھ رہے ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف یہ کہ اس میں شامل ہوتے بلکہ امام ہوتے۔ نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ وتر کی نماز نہیں پڑھ رہے تھے کیونکہ وتر کی نماز بالعموم تہجد کے وقت گھروں میں ہی پڑھی جاتی تھی اور اگر بالفرض وتر کے رفع یدین سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہوتا تو ضرور بالضرور کسی نہ کسی صحابی سے وتر کے رفع یدین کے خلاف کوئی نہ کوئی صحیح حدیث یا اثر منقول ہوتا۔ حالانکہ وتر کے بارے میں اور متعدد باتیں زیر بحث آتی ہیں لیکن وتر کے رفع یدین کے خلاف کوئی ایسی روایت نہیں ملتی جس سے پتہ چلتا ہو کہ یہ بعد میں متروک ہو گیا تھا۔ جبکہ رکوع والے رفع یدین کے ترک کا مستقل باب حدیث کی کتابوں میں ملتا ہے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد کے خلاف حدیث مذکور کو عیدین اور وتر کی نمازوں پر محمول کرنا قطعاً درست نہیں۔ نماز عید اور نماز وتر کا طریقہ عام نمازوں سے قدرے مختلف بیان کیا گیا ہے اس لیے جب تک مستقلاً ان نمازوں کے بارے میں کسی تبدیلی کا حکم نہ ہو ان نمازوں میں از خود تبدیلی کر لینا بالکل خلاف عقل ہے۔

بعض لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ایک مسنون عمل یعنی رکوع والے رفع یدین کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بدکے ہوئے گھوڑوں کی دُموں کی حرکت سے تشبیہ کیسے دے سکتے ہیں؟ حالانکہ یہ بات بھی بالکل ظاہر ہے کہ جب تک کوئی عمل کسی شریعت میں متروک نہ ہو اس وقت تک شریعت کے کسی عمل کو یا اس عمل کے کرنے

والے کو برے الفاظ یا تشبیہات سے یاد کرنا یقیناً سخت بری بات ہے۔ لیکن جب وہ عمل شریعت میں متروک ہو گیا تو اب اس پر عمل کرنے کو قابل اعتراض سمجھتے ہوئے اس پر تنقید کرنا یا سخت الفاظ میں اس کو یاد کرنا کوئی بری بات نہیں ہے۔ مثلاً پہلے نماز کے اندر بات کرنا جائز تھا، سلام کے وقت ہاتھ سے اشارہ کرنا جائز تھا حتیٰ کہ اسلام کے ابتدائی دور میں شراب تک پینا جائز تھا، اس وقت اگر کوئی شخص ان امور پر تنقید کرتا تو یقیناً غلط ہوتا لیکن اب جبکہ ان کی اجازت خود شریعت ہی نے ختم کر دی تو اب اگر کوئی ان امور پر جو شرعاً متروک ہو چکے عمل کرنے لگے تو اس پر تنقید کرنا یا اس عمل کو غلط قرار دینا یقیناً بالکل درست ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ سلام کے وقت اشارہ کرنے والوں کو بھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل یہی الفاظ ارشاد فرمائے تھے جیسا کہ مسلم شریف ج ۱ صفحہ ۱۸۱ وغیرہ کی احادیث اس پر شاہد ہیں۔ تو جب اس منسوخ عمل کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ الفاظ استعمال کرنا موجب تعجب نہیں تو پھر رکوع والے متروک رفع یدین کے لیے ان الفاظ کا استعمال کیوں باعث تعجب و حیرت ہو گیا؟

یہ بات یاد رہے کہ اس حدیث شریف میں رکوع والے رفع یدین کو بدکے ہوئے گھوڑوں کی دُموں کی حرکت سے تشبیہ دی گئی ہے اور جب کسی چیز کو کسی چیز سے تشبیہ دی جاتی ہے تو مکمل طور سے دونوں کا برابر ہونا ضروری نہیں ہوتا مثلاً اگر زید کو شیر سے تشبیہ دی جائے تو صرف شجاعت اور بہادری میں تشبیہ مراد ہوگی۔ اگر کوئی شخص کہنے لگے کہ تم کیسے زید کو شیر سے تشبیہ دے رہے ہو جبکہ شیر دُمدار ہے اور زید کی دم نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا یہ کہنا غلط ہوگا کیونکہ تشبیہ صرف شجاعت اور بہادری میں ہے دیگر امور میں نہیں۔ اسی طرح اس حدیث میں مذکور تشبیہ کے بارے میں یہ کہنا کہ رفع یدین میں تو ہاتھ اُوپر نیچے ہلائے جاتے ہیں جبکہ گھوڑا دُم کو دائیں بائیں ہلاتا ہے اُوپر نیچے نہیں بھی صحیح نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ تانگے

میں جُتے ہوئے گھوڑے کو جبکہ وہ بدکا ہوا تھا ہم نے بچشم خود دیکھا کہ وہ آگے نہیں چل رہا تھا بلکہ دولتیاں چلا رہا تھا جو تانگے کے اگلے حصہ کے ساتھ ٹکرا رہی تھیں اور اس نے دُم کو سیدھا اُوپر کی طرف اتنا اُٹھایا ہوا تھا کہ تانگے کی اگلی لکڑی وغیرہ کے اُوپر نکل آئی تھی یہ ایک ایسی چیز ہے جس کا ہر وہ شخص مشاہدہ کر سکتا ہے جو بدکے ہوئے گھڑوں کی دُموں کی حرکت کا اچھی طرح معائنہ کرے گا بہرحال یہ کہنا کہ گھوڑا اپنی دم ہمیشہ دائیں بائیں ہی ہلاتا ہے اُوپر نیچے نہیں ہلا سکتا قطعاً غلط ہے۔

حدیث نمبر ۲:

(قال الترمذی) حدثنا هناد حدثنا وکیع عن سفیان عن عاصم بن کلیب عن عبدالرحمان بن الاسود عن علقمة قال قال عبدالله بن مسعود الاصلی بکم صلوٰة رسول الله صلی الله علیه وسلم فصلی فلم یرفع یدیه الافی اوّل مرةٍ، قال وفی الباب عن البراء بن عازب - قال ابوعیسی حدیث ابن مسعود حدیث حَسَنٌ وبه یقول غیر واحدٍ من اهل العلم من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم والتابعین

(ترجمہ) (امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ) ہم سے ھَنَّاد نے حدیث بیان کی (اور وہ کہتے ہیں کہ) ہم سے وکیع نے حدیث بیان کی (اور) وہ سفیان سے (اور وہ) عاصم بن کلیب سے (اور وہ) عبدالرحمان بن اسود سے (اور وہ) علقمہ سے (روایت کرتے ہیں) انہوں نے فرمایا کہ فرمایا عبداللہ بن مسعودؓ نے کہ کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والی نماز نہ پڑھ کر بتلاؤں؟ پھر انہوں نے نماز پڑھی پس انہوں نے رفع یدین نہیں کیا مگر پہلی مرتبہ میں، امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ ترک رفع یدین کے باب میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے بھی حدیث مروی ہے۔ ابوعیسیٰ (یعنی امام ترمذیؒ) فرماتے ہیں کہ ابن مسعودؓ کی حدیث حدیثِ حَسَن ہے اور یہی قول ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

وھو قول سفیان واھل الکوفۃ - کے صحابہ اور تابعین میں سے متعدد اہل علم کا اور

ترمذی شریف ج ا ص ۳۵ یہی قول ہے سفیان اور اہل کوفہ کا۔

یہ روایت نسائی ج ا ص ۱۶۱ و ابو داؤد ج ا ص ۱۰۹ و مشکوٰۃ ج ا ص ۷۷ ونصب الرایہ ج ا ص ۳۹۴ اور جمع الفوائد ج ا ص ۷۳ وغیرہ میں بھی موجود ہے۔

(۱) حضرت ھَنَّاد اس روایت کو حضرت وکیع سے نقل کرنے میں اکیلے اور منفرد نہیں ہیں بلکہ حضرت ھَنَّاد[۱] کے علاوہ عثمان[۲] بن ابی شیبہ اور محمد[۳] بن اسمٰعیل ملاحظہ ہو ابو داؤد ج ا ص ۱۰۹ اور محمود[۴] بن غیلان ملاحظہ ہو نسائی ج ا ص ۱۶۱ اور نُعیم[۵] بن حماد اور یحییٰ[۶] بن یحییٰ ملاحظہ ہو طحاوی ج ا ص ۱۱۰ ان چھ حضرات کے علاوہ اور راوی بھی حضرت وکیع سے یہ روایت نقل کرتے ہیں۔

(۲) اسی طرح حضرت سفیان سے نقل کرنے میں حضرت وکیع[۱] بھی اکیلے اور منفرد نہیں ہیں بلکہ حضرت عبد[۲] اللہ بن مبارک بھی اس روایت کو حضرت سفیان سے نقل کرتے ہیں ملاحظہ ہو نسائی ج ا ص ۱۵۸ اسی طرح معاویہ[۳]، خالد[۴] بن عمرو اور ابو حذیفہ[۵] بھی سفیان سے نقل کرتے ہیں ملاحظہ ہو ابو داؤد ج ا ص ۱۰۹۔

(۳) تیسرے راوی سفیان ہیں جن کی روایتیں بخاری شریف میں بھی موجود ہیں اور چوتھے راوی عاصم بن کلیب ہیں جن کی روایتیں مسلم شریف ج ۲ ص ۱۹۷ اور جلد ۲ صفحہ ۳۵۰ وایضاً بخاری ج ۲ ص ۸۶۸ پر تعلیقاً دیکھی جا سکتی ہیں۔ پھر دونوں راوی منفرد اور اکیلے بھی نہیں ہیں بلکہ کئی روایتیں ایسی بھی ہیں جن میں یہ دونوں حضرات نہیں ہیں مثلاً مسندِ ابو حنیفہؒ ج ا ص ۳۵۵ میں یہی روایت اس سند کے ساتھ منقول ہے۔ ابو حنیفہؒ عن حماد عن ابراہیم عن الاسود انّ عبداللہ بن مسعود الحدیث اور سنن دار قطنی میں اس سند کے ساتھ یہ حدیث مذکور ہے۔ عن اسحٰق[۱] بن ابی اسرائیل عن محمد[۲] بن جابر عن حماد[۳] بن ابی سلیمان عن ابراہیم[۴] عن علقمۃ[۵] عن عبداللہ الحدیث۔

(۴) پانچویں راوی عبدالرحمان بن الاسود ہیں۔ بعض حضرات کہہ دیا کرتے ہیں کہ

حضرتِ علقمہ سے ان کا سماع ثابت نہیں حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ حافظ ابن حجرؒ ان کے بارہ میں لکھتے ہیں روی عن ابیه وعم ابیه علقمة بن قیس و عائشة و انس وابن الزبیر وغیرهم ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۱۴۰ اسی طرح عبدالرحمٰن کی علقمہ سے تحدیث بھی ثابت ہے۔ مسند احمد کی ایک روایت کی سند میں یہ آتا ہے عن عبدالرحمٰن بن الاسود ثنا علقمة عن عبداللہ الخ مسند احمد ج ۱ ص ۴۱۸۔

(۵) اس حدیث پر امام ابوداؤد کی جو جرح صاحبِ مشکوٰۃ نے نقل کی ہے وہ قطعاً غلط ہے کیونکہ ابوداؤد میں یہ جرح سرے سے مذکور ہی نہیں ہے بلکہ صاحبِ مشکوٰۃ کی دیگر متعدد غلطیوں کی طرح یہ بھی ان کی غلطی ہے۔ بعد میں بعض حضرات نے بلاتحقیق مشکوٰۃ شریف پر اعتماد کرتے ہوئے اس جرح کو نقل کر دیا ہے جو درحقیقت ان حضرات کی قلتِ تحقیق کا نتیجہ ہے۔

(۶) بعض حضرات عبداللہ بن مبارکؒ کی جرح کا ذکر کرتے ہیں لیکن وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ عبداللہ بن مبارکؒ کی جرح عبداللہ بن مسعودؓ کی قولی حدیث پر ہے جبکہ یہ فعلی حدیث جس میں موصوف نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا نقشہ بتایا ہے اس کو تو خود عبداللہ بن مبارکؒ روایت کرتے ہیں ملاحظہ ہو نسائی ج ۱ ص ۱۶۱ اسی لیے امام ترمذیؒ نے دوسری حدیث پر عبداللہ بن مبارک کی جرح نقل کرنے کے بعد اس فعلی حدیث کو حدیث حسن قرار دیا ہے۔ بہرحال یہ سراسر زیادتی ہے کہ عبداللہ بن مبارکؒ کی جرح جس کا تعلق دوسری حدیث سے ہے اس کو اس حدیث پر جاری کر دیا جائے جسے خود حضرت عبداللہ بن مبارکؒ بھی روایت کر رہے ہیں۔

(۷) امام احمد اور ان کے شیخ یحییٰ بن آدم سے بھی بعض حضراتِ شوافع یہ نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے بھی اس حدیث پر جسے ہم نے بحوالۂ ترمذی وغیرہ نقل کیا ہے، جرح کی ہے حالانکہ یہ بات بھی بالکل غلط ہے کسی کتاب میں بھی اس جرح کا ذکر نہیں ہے۔

(۸) ابو حاتمؒ کی جرح بھی ہماری نقل کردہ حدیث پر نہیں ہے ملاحظہ ہو کتاب العلل ج ۱ ص ۹۶ نیز انہوں نے تو امام بخاریؒ پر بھی جرح کر دی ہے اگر ان کی جرح کا اعتبار کیا جائے تو پھر بخاری سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا۔

(۹) ابن حبان کی جرح کے بارے میں یہ عرض ہے کہ اوّل تو یہی معلوم نہیں کہ وہ کس سند سے منقول حدیث پر جرح کر رہے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ بھی بڑے متشدد اور متعصب ہیں اور جرح میں بڑی بڑی غلطیاں کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تذکرۃ الحفاظ میں علامہ ذہبیؒ ابن حبان کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ ربما غلط الغلط الفاحش فی تصرفاته ملاحظہ ہو تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۹۲۱ تیسری بات یہ ہے کہ نہ صرف ابن حبان کی جرح بلکہ اور دیگر متعدد حضرات کی جرح (اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ وہ جرح ہماری نقل کردہ حدیث پر ہے) تو بھی جرح مبہم ہونے کے باعث ناقابل اعتبار ہے کیونکہ جرح وہی معتبر ہوتی ہے جو مفسَّر ہو ملاحظہ ہو مقدمہ ابن صلاح (النوع الثالث[۲۳] والعشرون)

بہر حال یہ حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی جو ہم نے نقل کی ہے قطعاً صحیح اور درست اور ثابت ہے اور بعض شوافع نے اپنے مسلک کی حفاظت کے لیے اس میں جو کچھ چہ میگوئیاں کی تھیں ان کا غلط ہونا بھی واضح ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ مشہور اہلحدیث عالم حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب اس حدیث کے بارے میں رقمطراز ہیں۔

قوله ثم لم يعد قد تكلم ناسٌ فی ثبوت هذا الحديث والقوی انه ثابت من رواية عبدالله بن مسعود، (سنن نسائی مع التعليقات السلفية ج ۱ ص ۱۲۳)	(ترجمہ) قولہ ثم لم یعد کچھ لوگوں نے اس حدیث کے ثبوت میں کلام کیا ہے، قوی بات یہ ہے کہ یہ ثابت ہے عبداللہ بن مسعود کی روایت سے،

چونکہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل

کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ ترک رفع یدین کے بارہ میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے بھی حدیث منقول ہے اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ حدیث بھی آپ کے سامنے پیش کردوں۔ وہ حدیث یہ ہے۔

حدثنا محمد بن الصباح البزاز نا شریک عن یزید بن ابی زیاد عن عبدالرحمن بن ابی لیلی عن البراء ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان اذا افتتح الصلوٰة رفع یدیه الیٰ قریب من اذنیه ثم لایعود (سنن ابوداؤد ج اص ۱۰۹)

(ترجمہ) (امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ) ہمیں حدیث بیان کی محمد بن صباح بزاز نے (وہ فرماتے ہیں کہ) ہمیں حدیث بیان کی شریک نے (اور وہ) یزید بن ابی زیاد سے (اور وہ) عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے (اور وہ) براء رضی اللہ عنہ سے (روایت کرتے ہیں) کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو اپنے ہاتھ اپنے کانوں کے قریب تک اُٹھاتے پھر دوبارہ (نماز میں) رفع یدین نہیں فرماتے تھے۔

یہ حدیث طحاوی شریف ج اص ۱۱۰ مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۷۱ اور نصب الرایہ ج اص ۴۰۲ وغیرہ میں بھی موجود ہے۔

یزید بن ابی زیاد جو اس حدیث کی سند میں واقع ہے امام مسلم نے اس کی توثیق کی ہے ملاحظہ ہو مسلم شریف ج اص ۴ اور یہ مسلم شریف کا راوی ہے جیسا کہ علامہ شوکانی نے نیل الاوطار ج ۵ ص ۷ میں ذکر کیا ہے نیز ان کی روایت صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۶۸ وغیرہ میں امام بخاری نے تعلیقاً ذکر کی ہے۔ نیز یزید بن ابی زیاد اس روایت میں متفرد بھی نہیں ہے بلکہ حکم اور عیسی بن عبدالرحمٰن اس کے متابع موجود ہیں ملاحظہ ہو مصنف ابن ابی شیبہ ج اص ۲۳۶ و ابوداؤد ج اص ۱۰۹ السنن الکبری ج ۲ ص ۷۷ وغیرہ۔ ہاں البتہ یزید بن ابی زیاد دمشقی کو اس یزید بن ابی زیادہ سے جو

کہ کوفی ہے ممتاز کرنا ضروری ہے۔ امام نوویؒ کو (شرح مسلم ج ۱ ص ۴) غلطی لگ گئی پھر اس میں اور بھی کئی حضرات اسی غلطی کا شکار ہو گئے۔ بہر حال حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۳۱ میں امام نوویؒ کی غلطی پر متنبہ کیا ہے۔ امام ابوداؤد وغیرہ کا یہ کہنا کہ یزید بن ابی زیاد سے کلمہ ''ثم لا یعود'' نقل کرنے میں شریک[1] متفرد ہیں یہ بھی صحیح نہیں، کیونکہ یہ کلمہ سفیان[2] ثوری نقل کرتے ہیں ملاحظہ ہو طحاوی ج ۱ ص ۱۱۰ اور اسمٰعیل[3] بن زکریا اور محمد[4] بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ بھی نقل کرتے ہیں ملاحظہ ہو سنن دار قطنی ج ۱ ص ۱۱۰ اور سفیان[5] بن عیینہ بھی نقل کرتے ہیں ملاحظہ ہو مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۷۱ اور ہشیم[6] بھی نقل کرتے ہیں ملاحظہ ہو الجوہر النقی ج ۱ ص ۱۳۶ اور شعبہ[7] بھی صرف اوّل تکبیر میں رفع یدین روایت کرتے ہیں سنن دار قطنی ج ۱ ص ۱۱۰ اور اسرائیل[8] بن یونس بھی یہ اضافہ ''ثم لا یعود'' نقل کرتے ہیں الجوہر النقی ج ۱ ص ۱۳۶

یزید بن ابی زیاد کا حافظہ اخیر عمر میں خراب ہو گیا تھا اور تلقین قبول کر لیا کرتے تھے، چنانچہ ابن حبان ان کے بارہ میں کہتے ہیں کہ سچے ہیں لیکن جب بوڑھے ہو گئے تو حافظہ خراب ہو گیا اور تلقین قبول کرنے لگے اس لیے ان کی حدیث میں اوپری چیزیں آگئیں لیکن تغیر حافظہ سے پہلے کا سماع صحیح اور معتبر ہے ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۳۰ اب دیکھنا یہ ہے کہ تغیر حافظہ سے پہلے کے سماع کرنے والے کون ہیں اور بعد کے کون؟ تا کہ تغیر حافظہ سے پہلے سماع کرنے والوں کی روایت لے لی جائے اور بعد والوں کی ترک کر دی جائے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ شعبہ سفیان ثوری اور زہیر کا سماع اوّل عمر میں ہوا ہے جزء رفع الیدین ص ۱۲ امام بیہقی نے ہشیم کو بھی اوّل عمر میں سماع کرنے والوں میں شامل کیا ہے۔ البتہ سفیان بن عیینہ اور علی بن عاصم وغیرہ نے اخیر عمر میں سماع کیا ہے۔ لہٰذا ان دو حضرات کا تلقین یا تغیر حافظہ کا ذکر کرنا اگر روایۃً ثابت ہو جائے تو قابل تعجب نہیں لیکن ہم ترک رفع یدین کی روایت قدیم السماع حضرات سے پیش کر رہے

ہیں۔ لہٰذا وہ بالکل صحیح ہے۔

یہ تین حدیثیں ترک رفع یدین کے بارہ میں ہم نے پیش کر دی ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اہلحدیث حضرات رفع یدین کے بقاء و دوام کے بارے میں جو دلائل پیش کرتے ہیں ان کی حیثیت کیا ہے؟ بقاء اور دوامِ رفع یدین کے بارے میں ان کی ایک دلیل تو وہ روایت ہے جسے بیہقی نے نقل کیا ہے اور اس میں ذکر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات شریف تک رفع یدین کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث موضوع اور من گھڑت ہے کیونکہ اس کا ایک راوی عبدالرحمٰن بن قریش ہے جس کے بارے میں علامہ ذہبیؒ میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۱۴ اور حافظ ابن حجرؒ لسان المیزان ج ۳ ص ۴۲۵ میں لکھتے ہیں کہ اتھمہ السلیمانی بوضع الحدیث یعنی محدث سلیمانی نے اس کو حدیثیں گھڑنے کے ساتھ متھم کیا ہے اور اس حدیث کا دوسرا راوی عصمۃ بن محمد الانصاری ہے جس کے بارہ میں حافظ ابن حجر لسان المیزان ج ۴ ص ۱۷۰ اور علامہ ذہبی میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۹۶ میں لکھتے ہیں قال یحیٰی کذاب یضع الحدیث یعنی یہ راوی کذاب (بہت جھوٹا) ہے، حدیثیں گھڑ گھڑ کر بیان کرتا ہے۔ دوسری دلیل یہ بیان کی جاتی ہے کہ لفظ کَانَ جب مضارع پر داخل ہوتا ہے تو دوام و استمرار کا فائدہ دیتا ہے۔ لیکن یہ کلیہ بھی غلط ہے۔ امام نوویؒ شرح مسلم ج ۱ ص ۲۵۴ پر لکھتے ہیں۔ ولا تغتر بقولھا "کان یصلی" فان المختار الذی علیہ الاکثرون والمحققون من الاصولیین ان لفظۃ "کَانَ" لایلزم منھا الدوام ولا التکرار۔ امام نوویؒ کی اس عبارت کا خلاصہ یہی ہے کہ "کَانَ" اگر مضارع پر داخل ہو تو اس سے دوام و استمرار نہیں ثابت ہوتا جس کی بہت سی مثالیں احادیث میں ملتی ہیں۔

نوٹ: نمبر ۱:- جواب دیتے وقت یہ ملحوظ خاطر رہے کہ اس وقت ہمیں مسئلہ رفع یدین کی تحقیق مقصود ہے اس لیے کسی بڑی سے بڑی شخصیت کا قول بھی بلا

دلیل تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ احادیث کا ذخیرہ ہمارے سامنے ہے، اصولِ حدیث کی کتابیں بھی موجود ہیں۔ لہٰذا اصولِ حدیث کی روشنی میں احادیث کے قبول یا عدم قبول کا فیصلہ کیا جائے گا۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علاوہ ہم کسی کے مقلد نہیں ہیں۔ اور اس وقت بات بھی تقلیدی نہیں بلکہ تحقیقی ہو رہی ہے۔ بہرحال غیر مدلل اقوال پیش کرنے سے مکمل اعتراز ہونا چاہئے۔ ہاں البتہ دلائل سے بات ثابت کر دینے کے بعد تائید کے لیے کسی کا قول نقل کر دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

نوٹ: نمبر۲:- دوسری بات یہ ہے کہ یہ واضح کر دیا جائے کہ سجدہ والا رفع یدین جب احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے تو آپ کا اس پر عمل کیوں نہیں ہے؟ کیا اس لیے کہ یہ منسوخ ہے؟ اگر یہ بات ہے تو پھر اس کی منسوخی کس حدیث سے معلوم ہوئی؟ اور اگر آپ کو سجدہ والے رفع یدین کی کوئی صحیح حدیث معلوم نہ ہو تو سنن نسائی ج اص ۱۶۵ میں جو روایت شعبہ عن قتادہ کے طریق سے مروی ہے اسے دیکھ لیں اور جواب مرحمت فرمائیں اور یہ یاد رہے کہ قتادہ اگرچہ مدلّس ہیں اور یہ ان کی روایت بھی مُعَنعَنُ ہے لیکن چونکہ یہ روایت شعبہ کے طریق سے ہے اس لیے یہ سماع پر محمول ہوگی جیسا کہ مبارک پوری صاحب نے بحوالہ حافظ ابن حجر یہ بات تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۱۵۸ پر ذکر کی ہے۔

عبدالرشید غفرلہٗ

۲۳ربیع الاوّل ۱۴۰۴ھ

دوصفحات والی تحریر کا عکس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بخدمت جناب ریاض قدیر صاحب

گذارش ہے کہ رکوع کو جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھنے کے بعد والے رفع یدین کی بابت احناف اور غیر مقلدین حضرات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس مسئلہ پر بات کرنے سے پیشتر چند باتوں کا واضح اور متعین ہونا ضروری ہے۔ اول محل نزاع کا تعین دوم فریقین میں مدعی اور منکر کا تعین۔

امر اول یعنی محل نزاع کے متعلق عرض ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ان مواقع پر رفع یدین کرنا یا نہ کرنا محل نزاع نہیں ہے بلکہ اس موقعہ والے رفع یدین کا باقی رہنا یا نہ رہنا محل نزاع ہے۔ کیونکہ جس طرح آپ حضرات کے نزدیک رکوع والا رفع یدین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اسی طرح راقم الحروف بھی اس رفع یدین کو ثابت مانتا ہے۔ لہٰذا ان احادیث کو جن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا رفع یدین کرنا ثابت ہوتا ہے راقم الحروف کے سامنے پیش کرنا بالکل غیر متعلق بات ہوگی۔ اسلئے ساری بحث کے دوران یہ بات اچھی طرح مد نظر رہنی چاہیے کہ میرا اور آپ کا اختلاف رکوع والے رفع یدین کے باقی رہنے یا نہ رہنے میں ہے۔

امر دوم یعنی فریقین میں سے مدعی اور منکر کے تعین کے سلسلہ میں عرض ہے کہ آپ مدعی ہیں اور راقم الحروف منکر۔ کیونکہ جو شخص ترک رفع یدین کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں مانتا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوام رفع یدین یا کم از کم آخری نماز میں آپ کے رفع یدین کرنے کا مدعی ہے۔ چونکہ ثبوت پیش کرنا مدعی کی ذمہ داری ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے البینۃ علی المدعی یعنی بینہ اور شہادت پیش کرنا مدعی کی ذمہ داری ہے اسلئے اب آپ کی ذمہ داری ہے کہ دوام رفع یدین یا کم از کم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیاوی زندگی کی آخری نماز میں رفع یدین کرنا ثابت فرمائیں۔ اگر آپ دوام رفع یدین کے مدعی نہیں ہیں تو صاف صاف تحریر فرمادیجئے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دوام رفع یدین کے مدعی نہیں ہیں بلکہ آپ کے رفع یدین نہ کرنے کو بھی ہم مانتے اور تسلیم کرتے ہیں۔ اسطرح ترک رفع یدین خود بخود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو جاتا ہے۔ بہرحال مدعی اور منکر کے سلسلہ میں بات واضح ہوگئی کہ آپ دوام رفع یدین اور بقاء رفع یدین کے مدعی ہیں اور احقر رفع یدین کے بقاء و دوام کا منکر ہے۔

نوٹ:- بعض غیر مقلد حضرات نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے رفع یدین اور ترک رفع یدین دونوں روایۃً ثابت ماننے کے بعد ان میں تعارض قرار دیکر ترجیح کے درپے ہو جاتے ہیں اور پھر بعض وجوہ ترجیح بیان کرکے رفع یدین والی روایتوں کو ترک رفع یدین والی روایتوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ اسلئے عرض ہے کہ رفع یدین کرنے اور ترک رفع یدین میں تعارض ہی نہیں ہے مثلاً ایک شخص کہتا ہے زید تہجد پڑھتا ہے اور دوسرا کہتا ہے زید نے فلاں رات تہجد نہیں پڑھا ظاہر ہے کہ انہیں کوئی تعارض نہیں ہے ہاں البتہ اگر پہلا شخص یہ کہتا کہ زید نے آج تک بلاناغہ دوام کے ساتھ نماز تہجد پڑھی ہے اور دوسرا شخص کہتا کہ زید نے فلاں رات تہجد نہیں پڑھی تو یقیناً تعارض ہو جاتا بعینہ اسیطرح جب دوام رفع یدین کا ثبوت نہ ہوا تو رفع یدین والی روایتوں کا ترک رفع یدین والی روایتوں کے ساتھ قطعاً تعارض نہیں ہوتا اور جب تعارض نہ ہوا تو رفع یدین والی روایتوں کو ترک رفع یدین والی روایتوں پر یا ترک رفع یدین والی روایتوں کو رفع یدین والی روایتوں پر ترجیح دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

دراصل جب بھی کسی مسئلہ کا ثبوت قول یا سنت سے ہو جاتا ہے تو اسکے بعد اسکے بقاء اور عدم بقاء کے دونوں احتمال اسمیں پائے جاتے ہیں۔ پھر اگر اسی درجہ یا اس سے بھی اعلیٰ درجہ کی کسی دلیل سے عدم بقاء کا احتمال بلاشک متعین ہو جائے تو پھر پہلے حکم کو منسوخ قرار دیدیا جاتا ہے اور دوسرے کو اسکا ناسخ۔ لیکن اگر عدم بقاء کے احتمال پہ ایسی دلیل پائی جائے جس سے بلا کسی شک و شبہ کے عدم بقاء کا احتمال تو متعین نہیں ہوتا البتہ اسکے عدم بقاء کا ظن غالب حاصل ہو جاتا ہے تو ایسی صورت میں کہا جاتا ہے کہ عدم بقاء کا احتمال راجح ہے۔ چونکہ ہم ترک رفع یدین کے قائل ہیں اسلئے ہمارے لئے اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لئے دو طریقے ہو سکتے ہیں (۱) جس درجہ کے دلائل سے رفع یدین ثابت ہے اسی درجہ یا اس سے قوی درجہ کے دلائل

(۲)

سے عدم بقاء والا احتمال متعین کر کے رفع یدین کے نسخ کو ثابت کر دیں

یا یہ کہ عدم بقاء والے احتمال کو راجح ثابت کر کے بقاء رفع یدین والے احتمال کو مرجوح ثابت کر دیں

دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں رفع یدین بالکل منسوخ قرار پاتا تھا اور دوسری صورت میں منسوخ نہیں بلکہ مرجوح قرار پاتا تھا اور اسکے مقابلہ میں ترک رفع یدین راجح ہو جاتا تھا۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ہمارا موقف دعویٰ نسخ پر موقوف نہیں بلکہ نسخ کا دعویٰ کئے بغیر ترک رفع یدین کو راجح ثابت کر کے بھی ہم اپنا موقف ثابت کر سکتے ہیں۔ اب ہم کہتے ہیں کہ جناب کے پاس بقاء رفع یدین کیلئے کوئی دلیل حدیث صحیح تو درکنار حدیث ضعیف بلکہ موضوع بھی نہیں ہے صرف یہ قیاس ہے کہ چونکہ رفع یدین ہوا تھا اسلئے باقی بھی رہا ہوگا۔ اور ہمارے پاس عدم بقاء کے احتمال کو ترجیح دینے کیلئے وہ احادیث و آثار ہیں جو ترک رفع یدین کے سلسلہ میں منقول ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ احادیث و آثار آپ کے قیاس کے مقابلہ میں یقیناً راجح ہیں۔ یہ بات پھر ملحوظ رہے کہ ترک رفع یدین کے آثار و احادیث کا تعارض رفع یدین والی روایات و احادیث سے نہیں ہے بلکہ آپ کے قیاس سے تعارض ہے کہ چونکہ رفع یدین ہوا تھا لہٰذا باقی بھی رہا ہوگا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر آپ دوام رفع یدین کے قائل ہیں تو چونکہ احقر دوام رفع یدین کا منکر ہے اسلئے آپ کی ذمہ داری ہے کہ رفع یدین کے دوام و بقاء کو ثابت کریں

اور اگر آپ دوام رفع یدین کے مدعی نہیں ہیں بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا رفع یدین کرنا بھی آپ کو تسلیم ہے تو پھر چونکہ رفع یدین اور ترک رفع یدین والی روایتوں میں کوئی تعارض نہیں رہتا اسلئے انمیں آپس میں کسی کو ترجیح دینے کا سوال بھی ختم ہو جاتا ہے البتہ ترک رفع یدین کی روایتوں کا تعارض ان دلائل سے ضرور ہوگا جن سے بقاء رفع یدین ثابت ہوتا ہے۔ اسلئے اب ترجیح کا محل ترک رفع یدین کی روایتوں اور بقاء رفع یدین کے دلائل کے درمیان ہے اور ہم کہتے ہیں کہ بقاء رفع یدین کی کوئی دلیل آپ کے پاس موجود نہیں ہے سوائے اس قیاس کے جسے استصحاب حال کہا جاتا ہے اور ہمارے ترک رفع یدین کے دلائل یعنی احادیث و آثار بہر صورت آپ کے قیاس سے راجح ہیں۔

نوٹ:۔ احقر کے مضمون کو بنظر غائر ملاحظہ فرمائیں اسکے بعد ہی دلائل اور ان پر رد و کد کا نمبر آئے گا۔ اگر آپ کو ابھی احقر کے موقف کے بارے میں کچھ تردد رہا ہو تو پہلے احقر کے موقف کے تعین کے بارے میں گفتگو فرمالیں بعد میں دلائل پر بحث ہو جائیگی۔ مولانا محمد ادریس ہاشمی صاحب کو راقم الحروف نے جو دو تحریریں بعد میں بھیجی ہیں ان کی فوٹو کاپی بھی جناب کو ارسال کر رہا ہوں انہیں بھی بنظر غائر ملاحظہ فرمالیں انشاء اللہ احقر کا موقف سمجھنے میں ان سے بھی مدد مل جائیگی۔

فقط والسلام مع الاحترام

۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۵ھ / ۱۵ فروری ۱۹۸۵ء

عبدالرشید غفرلہ

حضرت قاری صاحبؒ کے مناظروں میں جو بات احقر نے سب سے زیادہ محسوس کی وہ یہ ہے کہ آپ نے مناظروں میں وُہی انداز اپنایا جو حضراتِ اکابر علماء دیوبند کا تھا۔ گالم گلوچ سے احتراز، متانت وسنجیدگی، صحیح موقف کو اپنا کر اخیر وقت تک اس پہ قائم رہنا اور مضبوط انداز میں اس کا دفاع کرنا۔ مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ (م: ۱۳۷۵/۱۹۵۶) نے سوانح قاسمی میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ (م: ۱۲۹۷/۱۸۸۰) کی ایک بحث جو مولانا محمد حسین بٹالوی صاحب سے ہوئی تھی اس کا تذکرہ کیا ہے۔ اس بحث سے حضرت قاری صاحبؒ کے انداز بحث کا اکابر کے انداز بحث سے اچھی طرح توافق معلوم ہوتا ہے، اس مناسبت سے ہم وہ بحث یہاں نقل کرتے ہیں۔ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ تحریر فرماتے ہیں۔

''مولوی محمد حسین صاحب نے (حضرت والا کو لکھا کہ مجھے تنہائی میں آپ سے بعض مسائل میں گفتگو کرنی ہے مگر شرط یہ ہے کہ آپ کا کوئی شاگرد بھی وہاں موجود نہ ہو، حضرت نے منظور فرما کر جواب تحریر فرمایا کہ تشریف لے آئیں۔ محمد طیب) چنانچہ مولانا موصوف حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر وہی عرض کیا کہ تنہائی میں آپ سے کچھ باتیں کرنی چاہتا ہوں اجازت دیدی گئی، جہاں تک یاد پڑتا ہے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمتہ اللہ علیہ ہی سے یہ بات فقیر نے سنی تھی فرماتے تھے کہ حجرہ بند کر دیا گیا ہم طلبہ باہر تھے دونوں میں گفتگو ہونے لگی ہماری طالب علمی کا زمانہ تھا بے اختیار جی چاہا کہ اس گفتگو کو کسی طرح سننا چاہیے میں اسی دروازے سے لگ کر بیٹھ گیا جس کے متصل ہی اندر یہ حضرات بیٹھے تھے، حضرت والا نے مولانا سے فرمایا کہ دیکھئے جس مسئلہ میں بھی

گفتگو فرمانی ہو اس میں دو باتوں کا خیال رکھیئے ایک یہ کہ مسئلہ زیر بحث میں حنفیہ کا مذہب بیان فرمانا آپ کا کام ہوگا اور دلائل بیان کرنا میرا کام ہوگا۔ دوسرے یہ کہ میں مقلد امام ابوحنیفہ کا ہوں اس لیے میرے مقابلہ میں آپ جو قول بھی بطور معارضہ پیش کریں وہ امام ہی کا ہونا چاہیئے، یہ بات مجھ پر حجت نہ ہوگی کہ شامی نے یہ لکھا ہے اور صاحبِ درمختار نے یہ فرمایا ہے، میں ان کا مقلد نہیں، چنانچہ فاتحہ خلف الامام، رفع یدین، آمین بالجہر وغیرہ بہت سے مختلف فیہ مسائل زیر گفتگو آئے اور حسب شرائط طے شدہ مولانا محمد حسین صاحب مذہب احناف بیان فرماتے اور حضرت والا دلائل سے اسے ثابت کرتے حضرت کی تقریروں کے درمیان مولانا محمد حسین صاحب جھوم جھوم جاتے اور بعض اوقات تو جوش میں سبحان اللہ سبحان اللہ کہتے کہتے کھڑے ہونے کے قریب ہو جاتے، جب گفتگو ختم ہو چکی تو، محمد طیب) مولوی محمد حسین صاحب کی زبان سے بے ساختہ یہ فقرہ نکلا کہ

''مجھے تعجب ہے کہ آپ جیسا شخص اور مقلد ہو یعنی بایں زور علم و فراست وقوتِ استنباط تقلید کے کیا معنی؟''

جواب میں حضرت شیخ الہند کہتے تھے میں نے سنا حضرت والا ارشاد فرما رہے ہیں اور مجھے تعجب ہے کہ آپ جیسا شخص اور غیر مقلد ہو (یعنی مدعی اجتہاد ہو) [1]

حضرت قاری صاحبؒ مسئلہ رفع یدین سے متعلق اپنی پہلی تحریر میں رقمطراز ہیں۔

''جواب دیتے وقت یہ ملحوظِ خاطر رہے کہ اس وقت ہمیں مسئلہ رفع

---

[1] سوانح قاسمی ج دوم ص ۲۲-۲۳

یدین کی تحقیق مقصود ہے اس لیے کسی بڑی سے بڑی شخصیت کا قول
بھی بلا دلیل تسلیم نہیں کیا جائے گا............... امامِ اعظم ابوحنیفہ
رحمہ اللہ کے علاوہ ہم کسی کے مقلد نہیں ہیں''[1]

حضرت قاری صاحبؒ سے کئی بار یہ واقعہ سنا تھا کہ

''ایک دفعہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمتہ اللہ علیہ (م: ۱۳۹۰/۱۹۸۰) کسی مناظرہ سے فارغ ہو کر رئیس المناظرین حضرت مولانا سیّد مرتضیٰ حسن چاندپوری رحمتہ اللہ علیہ (م: ۱۳۷۱/۱۹۵۱) کی خدمت میں تشریف لے گئے اور اُنہیں مناظرہ کی روداد سنائی کہ میں نے یہ موقف اپنایا فریق مخالف کے مناظر نے اس پر اعتراض کیا تو میں نے یہ شق بڑھائی پھر اُس نے اعتراض کیا تو میں نے جواب میں یہ موقف اپنایا الخ

حضرت سنتے رہے جب مولانا خیر محمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ ساری روداد سنا چکے تو آپ نے فرمایا مولانا: کامیاب مناظر وہ ہے جو شروع ہی میں ایسا موقف اپنائے کہ فریق مخالف کا مناظر سارا زور لگا لے لیکن اس موقف کو نہ توڑ سکے''

جو شخص بھی حضرت قاری صاحبؒ کے تحریری مناظرات کو پڑھے گا وہ ہرگز یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکے گا کہ آپ نے شروع میں جو موقف اپنایا تھا اخیر وقت تک آپ اسی پر جمے رہے بال برابر بھی اس موقف میں تبدیلی نہیں آئی، اور فریق مخالف کا مناظر اُسے کسی صورت نہیں ہلا سکا۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت قاری صاحبؒ موجودہ دور میں عوام الناس کے سامنے تقریری مناظروں کو مفید نہیں سمجھتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ فرمایا: عوام

---

[1] مسئلہ رفع یدین سے متعلق پہلی تحریر ص ۵ یہ تحریر اسی کتاب میں شامل کر دی گئی ہے حوالہ کے لیے اسی کتاب کا صفحہ نمبر ۹۷ دیکھیے۔

الناس کے اجتماعات میں علمی ابحاث چھیڑنا اُن کے مذاق اور مزاج کے خلاف ہونے کے باعث اُن کو کوفت پہنچانے کے مترادف ہے بلکہ بسا اوقات مختلف مباحثِ مشکلہ اور علمی ابحاث کی حقیقت تک رسائی نہ ہونے کی وجہ سے وہ دو مولوی کہلانے والوں کا اُلجھاؤ دیکھ کر ایسی ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو جاتے ہیں جو ان کے لیے دین اور اہل دین سے نفرت کا باعث بن جاتی ہے اس لیے علمی مباحث کی افہام و تفہیم کے لیے گفتگو کم سے کم افراد کی موجودگی میں ہونی چاہئے جن کو بات سمجھائی جا سکے، اس موقف پر حضرت قاری صاحبؒ دلیل ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: قرآن پاک میں ارشاد باری ہے "**قل انما اعظکم بواحدۃ ان تقوموا للّٰہ مثنیٰ و فرادیٰ ثم تتفکروا الآیۃ**" یعنی آپ فرما دیجئے کہ میں تم کو نصیحت کرتا ہوں ایک بات کی وہ یہ کہ کھڑے ہو جاؤ اللہ کے لیے ایک ایک دو دو۔ پھر سوچ و بچار کرو۔ معلوم ہوا کہ افہام و تفہیم اور سوچ و بچار کا بہتر اور اصل موقع وہی ہے کہ جہاں تھوڑے افراد ہوں نہ کہ جہاں عوام الناس کی بھیڑ لگی ہوئی ہو۔

استحضارِ علمی اور پیچیدہ مسائل کا چٹکیوں میں حل کرنا

حضرت قاری صاحبؒ کو قدرتی طور پر جو ذہانت و ذکاوت ملی تھی اس کا نتیجہ تھا کہ آپ بہت سے مسائل چٹکیوں میں حل کر دیتے تھے، بعض دفعہ فریق مخالف کے اعتراض کا ایسا جواب دیتے تھے کہ وہ دنگ رہ جاتا تھا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قاری صاحب مرحوم کے بعض استدلالات اور جوابات یہاں نقل کر دیئے جائیں تاکہ جہاں وہ عوام کی رہنمائی کا سبب بنیں وہیں اُن سے حضرت قاری صاحبؒ کے استحضارِ علمی کا بھی کچھ اندازہ لگایا جا سکے۔

(۱) اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے چار صاحبزادیاں تھیں (۱) حضرت زینب

﴾۲﴿ حضرت رقیہ ﴾۳﴿ حضرت اُمّ کلثوم ﴾۴﴿ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنھن، لیکن بہت سے شیعہ حضرات کا کہنا ہے کہ آپ کی صرف ایک ہی صاحبزادی تھیں یعنی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرات اہلسنّت اپنے موقف پر قرآن و حدیث اور کتبِ تاریخ تینوں سے دلائل پیش کرتے ہیں۔

قرآن مجید سے عموماً یہ آیت مبارکہ پیش کی جاتی ہے یَآیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ وَبَنَاتِکَ الآیۃ اے نبی کہہ دے اپنی عورتوں کو اور اپنی بیٹیوں کو (ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ) اس آیتِ مبارکہ میں بَنَاتُ کا لفظ آیا ہے جو جمع ہے اور جمع کا اطلاق کم از کم تین پر ہوتا ہے، لہٰذا آیت مبارکہ سے ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں تین سے کم نہیں تھیں رہا چار ہونا وہ احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔

ایک شیعہ لڑکے کی حضرت قاری صاحبؒ سے گفتگو ہوئی۔ اُس نے کہا کہ اہل سنت کا اپنے موقف پر اس آیت سے استدلال کرنا صحیح نہیں کیونکہ جمع کا اطلاق لازمی نہیں کہ تین سے کم پر نہ ہو بلکہ تین سے کم پر بھی ہوتا ہے چنانچہ آیت مباہلہ کو دیکھئے اس میں جمع کا لفظ لایا گیا ہے مگر مراد ایک ہے ارشاد ہے فَقُلْ تَعَالُوْا نَدْعُ اَبْنَآءَ نَا وَاَبْنَاءَ کُمْ وَنِسَآءَ نَا وَنِسَآءَ کُمْ الآیۃ تو تو کہدے آؤ بلاویں ہم اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں، اس میں لفظ نساءَ جمع ہے لیکن احادیث ہی سے ثابت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مباہلہ میں صرف سیّدہ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کو لے کر گئے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جمع کا اطلاق تین سے کم پر بھی ہوتا ہے۔

حضرت قاری صاحبؒ نے جواباً ارشاد فرمایا: اس سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جمع کا اطلاق تین سے کم پر بھی ہوتا ہے کیونکہ ہمارے یہاں ایک قاعدہ ہے وہ یہ کہ "جب کسی مقام پر جمع کا تقابل جمع سے ہو تو وہاں آحاد کا آحاد پر انقسام مراد

ہوتا ہے'' مثلاً عربی کا ایک محاورہ ہے رَكِبُوا دَوَابَّهُمْ وہ لوگ اپنی سواریوں پر سوار ہوئے اس محاورہ میں رَكِبُوا بھی جمع ہے اور دَوَابَّ بھی جمع ہے اور جمع کا تقابل جمع سے ہوا ہے لہٰذا معنی ہوگا کہ ہر ایک شخص اپنی سواری پر سوار ہوا یہ معنی نہیں ہوگا کہ ہر ایک ساری سواریوں پر سوار ہوا۔ اسی طرح آیتِ مباہلہ میں جمع کا تقابل جمع سے ہوا ہے نِسَآءَ نَا (اپنی عورتیں) نِسَآءَ كُمْ (تمہاری عورتیں) لہٰذا یہاں بھی انقسام آحاد کا آحاد پر ہوگا یعنی ہم اپنی ایک عورت لاتے ہیں اور تم اپنی ایک عورت لے آؤ اس قاعدہ اور قانون کو سامنے رکھیے اس کے ہوتے ہوئے آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ جمع کا اطلاق تین سے کم پر بھی ہوتا ہے۔

(۲) ایک مرتبہ ایک مرزائی نے آپ سے گفتگو کے دوران کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات تو قرآن سے ثابت ہے۔ دیکھیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْخَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (اور محمد (ﷺ) تو ایک رسول ہیں آپ ﷺ سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں) اس آیتِ مبارکہ میں بتلایا گیا ہے کہ آپ ﷺ سے پہلے جتنے رسول تھے وہ سب گزر چکے، لفظ خَلَتْ کے معنی موت کے آتے ہیں چنانچہ ایک دوسری آیتِ مبارکہ میں بھی یہ لفظ آیا ہے اور وہاں معنی موت ہی کے ہیں ارشاد ہے تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْخَلَتْ الآیۃ (وہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی) جب آنحضرت ﷺ سے پہلے کے تمام انبیاء ورسل کی وفات ثابت ہوگئی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات بھی خود بخود ثابت ہوگئی کیونکہ وہ بھی آپ ﷺ سے پہلے کے انبیاء ورُسل میں سے تھے۔

حضرت قاری صاحبؒ نے اِس کی باتیں سن کر ارشاد فرمایا آپ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر اس آیت مبارکہ سے استدلال کرنا ہرگز درست نہیں کیونکہ آپ کا یہ استدلال اس صورت میں صحیح ہوسکتا ہے جبکہ آپ یہ ثابت کریں کہ خَلَتْ کے معنی فقط موت ہی کے آتے ہیں اور کوئی معنی نہیں آتے، میں کہتا ہوں کہ

اس کے معنی فقط موت ہی کے نہیں ہیں بلکہ اس کے دوسرے معنی بھی آتے ہیں وہ ہیں مُضِیّ یعنی گزرنا چنانچہ مذکورہ آیت سے پیشتر آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ ﷻ فرماتے ہیں قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ (ہو چکے ہیں تم سے پہلے واقعات سو پھرو زمین میں) یہاں خَلَتْ بمعنی مَضَتْ ہے، جب خَلَتْ کے معنی مَضَتْ یعنی گزرنے کے بھی ہوئے تو آپ کا اس آیت سے استدلال درست نہ رہا اور اگر ہم مان لیں کہ اس کے معنی موت ہی کے ہیں تو یہ طے کرنا ہوگا کہ ''اَلرُّسُلُ'' میں جو الف لام ہے وہ کونسا ہے جنسی ہے، استغراقی ہے، یا عہد کا؟ جنسی نہ ہونا تو طے ہے اب رہ گیا استغراقی اور عہد کا، آپ کا مدعیٰ جب ثابت ہوگا جب آپ یہ ثابت کر دیں کہ یہ الف لام استغراقی ہے عہد کا نہیں۔

وہ صاحب حضرت قاری صاحبؒ کی یہ گفتگو سن کر اپنا سا منہ لیکر رہ گئے۔

(۳) دورانِ سبق ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ میرا طالب علمی کا دور تھا فنون کی کتابیں پڑھ رہا تھا ہماری مسجد کے ایک نمازی غیر مقلد تھے وہ ایک دفعہ مجھے ایک ڈاکٹر کے پاس لے گئے ڈاکٹر صاحب بھی غیر مقلد تھے اُنھوں نے ہمارے پہنچتے ہی مسئلہ قراۃِ فاتحہ خلف الامام پر بحث شروع کر دی اور کہنے لگے بخاری میں آتا ہے لَاصَلٰوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ جو شخص سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ امام منفرد مقتدی سب پر سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے اور یہ حنفی لوگ نماز میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتے، میں نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب اس حدیث سے آپ کا استدلال جب تام ہوگا جبکہ آپ یہ ثابت کر دیں کہ اس میں آنے والا لفظ مَنْ عموم کے لیے ہے ڈاکٹر صاحب فوراً بولے ''اصول الشاشی'' اُٹھا کر دیکھ لیں اس میں لکھا ہوا ہے کہ مَنْ عموم کے لیے استعمال ہوتا ہے میں نے کہا کہ اوّل تو ''اصول الشاشی'' میں مَنْ کے عموم کا مسئلہ ہے ہی نہیں۔ یہ مسئلہ ''نور الانوار''

میں ہے اور وہاں جہاں یہ لکھا ہے کہ مَنْ عموم کے لیے آتا ہے وہیں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ مَنْ خصوص کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، اور اس پر میں قرآن سے بھی دلیل پیش کر سکتا ہوں دیکھئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَالْمَلٰئِکَةُ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِی الْاَرْضِ ط (سورۃ الشوریٰ پ۲۵)

مَنْ فِی الْاَرْضِ میں جہاں مسلمان شامل ہیں کافر بھی شامل ہیں اور یہ بات ظاہر بلکہ اظہر ہے کہ فرشتے صرف مسلمانوں کے لیے ہی استغفار کرتے ہیں کافروں کے لیے نہیں چنانچہ اس کی تصریح بھی قرآن مجید میں موجود ہے ارشاد ہے وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ آمَنُوْا (سورۃ الغافر پ۲۴) اسی طرح ایک اور آیت میں بھی مَنْ آیا ہے اور خصوص کے لیے ہے وہ آیت یہ ہے ءَاَمِنْتُمْ مَنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِکُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِیَ تَمُوْرُ (سورۂ ملک پ۲۹) اس کے علاوہ حدیث مبارک میں مَنْ کے خصوص کی ایک مستقل دلیل یہ آیت کریمہ بھی ہے وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْالَهٗ وَاَنْصِتُوْا، الآیة (سورۃ الاعراف پ۹) ڈاکٹر صاحب کے پاس تفسیر ابن کثیر رکھی ہوئی تھی اُنہوں نے وہ کھول کر مذکورہ آیت کی تفسیر دیکھنی شروع کی اب جو دیکھا کہ اس میں تو شروع ہی میں حافظ ابن کثیرؒ نے یہ حدیث دے رکھی ہے۔

”رواہ مسلم فی صحیحه من حدیث ابی موسی الاشعری رضی اللّٰہ عنه قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم انما جعل الامام لِیُؤْتَمَّ به فاذا اکبر فکبروا واذا قرأ فانصتوا[1]“

آپ ﷺ نے فرمایا کہ امام اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے لہٰذا جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قراءت کرے تو خاموش ہو جاؤ۔ تو فوراً اس کو بند کر کے چھپانے لگے مجھے پتہ چل چکا تھا میں نے بہت اصرار کیا کہ ذرا دکھلایئے تو سہی پر وہ نہیں مانے تفسیر نہیں دکھلائی اور اس طرح یہ بات ختم ہو گئی۔

---

[1] تفسیر القرآن العظیم للامام ابن الکثیر ج ۲ ص ۲۸۰

(۴) غیر مقلدین حضرات مسئلہ رفع یدین سے متعلق عموماً حضرت امام ابوحنیفہ رحمۂ اللہ اور حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۂ اللہ کے درمیان ہونے والے ایک مناظرہ کا تذکرہ کرتے ہیں جو درج ذیل ہے۔

”امام وکیعؒ فرماتے ہیں کہ میں جامع مسجد کوفہ میں نماز پڑھ رہا تھا کیا دیکھتا ہوں حضرت امام ابوحنیفہؒ بھی کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں اور ان کے پہلو میں حضرت عبداللہ بن مبارکؒ بھی نماز پڑھ رہے ہیں میں نے دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ تو رکوع میں جاتے اُٹھتے رفع یدین کر رہے تھے، حضرت امام ابوحنیفہؒ رفع یدین نہیں کر رہے تھے، جب یہ حضرات نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۂ اللہ نے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۂ اللہ سے فرمایا، اے ابوعبدالرحمٰن: میں نے دیکھا ہے تم بار بار رفع یدین کر رہے تھے کیا تمہارا اُڑنے کا ارادہ تھا؟ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۂ اللہ نے جواباً عرض کیا کہ اے ابوحنیفہؒ: میں نے آپ کو دیکھا ہے کہ آپ نے بھی نماز کے آغاز میں رفع یدین کیا تھا کیا آپکا ارادہ بھی اُڑنے کا تھا؟ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۂ اللہ خاموش ہوگئے، امام وکیعؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے جو جواب حضرت امام ابوحنیفہؒ کو دیا ہے میں اس سے بڑھ کر کوئی اور جواب ایسا بروقت نہیں پاتا“[۱]

حضرت قاری صاحب مرحوم نے جب یہ مناظرہ سنا تو فرمایا کہ قطع نظر اس سے کہ اس مناظرہ کی سندی حیثیت کیا ہے میں کہتا ہوں کہ یہ مناظرہ درایۃً ہی درست معلوم نہیں ہوتا وجہ یہ ہے کہ اوّل تو حضرت عبداللہ بن مبارکؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے جلیل القدر شاگرد ہیں ان سے بعید ہے کہ وہ اُستاذ محترم کے

---

[۱] سنن کبریٰ بیہقی ج ۲ ص ۸۲

سامنے اس طرح کا طرزِ تکلم اختیار کریں، دوسرے حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ
کی طرف منسوب جواب ایسا نہیں ہے جس پر حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ جیسے فقیہ
و متکلم خاموش ہو جائیں، اس جواب پر تو میں خاموش نہیں ہوتا، میں اس جواب کا
جواب دیتا ہوں کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کا فرمانا صحیح تھا اور حضرت عبداللہ
بن مبارک رحمۃ اللہ کا جواب صحیح نہیں تھا، وجہ یہ ہے کہ مشاہدہ ہے کہ پرندہ جب
اُڑنے کا ارادہ کرتا ہے تو اُسے بار بار اپنے پَر پھڑ پھڑانے پڑتے ہیں اور وہ بار بار
پَر پھڑ پھڑا کر اُڑتا ہے، اُڑتے وقت وہ صرف ایک دفعہ پَر پھڑ پھڑا کر بس نہیں کر دیتا
اور نہ ایک دفعہ پھڑ پھڑا کر اُڑتا ہے، لہٰذا جو بار بار رفع یدین کر رہا ہے اُسے یہ کہنا
تو صحیح ہے کہ کیا تمہارا اُڑنے کا ارادہ ہے لیکن اس کے برعکس جو صرف ایک دفعہ
رفع یدین کرے اُسے نہیں کہا جا سکتا کہ تم اُڑنے کا ارادہ رکھتے ہو۔

حضرت قاری صاحب مرحوم کا یہ جواب انتہائی لطیف جواب ہے جو آپ کی دِقتِ
نظر پر دلالت کرتا ہے، اس کا اس سے بہتر کوئی جواب معلوم نہیں دیتا، راقم الحروف نے یہ
جواب حضرت مولانا امین اکاڑوی مرحوم کو سنایا تھا وہ یہ جواب سن کر پھڑک اُٹھے تھے۔

(۵) ایک دفعہ احقر نے عرض کیا کہ بریلوی حضرات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے لیے ”علم غیب“ کے قائل ہیں اس سلسلہ میں وہ کہتے ہیں کہ ”غیب کی دو
قسمیں ہیں (۱) ذاتی (۲) عطائی، ہم حضور علیہ السلام کے لیے علم غیب
عطائی کے قائل ہیں ذاتی کے نہیں۔

آپ نے فرمایا کہ علم غیب کی ذاتی اور عطائی کی طرف تقسیم کرنا ہی غلط ہے
کیونکہ علم غیب تو کہتے ہی علم ذاتی کو ہیں پھر اس کے ذاتی اور عطائی کی طرف
انقسام کا کیا مطلب؟ بلکہ اس طرح تو اِنْقِسَامُ الشَّیْءِ اِلٰی نَفْسِہٖ وَاِلٰی غَیْرِہٖ
لازم آتا ہے اور یہ باطل ہے لہٰذا علم غیب کی تقسیم بھی ذاتی اور عطائی کی طرف باطل
ہے، رہی یہ بات کہ علم غیب علمِ ذاتی کو کہتے ہیں یہ بات خود احمد رضا خان صاحب

کو بھی مسلم ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

"علم جبکہ مطلق بولا جائے، خصوصاً جبکہ غیب کی طرف مضاف ہو تو اس سے مراد علمِ ذاتی ہوتا ہے"۔[1]

(۶) ایک مجلس میں یہ تذکرہ ہوا کہ بریلوی حضرات لفظ "نبی" کو نبأ بمعنی خبر سے مشتق مان کر اس کا ترجمہ غیب کی خبریں دینے والے کرتے ہیں، چنانچہ احمد رضا خان صاحب نے یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ کا ترجمہ اے غیب کی خبریں دینے والے کیا ہے، آیا یہ صحیح ہے یا غلط؟

حضرت قاری صاحبؒ نے فرمایا اصل بات یہ ہے کہ لفظ نَبِی "منقول" ہے اس لیے اس کے معنی وہی متعین و مراد ہوں گے جو ناقل نے طے کئے ہیں دوسرے معنی نہیں۔

توضیح اس کی یہ ہے کہ کسی لفظ کو اس کے معنٰی مَوضُوعٌ لَہٗ سے کسی مناسبت کی بناء پر دوسرے معنی کی طرف منتقل کرنے کو نقل کہتے ہیں اور جس لفظ کو منتقل کیا جائے اُسے منقول کہتے ہیں پھر منقول کی باعتبار ناقل (نقل کرنے والے) کے تین قسمیں ہیں (۱) منقول عرفی (۲) منقول شرعی (۳) منقول اصطلاحی۔

اگر ناقل عرفِ عام ہے تو منقول عرفی ہے اگر اربابِ شرع ہیں تو منقول شرعی ہے اور اگر ناقل عرفِ خاص ہے تو منقول اصطلاحی ہے ان تینوں کی مثال یہ ہے کہ لفظِ "دَابَّۃٌ" وَضعُ تو ہوا تھا ہر زمین پر چلنے والے کے لیے لیکن عرف میں اب اس کا استعمال چوپایہ کے لیے ہونے لگا۔ اسی طرح لفظِ "صلوٰۃ" ہے لغت میں اس کے متعدد معنی آتے ہیں مثلاً دعا، استغفار، تسبیح، تحریک الصَّلَوَیْنِ (چوتڑ ہلانا) لیکن شارع نے اب اسے ارکانِ مخصوصہ کے لیے منتقل کر لیا ہے لہٰذا اب اس سے ارکانِ مخصوصہ قیام، قراءت، رکوع، سجود ہی مراد ہوں گے لغوی معنی

---

[1] ملفوظات اعلیٰ حضرت بریلوی حصہ سوم ص ۳۱۵

نہیں اسی طرح لفظِ اسم ہے اس کے لغوی معنیٰ تو بلندی وغیرہ کے ہیں لیکن عرف خاص (اربابِ نحو) نے اسے اب منتقل کر لیا ہے ایک خاص معنیٰ کے لیے اور وہ معنیٰ یہ ہیں ''اسم وہ کلمہ ہے جو کسی معنیٰ پر مستقلاً دلالت کرے اور اس میں کوئی زمانہ نہ پایا جائے''۔ اس توضیح کے بعد سمجھئے کہ لفظِ ''نبی'' ایک اصطلاحی لفظ ہے اور منقولِ شرعی ہے لہٰذا اس کا معنیٰ وہی لیا جائے گا جس کی طرف اربابِ شرع نے اسے منتقل کر لیا ہے اور وہ معنیٰ ہیں ''اَلنَّبِیُّ اِنسَانٌ بَعَثَہُ اللّٰہُ اِلَی النَّاسِ لِتَبلِیغِ الاَحکَامِ'' نبی ایک انسان ہے جسے اللہ تعالیٰ لوگوں کے پاس اپنے احکامات پہنچانے کے لیے بھیجتے ہیں اس کے لغوی معنیٰ مراد نہیں لیے جائیں گے، کیونکہ قاعدہ ہے کہ اصطلاحی الفاظ کے اصطلاحی معنیٰ ہی مراد لیے جاتے ہیں، لغوی معنیٰ مراد نہیں لیے جاتے، اگر اصطلاحی الفاظ کے لغوی معنیٰ مراد لیے جانے لگیں تو سارا نظام بگڑ کر رہ جائے گا کیونکہ پھر بے دین لوگ چوتڑ ہلا کر کہیں گے کہ ہم نے صلوٰۃ (نماز) ادا کر لی، نہا کر کہیں گے کہ ہم نے زکوٰۃ ادا کر لی کیونکہ اس کے معنیٰ صفائی ستھرائی کے آتے ہیں اور چپ رہ کر یا ٹھہر کر کہیں گے کہ ہم نے روزہ رکھ لیا کیونکہ صوم کے معنیٰ امساک (ٹھہرنے) کے آتے ہیں اسی طرح اگر سکول ٹیچر کہے گا کہ دو اور دو کو آپس میں ضرب دو تو لڑکا مار کر کہے گا کہ میں نے ضرب دے لی کیونکہ ضرب کے معنیٰ مارنے کے آتے ہیں، ایسے ہی اگر اُستاذ کہے گا کہ اس میں کسر کا عمل کرو تو وہ سلیٹ توڑ کر کہے گا کہ لیجئے میں نے کسر کا عمل کر لیا کیونکہ کسر کے معنیٰ توڑنے کے آتے ہیں علیٰ ھذا القیاس اس طرح نہ دین باقی رہے گا نہ دُنیا۔ لہٰذا ہر چیز کو اس کے دائرۂ کار میں رکھتے ہوئے اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا جو اس کے لیے اہل اصطلاح کی طرف سے طے ہو چکا ہو۔

(۸) تصوف کی ایک اصطلاح ہے ''وحدت الوجود'' عثمانی فرقہ[1] کے لوگ تصوف کی

---

[1] کراچی میں ایک صاحب ہوئے ہیں کیپٹن مسعود الدین عثمانی جو لوگ ان کیساتھ ان کے عقائد میں متفق ہیں اُنہیں عثمانی فرقہ کے لوگ کہا جاتا ہے۔

اس اصطلاح کے انتہائی بھیانک معنیٰ کر کے تصوف اور اہلِ تصوف یعنی صوفیاءِ کرام کو غلط قرار دیتے ہیں العیاذ باللہ صرف یہی نہیں بلکہ اُنہیں مسلمان بھی نہیں سمجھتے اور اس طرح سادہ لوح عوام کو گمراہ کرتے ہیں۔

حضرت قاری صاحبؒ مرحوم سے عثمانی فرقہ کے ایک شخص کی گفتگو ہوئی تو وہ کہنے لگا کہ جناب ''وحدت الوجود'' کا نظریہ تو بہت غلط اور گمراہ کن نظریہ ہے نظریہ کے تحت تو خالق و مخلوق میں کوئی فرق ہی نہیں رہ جاتا، اس طرح تو سب کا خالق بننا لازم آتا ہے کیونکہ جب اللہ کے سوا کچھ ہے ہی نہیں تو سارے اللہ ہی ہو گئے (العیاذ باللہ) چنانچہ صوفیاء کہتے ہیں ''لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہ'' اللہ کے سوا کوئی موجود نہیں رہا۔

قاری صاحب مرحوم نے فرمایا: اصل بات یہ ہے کہ تم لوگ ''وحدت الوجود'' کا مطلب ہی نہیں سمجھے اس لیے یہ ساری خرابی پیدا ہوئی لہٰذا پہلے تم ''وحدت الوجود'' کا مطلب سمجھو، دیکھو ہم کہتے ہیں کہ ''وجود'' ایک صفت ہے جو اس صفت سے متصف ہوگا وہ موجود ہو جائے گا۔ بالکل ایسے ہی جیسے حسن ایک صفت ہے علم ایک صفت ہے قراءت ایک صفت ہے جب کوئی حسن سے متصف ہوگا تو حسین بن جائے گا۔ علم سے متصف ہوگا تو عالم بن جائے گا۔ قراءت سے متصف ہوگا تو قاری بن جائے گا۔ لیکن کوئی بھی عقل مند آدمی یہ نہیں کہتا کہ حسن اور حسین ایک ہو گئے علم اور عالم ایک ہو گئے قراءت اور قاری ایک ہو گئے اور نہ اس سے ساری دنیا کا حسین ہونا لازم آیا نہ ساری دُنیا کا عالم ہونا لازم آیا اور نہ ہی ساری دُنیا کا قاری ہونا لازم آیا جب ان صفات کے بارے میں یہ نہیں کہا جاتا تو بتلایئے کہ وجود کے بارے میں یہ کیوں کہا جاتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ ہم وحدتِ وجود کے قائل ہیں وحدتِ موجود کے قائل نہیں اور ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے آپ لوگ فرق نہیں کرتے وحدت الوجود کو وحدت الموجود سمجھ بیٹھتے ہیں

اس لیے گمراہی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

باقی رہا صوفیاء کا ’’لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہ‘‘ کہنا تو اس کا بھی آپ مطلب نہیں سمجھ سکے صوفیاء کی مراد اس سے یہ ہے کہ موجودِ حقیقی اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے اور یہ بات بالکل برحق ہے کیونکہ ہمارا وجود دو عدموں کے درمیان ہے اور جو وجود دو عدموں کے درمیان ہو اسے وجود سمجھا ہی نہیں جاتا اس کی مثال ایسے جیسے ’’طُھْرِ مُتَخَلِّلْ‘‘ وہ پاکی جو عورت کو اس کے دو خونوں کے درمیان حاصل ہوتی ہے، اس پاکی کو فقہاء پاکی شمار نہیں کرتے بلکہ اس پاکی کے ایام کو بھی حیض کے ایام ہی میں شمار کیا جاتا ہے یونہی ہمارا وجود ہے کہ اس سے پہلے بھی عدم ہے اور بعد میں بھی عدم ہے ان دو عدموں کے درمیان وجود ہے لہٰذا اس وجود کا کیا اعتبار اصل وجود اللہ کا ہے جس پر نہ کبھی عدم طاری ہوا ہے اور نہ کبھی طاری ہوگا۔

(۹) کبھی اگر تقلید کے متعلق تذکرہ ہوتا تو فرماتے کہ تقلید تو قرآنِ مجید کی سب سے پہلی سورت سورۂ فاتحہ سے ثابت ہے کیونکہ ہمیں اس سورت میں سکھلایا گیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے ’’صراطِ مستقیم‘‘ کی طرف رہنمائی طلب کریں، اور صراطِ مستقیم کے بعد رِجال کا تذکرہ کیا گیا ہے، (یعنی صراطِ مستقیم اُن رجال و اشخاص کا راستہ ہے جن پر انعامِ خداوندی ہوا ہے جو انبیاء صدیقین شہداء اور صالحین ہیں) قرآن و حدیث کا تذکرہ نہیں کیا گیا، اِس سے صاف معلوم ہوا کہ صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی رجالُ اللہ کی پیروی میں ملے گی اور رجالُ اللہ کی پیروی کا نام ہی تقلید ہے۔

(۱۰) ایک صاحب جمعہ کے وعظ میں کسی خطیب سے واقعۂ معراج سن کر آئے اور کہنے لگے کہ واقعۂ معراج میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا آنحضرت ﷺ سے پہلے ہی آسمان پر پہنچ جانا معلوم ہوتا ہے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا آگے ہونا اور آپ ﷺ کا پیچھے رہنا میری فہم سے بالا ہے۔

حضرت قاری صاحبؒ مرحوم نے غالباً کسی کتاب کے حوالہ سے فرمایا کہ علماء نے اس کی ایک توجیہ یہ کی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا آگے ہونا "تَقَدُّمُ الْخَادِمِ عَلَى الْمَخْدُوْمِ" کے قبیل سے ہے یعنی جیسے خادم راستہ درست کرنے اور آگے انتظامات کرنے کے لیے آقا کے آگے آگے چلتا ہے اسی طرح کا معاملہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا ہے۔

(۱۱) آپ سے ایک مرتبہ یہ سوال ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو "صدیق" کہنا صحیح نہیں کیونکہ صدیق کے معنیٰ ہیں تصدیق کرنے والا اور تصدیق ہمیشہ بڑا آدمی کرتا ہے اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے چھوٹے ہیں بڑے نہیں۔

آپ نے فرمایا:- یہاں جو تصدیق کے معنیٰ بنتے ہیں معترض وہ سمجھا ہی نہیں، یہاں صدق کے معنیٰ "تصدیق بوصفِ القائل" کے ہیں یعنی متکلم اور قائل کو سچا سمجھنا، اور کسی کو سچا سمجھنے کے لیے بڑا ہونے کی ضرورت نہیں چھوٹے بھی سچا سمجھ سکتے ہیں۔

(۱۲) جولائی ۱۹۸۴ء کی بات ہے کہ ایک دوست کے کہنے پر احقر کی ایک بریلوی مولوی صاحب سے مسئلہ حاضر ناظر پر بحث ہوئی جو اس پر مُنتج ہوئی کہ تحریری طور پر تفصیل سے بات کر لی جائے۔ احقر حضرت قاری صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اس سلسلہ میں میری رہنمائی فرمائیں کہ میں بات کس طرح آگے بڑھاؤں۔ آپ اس وقت اپنی مسجد میں تشریف فرما تھے آپ نے قلم اور کاغذ منگوا کر مسئلہ حاضر ناظر سے متعلق فی البدیہہ اکیس سوالات لکھ کر دیئے کہ بریلوی مولوی صاحب سے کہو کہ پہلے وہ ان کے جواب دے دیں پھر آگے بات ہوگی، چنانچہ میں نے وہ سوالات اُن بریلوی مولوی صاحب کو لکھ کر بھیج دیئے لیکن عرصۂ دراز گزر جانے کے باوجود ان

کے جواب نہ آنے تھے اور نہ آئے۔

اتفاق کی بات ہے کہ حضرت قاری صاحبؒ کے ہاتھ کے تحریر کردہ وہ سوالات راقم کے پاس محفوظ رہے، افادۂ علمی اور برکت کے لیے اس موقع پر ان کا عکس پیش کیا جاتا ہے، ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) حاضر ناظر کس زبان کا لفظ ہے؟ عربی یا فارسی یا کسی اور زبان کا؟

(۲) "حاضر ناظر" مفرد لفظ ہے یا مرکب؟ اگر مفرد ہے تو کس دلیل سے؟ اور اگر مرکب ہے تو کتنے اور کن کن اجزاء سے؟

(۳) "حاضر ناظر" کا لفظ اگر مفرد ہے تو اس کا معنی لغوی باحوالہ بیان فرمائیں! اور اگر مرکب ہے تو ہر جزء کا معنی لغوی علیحدہ علیحدہ باحوالہ بیان فرمائیں؟

(۴) "حاضر ناظر" کا لغوی معنی ہی آپ کی مراد ہے یا آپ کے ہاں معنی لغوی مراد نہیں اس کے علاوہ کچھ ہے؟ اگر کچھ اور ہے تو وہ اصطلاحی معنی باحوالہ بیان فرمائیں، نیز معنی اصطلاحی اور معنی لغوی میں مناسبت بھی بیان فرمائیں۔

(۵) "حاضر ناظر" سے جو معنی آپ مراد لے رہے ہیں اس کا تعلق اعمال سے ہے یا عقائد سے؟

(۶) "اعمال" کا اثبات کن دلائل سے ہوتا ہے؟ اور عقائد کا اثبات کن دلائل سے ہوتا ہے؟

(۷) کیا یہ بات درست ہے کہ عقائد کا اثبات قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ دلائل سے ہوتا ہے؟ اور اگر نہیں تو مدلل بیان فرمائیے

(۸) ادلۂ اربعہ یعنی (۱) کتاب اللہ (۲) سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۳) اجماع امت (۴) قیاس مجتہد میں سے کون کون سے دلائل قطعی الثبوت ہیں؟

(۹) قطعی الثبوت دلائل کا قطعی الدلالۃ ہونا کیسے معلوم ہوگا؟ یا ہر قطعی الثبوت دلیل قطعی الدلالۃ بھی ہوتی ہے؟ مدلل ارشاد ہو

(۱۰) ~~حاضر ناظر اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو باحوالہ بیان فرمائیں یا آپ~~

(۱۰) "حاضر ناظر" اللہ تعالیٰ کی صفت ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو صفت خاصہ ہے یا نہیں؟ ہر صورت میں مدلل ارشاد ہو

(۱۱) اگر یہ صفت مخلوق میں پائی جاتی ہے تو کیا صرف نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی میں یا دیگر انبیاء و اولیاء میں بھی پائی جاتی ہے؟

(۱۲) حاضر ناظر کی صفت انبیاء علیہم السلام کے ساتھ خاص نہ ہونے کی صورت میں مؤمنین کے ساتھ خاص ہے یا کفار میں بھی پائی جاتی ہے؟ ہر صورت میں مدلل ارشاد فرمائیے

(۱۳) اگر حاضر ناظر ہونا اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں ہے تو جو شخص اللہ تعالیٰ پر اس لفظ کا اطلاق کرے مثلاً عبد الغنی ثانی محمد اللہ وغیرہ ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

(۱۴) نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے صفت حاضر ناظر ہونے کا ثبوت ہو تو کیا یہ صفت ذاتی ہے یا عطائی؟

(۱۵) اگر عطائی ہے تو کب سے عطاء ہوئی ہے؟ کیا جب سے آپؐ روح مبارک مخلوق فرمائی گئی یا جب سے روح مبارک آپ کے جسم اطہر میں (شکم مادر میں) ڈالی گئی؟ یا دنیا کے بعد؟ اور اگر بعد میں تو کس وقت؟ مدلل ارشاد ہو

(۱۶) دنیا سے پردہ فرماجانے کے بعد آپ کا حاضر ناظر ہونا صرف روح کے اعتبار سے ہے یا صرف جسد اطہر کے لحاظ سے یا دونوں کے لحاظ سے ہے؟ (دنیاوی زندگی کی طرح)

(۱۷) اگر آپ کا حاضر ناظر ہونا صرف روح کے اعتبار سے ہے تو گویا آپ کی روح مبارک آپ کے جسد اطہر میں موجود نہ ہوگی تو پھر اس صورت میں کیا آپ قبر مبارک میں حیات دنیویہ کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ نہیں مانتے؟

(۱) اور اگر صرف جسم اطہر کے لحاظ سے آپ حاضر ناظر ہیں تو آپ کی روح مبارک کہاں قیام پذیر ہوگی؟ کیا آپ کی روح مبارک
کیلئے آپ کے جسم اطہر سے بہتر اور کوئی مقام ہو سکتا ہے؟ ورنہ اس اعتراض کا کیا جواب ہوگا کہ آپ کی روح مبارک
کو پہلے سے گھٹیا اور ادنیٰ مقام پر کیوں رکھا گیا؟ جبکہ آپ کے درجات لمحہ بہ لمحہ ترقی پذیر ہیں نہ کہ تنزل پذیر
(۲) اور اگر روح مع جسم دونوں کے اعتبار سے آپ حاضر ناظر ہیں تو پھر مدینہ منورہ میں آپ کے روضہ مبارک پر حاضری کس لئے؟
نیز تمام مسلمانوں کا قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کا صحابی ہونا لازم آتا ہے کیونکہ صحابی ہونے کیلئے رویت شرط
ہے۔ پھر حضور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ختم ہو جانے کا کیا مطلب!
(۳) حاضر ناظر کا تعلق اگر اعمال سے ہے تو کیا فقہ حنفی کی کتب میں یہ مسئلہ موجود ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو امام محمد رحمہ اللہ ...
فقہ حنفی کی کتب ظاہر الروایت سے منقول ہے یا کتب نوادر سے؟ اور یہ قول مفتی بہ ہے یا نہیں؟
(۴) اور اگر اس کا تعلق عقائد سے ہے تو علم کلام کی کتب میں یہ مسئلہ موجود ہے یا نہیں؟ اشاعرہ اور ماتریدیہ
حضرات کا اس عقیدہ پر اتفاق ہے یا اس میں پھر ان کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے؟ جو صورت ہو مدلل ارشاد فرمائیں۔

(۱۳) ایک بار گوجرانوالہ کے سفر کے دوران ویگن میں احقر نے عرض کیا کہ آج کل میں جمعہ کے خطبات میں یہود و نصاریٰ کی اسلام دشمنی کے متعلق بیان کر رہا ہوں اس سلسلہ میں میری رہنمائی فرمائیں آپ نے یہود و نصاریٰ کی اسلام دشمنی کے متعلق بتانا شروع کر دیا، ابتداء پولس سے کی، فرمایا کہ یہودیت نصرانیت سے زیادہ مضر ہے، نصرانی صحیح عقیدہ کے مطابق دینِ عیسوی پر چل رہے تھے، پولس نے جو کہ یہودی تھا منافقانہ طور پر نصرانیت اختیار کر کے جھوٹے سچے خوابوں اور بشارتوں کو سنا سنا کر عیسائیت کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا۔ یہودیوں نے ہی دورِ رسالت اور دورِ خلافت میں اسلام کو سب سے زیادہ نقصان پہنچایا، شیعیت کا بانی عبداللہ بن سبا منافق یہودی تھا۔ اس کی وجہ سے اسلام میں بڑا رخنہ پڑا، خلیفۂ راشد سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان جنگیں ہوئیں۔

تحکیم کی بات چلی تو خوارج پیدا ہوئے، کچھ آگے چل کر روافض پیدا ہوئے، ابن علقمی جو عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کا وزیر تھا غالی قسم کا شیعہ تھا اسی کے سبب ساتویں صدی ہجری میں دولتِ عباسیہ کا سورج ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔

الغرض حضرت قاری صاحبؒ مرحوم مسلسل گفتگو فرماتے رہے اور پولس کی دسیسہ کاریوں سے لیکر نادر شاہ کی تباہ کاریوں تک تفصیل سے بیان فرمایا۔ میں ایک طرف قاری صاحبؒ مرحوم کے حافظہ پر حیران ہو رہا تھا تو دوسری طرف اپنی معلومات میں اضافہ ہونے پر خوش بھی ہو رہا تھا۔ جب گوجرانوالہ آیا اور ویگن آخری اسٹاپ پر رُکی تو حضرت قاری صاحبؒ کی گفتگو ختم ہوئی۔

(۱۴) ایک دفعہ احقر موٹر سائیکل پر آپ کے ساتھ غالباً شاہ عالم مارکیٹ جا رہا تھا، اثناء سفر میں اصولِ حدیث کی کتابوں کا تذکرہ آ گیا میں نے عرض کیا کہ ایک کتاب اصول حدیث پر "قواعد التحدیث" کے نام سے آئی ہے جو جمال الدین قاسمی صاحب کی تصنیف ہے۔ مجھے یہ صاحب غیر مقلد معلوم ہوتے ہیں اُنہوں نے اس کتاب میں حنفیہ کے پرخچے اڑا کر رکھ دیئے ہیں۔ حضرت قاری صاحبؒ نے فرمایا کہ اپنے فقرہ کی اصلاح کرو یہ کہنے کے بجائے کہ حنفیہ کے پرخچے اُڑا کر رکھ دیئے ہیں یوں کہو کہ حنفیہ کی بہت مخالفت کی ہے۔ پھر فرمایا کہ مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب بھوجیانی مجھے اس کتاب کے مطالعہ کی بہت ترغیب دیا کرتے تھے، شاید اس کی وجہ یہی ہوگی۔

(۱۵) ایک مرتبہ میں نے عرض کیا کہ مجھے بیمہ زندگی کے متعلق بیان کرنا ہے اس سلسلہ میں رہنمائی فرمائیں، آپ نے تفصیل سے بیمہ کے متعلق بیان کیا اور فرمایا کہ بیمہ زندگی کے متعلق ڈاکٹر نور محمد غفاری صاحب کی کتاب "اسلام کا نظامِ کفالتِ عامہ" عمدہ کتاب ہے اس کا مطالعہ کرو۔ احقر نے آپ کے کہنے پر وہ کتاب خرید کر مطالعہ کی تو بہت ہی فائدہ ہوا۔

(۱۶) ایک روز یہ بات چل نکلی کہ مصری علماء کیمرہ سے بنی ہوئی تصویر کے جواز کے قائل ہیں اسی لیے وہ ٹی وی اور وی سی آر کو جائز قرار دیتے ہیں اور وہ دلیل میں یہ کہتے ہیں کہ ٹیلی ویژن اور وی سی آر میں جو تصویر آتی ہے وہ درحقیقت عکس ہوتا ہے تصویر نہیں ہوتی اور شریعت میں ممانعت ہاتھ سے بنی ہوئی تصویر کی ہے نہ کہ عکس کی۔

حضرت قاری صاحبؒ نے فرمایا کہ مصری علماء کی یہ دلیل صحیح نہیں، اس لیے کہ عکس باقی نہیں رہتا چنانچہ مشاہدہ کر کے دیکھ لیجئے شفاف پانی یا شیشہ میں جھانک کر دیکھئے جب تک آپ دیکھتے رہیں گے آپ کا عکس باقی رہے گا جونہی آپ دیکھنا بند کر دیں گے عکس ختم ہو جائے گا جبکہ کیمرہ سے اُتاری جانے والی تصویر نیز ٹی وی، وی سی آر پر آنے والی تصویر جدید ٹیکنالوجی کے ذریعہ محفوظ ہو جاتی ہے ختم نہیں ہوتی لہٰذا اسے تصویر ہی کہا جائیگا عکس نہیں کہا جائے گا، اور شریعت میں یہ تفریق کہیں نہیں ہے کہ ہاتھ سے بنی ہوئی تصویر ناجائز ہے اور کیمرہ سے بنی ہوئی جائز ہے۔ اس لیے ہم ہر قسم کی تصویر کی حرمت کے قائل ہیں چاہے وہ ہاتھ سے بنائی جائے یا کیمرہ سے،

راقم الحروف کو اس موقع پر یاد آتا ہے کہ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ (م: ۱۹۵۲/۱۳۷۲) جب مصر تشریف لے گئے تھے تو وہاں کے علماء نے آپ کے ساتھ تصویر اتروانی چاہی تھی آپ نے انکار کر دیا تھا۔ اس موقع پر حضرت مفتی صاحبؒ اور علماء مصر کے درمیان تصویر کے جواز وعدم جواز پر بحث ہوگئی تھی وہ بحث بھی اسی قسم کی تھی، حضرت مولانا عبدالحق مدنی رحمہ اللہ (م: ۱۹۳۶/۱۳۵۴) نے وہ بحث مفتی صاحب کے اس سفر کے حالات میں ذکر کی ہے۔ حضرت کے حوالے سے وہ یہاں درج کی جاتی ہے۔ مولانا موصوف رقمطراز ہیں:

''واپسی کے وقت کافی تعداد میں علماء اور عمائدین مصر جو پہنچانے

کے لیے تشریف لائے تھے۔ مصر کے عام قاعدہ کے مطابق ان کی خواہش ہوئی کہ پارٹی کا فوٹو لیا جائے۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے منع فرما دیا۔ علماء مصر کا ایک گروہ فوٹو کو جائز قرار دیتا ہے۔ ان حضرات نے بحث شروع کر دی۔ بحث مختصر مگر بہت دلچسپ تھی۔ سوال و جواب کے مختصر جملے اب تک ذہن میں ہیں۔ جہاں تک حافظہ کام کر رہا ہے۔ سوال و جواب کے الفاظ یہ تھے:۔

علماء مصر

التصویر الممنوع انّما ھوالذی یکون بصنع الانسان ومعالجۃ الایدی وھذا لیس کذالک انما ھو عکس الصورۃ

علماء مصر

ممانعت تو صرف اُس تصویر کی ہے جو انسان کے عمل اور ہاتھوں کی کاریگری سے ہو۔ فوٹو میں کچھ نہیں کرنا پڑتا یہ تو صورت کا عکس ہوتا ہے۔

حضرت مفتی صاحب

کیف ینتقل ھذا العکس من الزجاجۃ الی الورق

حضرت مفتی صاحب

یہ عکس کیمرہ لینس سے کاغذ پر کس طرح منتقل ہوتا ہے۔

علماء مصر

بعد عمل کثیر

علماء مصر

بہت کچھ کاریگری کرنی پڑتی ہے۔

حضرت مفتی صاحب

ایّ فرق بین معالجۃ الایدی وصنع الانسان والعمل الکثیر

حضرت مفتی صاحب

انسان کے عمل، ہاتھوں کی کاریگری اور بہت کچھ کاریگری میں کیا فرق ہے۔

علماء مصر

نعم ھو شیءٌ واحدٌ

علماء مصر

کوئی فرق نہیں، صرف الفاظ کا اختلاف ہے۔ مفہوم سب کا ایک ہے۔

حضرت مفتی صاحب	حضرت مفتی صاحب
اذاً حکمھا واحد	لہٰذا حکم بھی سب کا ایک ہے۔

علمائے مصر حضرت مفتی صاحب کی حاضر جوابی سے بے حد متاثر ہوئے اور کچھ ایسے خاموش ہوئے کہ کوئی جواب نہ دے سکے''۔[1]

(۱۷) ایک مرتبہ فرمایا کہ ایک غیر مقلد مولوی صاحب نے مجھ سے کہا کہ سورۂ فاتحہ اور قرآن دونوں الگ الگ ہیں اور امام کے پیچھے قراءت کی ممانعت سے سورۂ فاتحہ کی قراءت کی ممانعت لازم نہیں آتی استدلال میں انہوں نے یہ آیت پڑھی وَلَقَدْ آتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ (سورۃ الحجر پ۱۴) اور ہم نے آپ کو سات آیتیں دیں جو مکرر پڑھی جاتی ہیں، اور قرآن عظیم دیا۔ اور کہنے لگے کہ دیکھئے ''سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ'' سے مراد سورۂ فاتحہ ہے اسے اور قرآن کو واوِ عطف کے ذریعہ بیان کیا گیا ہے اور عطف مغایرت کو چاہتا ہے۔ معلوم ہوا کہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔

میں نے ان کا یہ استدلال سن کر کہا کہ آپ کا استدلال واوِ عطف سے صحیح نہیں اس لیے کہ واؤ ہمیشہ عطف ہی کے لیے نہیں آتا کبھی تفسیر کے لیے بھی آتا ہے اور یہاں یہ واؤ تفسیر ہی کے لیے آیا ہے لہٰذا سورۂ فاتحہ اور قرآن الگ الگ نہ ہوئے۔

(۱۸) فرمایا: ایک دفعہ میں نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ (سورۃ الاحزاب پ۲۱) یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول (کی زندگی) میں ایک عمدہ نمونہ ہے، اور اس کی مثال یہ دی کہ جیسے کوئی شخص درزی کو اچکن وغیرہ سینے کے لیے کپڑا دے اور اس کے ساتھ نمونے کی اچکن بھی دے اور کہے کہ بالکل ایسی سینی ہے لمبائی اسی کے مطابق ہو چوڑائی اسی کے مطابق ہو اب ظاہر ہے کہ اگر درزی بالکل نمونے

---

[1] مفتی اعظم کی یاد ص ۱۴۶

کے مطابق سیئے گا تو وہ اس شخص کو پسند بھی آئے گی اور وہ اسے اُجرت بھی دے گا۔ لیکن اگر درزی اس میں تصرف کر کے اور طرز کی بنا دے تو وہ نہ اسے پسند کرے گا نہ اُجرت دے گا بلکہ مرضی کے مطابق نہ سینے کی وجہ سے کپڑے کی رقم واپس لے لے گا، ایک صاحب کہنے لگے کہ ممکن ہے وہ درزی کا نمونہ ہی اُسے پسند آجائے وہ اسی کو قبول کر لے، میں نے کہا کہ جناب کی بات صحیح ہے یہ ممکن ہے کہ سلوانے والے کو درزی ہی کا نمونہ پسند آجائے، لیکن اس کی وجہ نقصانِ علم ہے کہ اسے پتہ نہیں کہ میرے نمونے سے بہتر نمونہ بھی ہوسکتا ہے، لیکن یہ بات بارگاہِ خداوندی میں نہیں چل سکتی اس لیے کہ وہاں علم کامل ہے انہوں نے جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نمونہ بنا کر بھیجا ہے اُنہیں اس کا پورا پورا علم ہے کہ اس سے بہتر نمونہ کائنات میں ہو ہی نہیں سکتا اس لیے وہاں تو وہی عمل قبول ہوگا جو نبی علیہ السلام کے عمل کے مطابق ہوگا اپنی طرف سے بنایا ہوا عمل وہاں نہیں چلے گا۔

(۱۹) ایک دفعہ آپ کے ایک دوست جناب جواد صاحب نے سوال کیا کہ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دُنیا میں امتحان کے لیے بھیجا تاکہ دیکھا جائے کہ کون اچھے عمل کرتا ہے کون برے عمل کرتا ہے، سوال یہ ہے کہ امتحان تو وہ لیتا ہے جسے پتہ نہ ہو اللہ تعالیٰ کو تو پہلے ہی سے سب کچھ پتہ ہے پھر اُن کے امتحان لینے کا کیا مطلب؟ حضرت قاری صاحبؒ نے فرمایا کہ دیکھئے اُستاذ شاگردوں کا امتحان لیتا ہے، کیا اُستاذ کو اپنے شاگردوں کے بارہ میں پتہ نہیں ہوتا، پتہ ہوتا ہے کون کتنے پانی میں ہے پھر بھی وہ امتحان لیتا ہے، وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس سے اس کی قابلیت اور عدم قابلیت کا لوگوں کے سامنے اظہار مقصود ہوتا ہے تاکہ کل کو کوئی اعتراض نہ کرے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ امتحان لیتے ہیں تاکہ لوگوں کے سامنے آجائے کہ فلاں کامیاب ہوا اور فلاں

ناکام تاکہ کسی کو یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ انصاف نہیں ہوا۔

(۲۰) بریلوی حضرات عموماً مولانا احمد رضا خان صاحب کو رضی اللہ عنہ کہتے اور لکھتے ہیں، ہمارے حلقہ کے ایک صاحب کی بریلوی مکتبہ فکر کے ایک شخص سے یہ بحث ہوگئی کہ رضی اللہ عنہ صرف صحابی کو کہا جاتا ہے اور کسی کو نہیں، وہ بولا کہ صحابی کے علاوہ کو بھی رضی اللہ عنہ کہا جا سکتا ہے میں اپنے مولوی صاحب کو لاؤں گا وہ ثابت کریں گے، دیوبندی مکتبہ فکر کے آدمی نے کہا کہ میں بھی اپنے مولوی صاحب کو لاؤں گا وہ ثابت کریں گے کہ یہ دُعا غیر صحابی کے لیے جائز نہیں، دن طے ہوگیا، بریلوی صاحب اپنے مسلک کے عالم مفتی غلام سرور قادری صاحب کو لے آئے اور دیوبندی صاحب نے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ سابق خطیب مسجد پٹولیاں لوہاری منڈی لاہور سے رجوع کیا۔ مولانا نے فرمایا کہ ٹھیک ہے ساتھ میں مفتی عبدالرشید صاحب کو لے لیا جائے وہ بات کریں گے چنانچہ دونوں حضرات مقررہ جگہ پر پہنچ گئے۔ مفتی غلام سرور قادری صاحب وہاں پہلے سے موجود تھے انہوں نے حضرت قاری صاحبؒ کو دیکھا تو پریشان ہو گئے کیونکہ انہیں اس سے پہلے حضرت قاری صاحبؒ سے واسطہ پڑ چکا تھا اور وہ قاری صاحبؒ کے سامنے پیش آنے والی اپنی خفت کو تاحال مٹا نہیں سکے تھے، خیر بات چیت شروع ہوئی تو مفتی غلام سرور قادری صاحب نے حوالے دکھانے شروع کر دیئے کہ غیر صحابی کو بھی رضی اللہ عنہ کہا جا سکتا ہے خود علماء دیوبند نے کئی مقامات پر غیر صحابی کو رضی اللہ عنہ کہا ہے، مفتی صاحب بات ختم کر چکے تو حضرت قاری صاحبؒ نے فرمایا: مفتی صاحب آپ خلطِ مبحث کر رہے ہیں، بحث یہ نہیں ہے کہ غیر صحابی کو رضی اللہ عنہ کہا جا سکتا ہے یا نہیں بحث یہ ہے کہ کیا کسی غیر مسلم کو بھی رضی اللہ عنہ کہا جا سکتا ہے؟ اس پر مفتی صاحب بولے کیا مطلب؟ کیا آپ مولانا احمد رضا خان صاحب کو

مسلمان نہیں سمجھتے؟ قاری صاحبؒ نے فرمایا قطع نظر اس کے کہ میں اُنہیں کیا سمجھتا ہوں آپ اُن کی بعض تحریرات دیکھئے یہ تحریرات ایسی ہیں کہ ان کی موجودگی میں وہ مسلمان نہیں رہتے لہٰذا پہلے آپ اُن کا مسلمان ہونا ثابت کریں پھر رضی اللہ عنہ کہیں جب تک اُن کا اسلام ثابت نہیں ہوتا اُنہیں کیسے رضی اللہ عنہ کہا جا سکتا ہے۔ مفتی غلام سرور صاحب، حضرت قاری صاحبؒ کی بات سن کر بوکھلا گئے اور استفسار کرنے لگے کہ مولانا احمد رضا خان صاحب کی کونسی عبارات ہیں جن کی وجہ سے وہ مسلمان نہیں رہتے۔ حضرت قاری صاحبؒ نے تفصیل سے وہ عبارتیں مفتی صاحب کے گوش گزار کیں، مفتی صاحب کو لینے کے دینے پڑ گئے اور کوئی جواب نہ بن پڑا۔

(۲۱) ایک دفعہ آپ نے سبق کے دوران ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: لوگ تقدیر کے مسئلہ کو سمجھنے میں ایک بہت بڑی غلطی کا شکار ہیں وہ یہ کہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تقدیر میں جو کچھ لکھ دیا گیا ہے اُسی کے مطابق دُنیا میں حالات و واقعات کا ظہور ہوتا ہے اس لیے انسان بے بس ہے اور جب انسان مجبور و بے بس ہے تو پھر وہ مجرم کیوں گردانا جاتا ہے اور اُسے اس کے کیئے کی سزا کیوں دی جاتی ہے؟ یہ لوگوں کی غلطی ہے اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم چونکہ ازلی وابدی، تفصیلی اور محیط ہے اس لیے اُنہیں پہلے ہی سے علم ہے کہ عالم میں کیا کیا ہونا ہے، چنانچہ اُنہوں نے اپنی معلومات کو لوحِ محفوظ میں درج فرما دیا ہے اور عالم میں حالات و واقعات کا ظہور اُسی طرح ہو رہا ہے، تو بات یہ ہوئی کہ عالم میں جو کچھ ہونا تھا اُسے اللہ تعالیٰ نے اپنی معلومات کے مطابق لکھا ہے، یہ نہیں کہ عالم میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اُن کے لکھنے کی وجہ سے ہو رہا ہے، اس کو مثال سے یوں سمجھئے کہ ایک شخص کینسر کا مریض ہے ایک سینئر ڈاکٹر اس کا چیک اپ کر کے رپورٹ لکھتا ہے کہ اس

مریض کے مرض کی نوعیت ایسی ہے کہ بس یہ اتنے دن اور زندہ رہے گا اس کے بعد مر جائے گا، چنانچہ وہ مریض اُتنے دن گزار کر مر جاتا ہے اس موقع پر کوئی نہیں کہتا کہ چونکہ ڈاکٹر نے لکھ دیا تھا اس لیے یہ مر گیا بلکہ سب یہی کہتے ہیں کہ چونکہ ڈاکٹر اس کی حالت سے واقف تھا اس لیے اُس نے یہ لکھ دیا، اُس کے لکھنے سے یہ نہیں مرا، حضرت قاری صاحبؒ کی یہ بات تقدیر کے مسئلہ کو سمجھنے میں خاصی آسانی پیدا کر دیتی ہے اور اس سے کئی اشکالات دُور ہو جاتے ہیں۔

(۲۲) ایک دفعہ ایک ضعیف الاعتقاد شخص کو بات سمجھاتے ہوئے فرمایا: دیکھو تم جانتے ہو کہ معیاری اور اصلی تالا جو ہوتا ہے وہ اپنی مخصوص چابی سے کھولا جا سکتا ہے اور اس مخصوص چابی کے علاوہ کسی اور چابی سے یہ کام نہیں لیا جا سکتا، لیکن اگر اس معیاری اور اصل تالے کی چابی کے دندانوں میں سے ایک دندانے کو درمیان سے ختم کر دیں یا اس کے اصل دندانوں کے ساتھ ساتھ درمیان میں کوئی اور دندانہ زیادہ کر دیں تو پھر بھی یقیناً وہ تالا نہیں کھولا جا سکے گا، بس یونہی سمجھ لو کہ جنت کا دروازہ بند ہے اور اس کو گویا ایک قسم کا تالا لگا ہوا ہے اس کو کھولنے کے لیے ایمان اور اعمال مسنونہ کے ذریعہ وہ چابی تیار کرنی ہے جس سے وہ تالا کھل سکے لیکن اگر عقائد و نظریات میں فساد ہوگا یا اعمالِ صالحہ مسنونہ جو ہمارے اصلی معیاری اور آخری دین و شریعت کا حصہ ہیں ان میں بدعات شامل ہوں گی تو اصلی دندانوں کے ساتھ زائد دندانے داخل ہو جائیں گے جو جنت کا تالا کھلنے میں رکاوٹ کا سبب بنیں گے۔

(۲۳) ایک دفعہ غیر مقلدین جو اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے ہیں اُن کے متعلق بات چل نکلی تو فرمایا کہ کتاب وسنت میں کہیں بھی اتباعِ حدیث کی دعوت نہیں دی گئی۔ اتباع سنت کی دعوت دی گئی ہے نہ معلوم غیر مقلدین جو

حدیث کی اتباع کی دعوت دیتے ہیں اُس کی بنیاد کیا ہے؟ ایک صاحب بولے کہ حدیث اور سنت دونوں ایک ہی چیز ہیں، فرمایا اوّل تو یہ مسلم نہیں اور اگر تسلیم کر بھی لیا جائے تو سوال یہ ہے کہ یہ حضرات پھر اپنے آپ کو اہل حدیث کیوں کہتے ہیں اہل سنت کیوں نہیں کہتے؟

(۲۴) ایک دفعہ راقم الحروف حضرت قاری صاحبؒ کے ساتھ عصر کی نماز کے بعد سیر کر کے واپس آ رہا تھا کہ مزنگ کے قریب ایک عیسائی ملا جو انجیل کے بارہ میں پمفلٹ تقسیم کر رہا تھا اس نے ایک پمفلٹ حضرت قاری صاحبؒ کو بھی دیا۔ آپ نے اُس سے فرمایا: بھائی یہ بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے جو انجیل اُتاری تھی وہ تو ایک تھی اور تم دعوت دیتے ہو چار انجیلوں کی، آخر یہ چار انجیلیں کہاں سے آ گئیں اور اِن میں سے کس کو اصلی کہیں اور کس کو جعلی؟ اس کا وہ کوئی جواب نہیں دے سکا اور اپنا سا منہ لیکر رہ گیا۔

(۲۵) ایک دفعہ حضرت قاری صاحبؒ کے سامنے ذکر ہوا کہ اہل بدعت دُرودِ ابراہیمی جو سب سے افضل دُرود ہے اُسے نماز سے باہر پڑھنا جائز نہیں سمجھتے، اُن کا کہنا ہے کہ دُرود ابراہیمی صرف نماز میں پڑھنا چاہیئے، نماز سے باہر نہیں، نماز سے باہر یہ دُرود پڑھنا گناہ ہے کیونکہ اس میں صرف دُرود ہے سلام نہیں۔ چنانچہ مفتی احمد یار خان صاحب گجراتی کے صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خانصاحب گجراتی لکھتے ہیں۔

> ''اور یہ مسئلہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ نماز والا اور دُرودِ ابراہیمی صرف نماز میں پڑھ سکتے ہیں نماز کے علاوہ پڑھنا گناہ اور ناجائز ہے اس لیے کہ اس میں سلام نہیں ہے حالانکہ بحکم قرآنی سلام پڑھنا بھی دُرود شریف کے ساتھ اسی طرح واجب ہے جس طرح دُرود شریف، وہ دُرود شریف ناقص ہے جس میں سلام نہ ہو، دُرود

ابراہیمی نماز میں اس لیے جائز ہے کہ تشہد میں سلام پڑھ لیا گیا وہاں آیتِ صلوٰۃ پر مکمل عمل ہو گیا، وہابی دیو بندی حضرات چونکہ سلام کے منکر اور دشمن ہیں اس لیے وہ دُرودِ ابراہیمی پڑھنے پر زور دیتے ہیں ان کی دیکھا دیکھی بعض جاہل پیر اپنی حماقت سے دُرودِ ابراہیمی پڑھنے کا حکم لگاتے ہیں مگر قرآن مجید کی آیت پر غور نہیں کرتے''[1]

حضرت قاری صاحبؒ نے فرمایا: اہل بدعت کی یہ بات انتہائی غلط ہے، دُرودِ ابراہیمی جیسے نماز میں پڑھنا جائز ہے ویسے ہی نماز کے باہر بھی جائز ہے، باقی رہا اُن کا یہ کہنا کہ اس میں سلام نہیں ہے تو یہ بھی غلط ہے۔ اس لیے کہ دُرودِ ابراہیمی میں گو سلام کا ذکر صراحتاً نہیں ہے لیکن ضمناً اس میں سلام موجود ہے۔ کیونکہ اس میں صلوٰۃ کے ساتھ برکت کا ذکر آیا ہے اور برکت کو سلامتی لازم ہے جہاں برکت ہوگی سلامتی لازماً ہوگی یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ برکت ہو اور سلامتی نہ ہو اور دُرود میں سلام سے مراد بھی سلامتی ہی ہے۔ اس لحاظ سے دُرودِ ابراہیمی صلوٰۃ و سلام اور برکت تینوں کو جامع ہوا اسی لیے محدثین نے اسے افضل دُرود قرار دیا ہے[2] اہل بدعت کا اِس دُرود کے نماز سے باہر پڑھنے کو ناجائز اور گناہ بتلانا بہت بڑی جسارت، بے ادبی اور گستاخی ہے۔

تصنیف و تالیف:

حضرت قاری صاحبؒ کو زمانۂ طالب علمی ہی سے لکھنے لکھانے کا شوق تھا، چنانچہ آپ نے دورِ طالب علمی ہی میں بہت سے مضامین لکھے جو ماہنامہ

---

[1] تفسیر نعیمی پارہ ۱۶ ص ۱۱۰۔ [2] شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں ''امام نوویؒ نے اپنی کتاب روضہ میں تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ قسم کھا بیٹھے کہ میں سب سے افضل دُرود پڑھوں گا تو اس دُرود کے پڑھنے سے قسم پوری ہو جائے گی۔ حصن حصین کے حاشیہ پر حرزِ ثمین سے نقل کیا ہے کہ یہ دُرود شریف سب سے زیادہ صحیح ہے اور سب سے زیادہ افضل ہے نماز میں اور بغیر نماز کے اسی کا اہتمام کرنا چاہیے'' فضائل دُرود شریف ص ۳۷ طبع مکتبہ مدنیہ، لاہور۔

"**انوار مدینہ**" میں شائع ہوتے رہے، بعد میں یہ ذوق بڑھتا گیا اور انتہائی مصروفیات کے باوجود آپ نے بہت سے بلند پایہ مضامین لکھے جو سہ ماہی مجلّہ "**منہاج**" اور "**فیضان مدینہ**" میں شائع ہوئے، اہلِ بدعت کے خلاف جو کتابیں آپ نے شائع کی تھیں اُن میں سے بعض کتب پر نہایت وقیع مقدمات تحریر فرمائے، چند مقدمات کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) "الشہاب الثاقب علی المسترق الکاذب" کا مقدمہ جو ۱۵۶ صفحات پر مشتمل ہے، اس میں آپ نے پروفیسر مسعود احمد صاحب بریلوی کی کتاب "فاضل بریلوی علماء حجاز کی نظر میں" کے حصہء استدراک میں حضرت مدنی رحمہ اللہ پر کئے جانے والے اعتراضات کا جائزہ لیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ مقدمہ بجائے خود ایک کتاب ہے جس کی اہمیت کا اندازہ اس کے مطالعہ ہی سے ہوسکتا ہے، حضرت قاری صاحبؒ نے جب "الشہاب الثاقب" اپنے مقدمہ کے ساتھ انجمن ارشادالمسلمین کی جانب سے شائع کی تو حکیم محمد موسیٰ امرتسری صاحب کی معرفت پروفیسر صاحب کو بھیجی، موصوف نے کتاب کی وصولی کا خط لکھا، اس خط میں موصوف رقمطراز ہیں۔

مکرمی زید مجدکم - السلام علیکم وعلیٰ من لدیکم - محترم حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی وساطت سے مرسلہ تحفہ نظر نواز ہوا، عنایت وکرم کا ممنون ہوں، تعریف آسان ہے تنقید مشکل، اسی لیے فقیر تنقید کرنے والوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے، ممنون ہوں کہ آپ نے فقیر کی تحریر کو تنقید کے لائق سمجھا، محنت فرمائی اور ۱۵۷ صفحات پر مشتمل طویل مقدمہ لکھ کر اہتمام سے شائع کیا۔ جزاکم اللہ"[۱]

یہ ۱۹۷۹ء کی بات ہے اب ۲۰۰۲ء ختم ہونے کو ہے اُس وقت سے اب تک

[۱] مرقومہ خط از پروفیسر مسعود، ۷/اکتوبر ۱۹۷۹ء موصوف کا یہ خط ہمارے پاس محفوظ ہے۔

ہماری معلومات کے مطابق اس مقدمہ کا جواب نہ پروفیسر صاحب نے لکھا اور نہ ان کی جماعت کے کسی اور فرد نے اور نہ آئندہ اس کی کوئی توقع ہے۔

(۲) ''رسائل چاند پوری جلد اوّل'' کا مقدمہ جو ۷۵ صفحات پر مشتمل ہے۔

(۳) ''حفظ الایمان عن الزیغ والطغیان'' کا مقدمہ جو ۶۳ صفحات پر مشتمل ہے، اس میں آپ نے ''حفظ الایمان'' کی عبارت پر احمد رضا خان صاحب کے فتوائے کفر اور اُس کے جواب میں علماء دیوبند کی طرف سے کی جانے والی گرفت کا تذکرہ کیا ہے، نیز بڑی وضاحت کے ساتھ یہ بھی ثابت کیا ہے کہ ''حفظ الایمان'' میں جو موقف حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنایا ہے اس کی تائید تو خود احمد رضا خان صاحب کی تحریرات سے ہوتی ہے، گویا دونوں کا ایک ہی موقف ہے، پھر حضرت تھانویؒ پر کفر کا فتویٰ کیوں عائد کیا جاتا ہے؟ آخر میں آپ نے رضا خانی تہذیب کے کچھ نمونے ذکر کیے ہیں اور اس کے بعد اتحاد کی ایک فیصلہ کن تجویز پیش کر کے اس کا متوقع انجام ذکر کیا ہے۔

مذکورہ مقدمات کے علاوہ ''فصل الخطاب فی تحقیق مسئلة الغراب'' ''الدلائل القاهرة علی الکفرة النیاشرة'' پر بھی مقدمات لکھے ہیں۔

مذکورہ مقدمات و مقالات کے علاوہ درج ذیل کتب حضرت قاری صاحبؒ کی یادگار ہیں۔

(۱) تحریک پاکستان اور بریلویوں کا کردار

(۲) آئینۂ بریلویت

(۳) فاضل بریلوی کا حافظہ

(۴) مروجہ محفل میلاد

(۵) حضرت شیخ الہندؒ اور فاضل بریلوی کے ترجمۂ قرآن کا تقابلی جائزہ

بہت سے اہم عنوانات پر آپ نے لکھنا شروع کیا تھا لیکن اچانک وفات کی وجہ سے یہ سب عنوانات تشنۂ تکمیل رہ گئے، ان میں خصوصیت کے ساتھ، تحذیر الناس کی شرح اور خیر آبادی خاندان سے متعلق تفصیلی مضمون قابل ذکر ہیں۔

یہاں اس بات کا تذکرہ بھی ضروری ہے کہ حضرت قاری صاحب مرحوم اپنی اکثر تحریرات کو اپنے اصلی نام کے بجائے انوار احمد کے قلمی نام سے شائع فرماتے تھے۔

پیچھے یہ بات گزر چکی ہے کہ حضرت قاری صاحب مرحوم کو اکابر و اسلاف کی کتب کی اشاعت کا بڑا اہتمام تھا، اس سلسلہ میں آپ فرمایا کرتے تھے کہ نئی کتابیں لکھنے کے بجائے اکابر جو اپنا قلمی سرمایہ چھوڑ گئے ہیں اُس سے فائدہ اُٹھانا چاہیئے، چنانچہ آپ اکابر کی نایاب کتابوں کی جستجو میں رہتے تھے اور اگر آپ کے علم میں آتا کہ فلاں جگہ اکابر میں سے کسی کی فلاں کتاب موجود ہے تو اس کے حصول کی ہر ممکن کوشش کرتے۔ بسا اوقات آپ کو خاص اس مقصد کے لیے سفر بھی کرنا پڑتا۔ راقم الحروف نے حضرت قاری صاحبؒ کے ساتھ اس مقصد کے لیے دو سفر کیے۔ ایک گوجرانوالہ کا، اس میں آپ حضرت قاضی شمس الدین صاحبؒ کے گھر بھی تشریف لے گئے، اور ناچیز کو اس بہانے حضرت قاضی صاحب کی زیارت ہوگئی۔ دوسرا سفر کراچی کا، اس سفر میں آپ سکھر اور حیدر آباد بھی تشریف لے گئے اس سفر میں ناچیز نے پروفیسر ایوب قادری، حضرت مولانا عبدالرشید نعمانیؒ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی پہلی بار زیارت کی۔ اسی سفر میں سعید آباد سندھ پیر جھنڈا کے کتب خانہ بھی جانا ہوا اور وہاں پیر محب اللہ شاہ صاحب سے ملاقات ہوئی۔ یہ سفر مارچ ۱۹۸۱ء میں ہوا۔ اِن اسفار سے حضرت قاری صاحب مرحوم کو خاطر خواہ فائدہ ہوا اور آپ نے اکابر کی بہت سی نادر و نایاب کتب اکٹھی کر لیں، اس کے علاوہ آپ نے اپنے رفیق کار جناب انوار احمد صاحبؒ کے ساتھ مل کر ''مکتبہ مدنیہ'' قائم کیا۔ نیز حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب رحمۃ

اللہ اور حضرت سیّد نفیس الحسینی شاہ صاحب دامت برکاتھم کے ایماء پر ''دارالمعارف النعمانیہ'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا، جس کا ہدف اکابر احناف کثر اللہ سوادھم کی کتب کی اشاعت تھا، چنانچہ اس ادارہ سے چند بڑی عظیم کتب شائع ہوئیں، مثلاً کتابُ الحجۃ علیٰ اھل المدینۃ'' چار جلد ''الجامع الصغیر'' ''زیادات الزیادات'' ''شرح المقاصد'' وغیرہ غیرہ۔

اوصاف وکمالات خصوصیات وامتیازات

شعر و سخن:- حضرت قاری صاحبؒ کو قدرت کی طرف سے ذوقِ شعر و سخن بھی عطا ہوا تھا، چنانچہ آپ کو عربی، فارسی اور اردو زبان کے سینکڑوں اشعار زبانی یاد تھے، علامہ شاطبی رحمۃ اللہ کی ''حرز الامانی'' اور ''معلقاتِ سبعہ'' کے اشعار نوک زبان تھے، تقریر وتحریر میں موقع بہ موقع اشعار استعمال فرماتے تھے، کبھی ایسا ہوتا کہ محفل میں آپ کسی بات پر برجستہ شعر پڑھتے تو محفل کشت زار بن جاتی آپ کی بیاض میں کچھ قصائد عربی زبان میں لکھے ہوئے ہیں لیکن وہ انتہائی ابتدائی دور کے ہیں، بعد میں کثرتِ کار کی وجہ سے اس طرف توجہ نہیں فرما سکے، ذیل میں چند اشعار عربی فارسی اور اُردو کے پیش کئے جاتے ہیں جو حضرت قاری صاحبؒ گاہے بگاہے دورانِ سبق وغیرہ سنایا کرتے تھے۔

عربی اشعار

قفا نبک من ذکری حبیبٍ و منزلِ - بسقط اللِّوی بین الدخول فحوملِ

فتوضح فالمقراۃ لم یعف رسمھا - لما نسجتھا من جنوب و شَمْاَلِ

بالائمی کُفِّ الملامَ عن الذی - اضناہ طولُ سقامہٖ وشقائہٖ

مضت الدھورُ وما اتین بمثلہٖ - ولقد اَتٰی فعجزن عن نُظَرائہٖ

رضینا قسمۃَ الجبار فینا - لنا علم و للجھال مالٌ

ان المال یفنٰی عن قریب - وان العلم یبقٰی لایزالٌ

شکوتُ الی وکیعٍ سُوْءَ حفظی - فارشدنی الی ترک المعاصی

فان العلم نوز من الٰہٖ - ونور اللّٰہ لایعطٰی لعاصی

ومن یحمد الدینا لعیشٍ یسرہ - فسوف لعمری عن قلیل یلومُھا

اذا ادبرتْ كانت على المرء حسرة - وان اقبلت كانت كثيرًا همومُها

هى الدنيا اقل من القليل - وعا شقها اذل من الذليل

تصم بسحرها قوما و تعمى - فهم متحيرون بلا دليل

اَلاَقَارِبُ كالعقارب فى اذاهم - فلا تغتر بعمٍ اَوْبخالٍ

فكم عمٍ يكون الغم منهم - وكم خالٍ عن الخيرات خالٍ

كم عاقلٍ عاقلٍ اعيت مذاهبهٗ - وجاهلٍ جاهلٍ تلقاه مرزوقا

هذا الذى ترک الاوهام حائرةً - وَصَيَّر العالِمَ النحريرَ زنديقا

تعصى الاله وانت تظهر حُبَّهٗ - هذالعمرى فى الفعال بديع

لوكان حبک صادقا لاطعتهٗ - ان المحب لمن يحبٍ مطيع

علىَّ ثياب لو يباع جميعها بفلس - لكان الفلس منهن اكثرا

وفيهن نفس لويقاس ببعضها - جميعَ الورى لكانت اجلَّ واكبرا

انت الذى وَلَدَتْکَ امک باكيا - والناس حولک يضحكون سرورًا

فاحرص على عملٍ تكون اذابكوا - متبشرًا ضاكحاً مسرورًا

يظن الناس بى خيرًا وانى - لشرُّالناس ان لم يعف عنى

عين الرضاعن كل عيب كليلة - ولكن عين السخط تبدى المساويا

احب الصالحين ولستُ منهم - لعل اللّٰه يرزقنى صلاحًا

وفى كل شيئى له آية - تدل على انه واحدٌ

وماكان قيس هلكه هلک واحد - ولكنه بنيان قوم تهدَّما

اريد وصاله ويريد هجرى - فاترک مااريد لما يريد

فلما تفرقنا كانّى ومالک - لطول اجتماعٍ لم نبت ليلةً معا

صُبَّتْ عَلَىَّ مصائب لو اَنَّها صُبَّتْ - على الايام صرن لَيَالِيَا

ماكل مايتمنى المرءُ يدركه - تجرى الرياح بمالا تشتهى السُّفُنُ

اذا اشتدت بک البلویٰ ففکرفی الم نشرح - فعسرٌ بین یسرین اذا فکّرتَهٗ فافرَحْ

من لم یمت بالسیف مات بغیرہٖ - تعددت الاسباب والموت واحدٗ

ان الذین ترونهم اخوانکم - یشفی غلول صدورهم ان تصرعوا

جری قلم القضاء بمایکون - فسِیَّانِ التحرکُ والسکونُ

جنون منک ان تسعی لرزقٍ - ویرزق فی غشاوتہٖ جنینٗ

نهارک یامغرور سهووغفلة - ولیلک نوم والردی لک لازم

یغرک مَایَفنٰی وتفرح بالمنٰی - کما غَرَّ باللذات فی النوم حالم

وشغلک فیما تکره غبه - کذالک فی الدنیا تعیش البهائم

اتانی هواها قبل ان اعرف الهوٰی - فصادف قلبا خالیا فتمکّنَا

ارسطومات مدقوقًا ضئیلًا - وافلاطونُ مفلوجًا ضعیفًا

مَضٰی بقراطُ مسلولًا ذلیلًا - وجالینوسُ مطبوخًا نحیفًا

اذا کان الغراب دِلِّیلَ قوم - سیهدیهم طریق الهالکینا

کیف الوصال الی سعدٰی ودونها - قلل الجبال و بینهن حتوفٗ

ذهب الذین یعاش فی اکنافهم - بقی الذین حیاتهم لاتنفع

فارسی اشعار

عشق بامردہ نہ باشد پائیدار - عشق را باحیی و قیوم دار

عشق ہائے کزپئے رنگے بود - عشق نہ بود عاقبت ننگے بود

عاشقی بامردگاں پائندہ نیست - زانکہ مردہ سُوئے ما آئندہ نیست

سبحہ برکف توبہ برلب دل پُراز ذوقِ گناہ - معصیت راخندہ می آید بر استغفار ما

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش - من بہ انداز قدت رامی شناسم

شنیدم کے مردانِ راہِ خدا - دلِ دشمناں ہم نہ کروند تنگ

تراکہ میسر شود ایں مقام - کہ باد وستانت خلاف واست و جنگ
موحد چہ بر پائے ریزی زرش - چہ فولادِ ہندی نہی برسرش
اُمیدو ہراسش نباشد زکس - ہمیں است بنیادِ توحید بس
لنگے کہ زیرو لنگے کہ بالا - نے غمِ دزدو نے غمِ کالا
درکفے جام شریعت ودر کفے سندانِ عشق - ہر ہوسناکے نداند بام وسنداں باختن
قال را بگزارو مردِ حال شو - پیشِ مردِ کاملے پامال شو
یابم اُورا یا نیابم جستجوئے میکنم - حاصل آید یا نیاید آرزوئے میکنم
فراق ووصل چہ خواہی رضائے دوست طلب - کہ حیف باشد ازو غیر او تمنائے
کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر - گرچہ ماند درنوشتن شیرو شیر
اندرونِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہ - بازمی گوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش
نہ گل ام نہ برگ سبزام نہ درخت سایہ دارم - در حیرتم کہ دھقاں بچہ کار کشت مار
برو دام بر مرغِ دگر نہ - کہ عنقارا بلند است آشیانہ
الا یاایھا الساقی اَدِرْ کاَساو ناولھا - کہ عشق آساں نمود اوّل ولے افتاد مشکلھا
تہی دستانِ قسمت را چہ سود - کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را
سپردم بتو مایۂ خویش را - تو دِانی حسابِ کم و بیش را
باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست - در باغ لالہ روید و درشور بوم خس
خلاف پیمبر کسے رہ گزید - کہ ہر گز بمنزل نہ خواہد رسید
صفِ پائیں نشستہ خاقانی - نہ مرا ننگ نے ترا ادب است
قل ھو اللہ کہ وصفِ خالقِ ما است - زیرِ تَبَّتْ یَدَا ابی لھب است
درسخن مخفی منم چوں بوئے گل دربرگِ گل - ہر کہ دیدن میل دارد درسخن بیند مرا
ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق - ثبت است برجریدۂ عالم دوامِ ما
ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم - ازما بجز حکایتِ مہرو وفا مپرس

گریز از طرزِ جمہوری غلامِ پختہ کارے شو - کہ از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانی نمی آید

جعفر از بنگال و صادق از دکن - ننگِ آدم ننگِ دیں ننگِ وطن

در محفلِ خود راہ مدہ ہمچو منے را - افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را

چار چیز است تحفۂ لندن خمر و خنزیر و روزنامہ و زن

اُردو اشعار

منزل کی جستجو میں کیوں رو رہا ہے راہی — اتنا عظیم ہو جا کہ منزل تجھے پکارے

گرتے ہیں شہسوار ہی میدان جنگ میں — وہ طفل کیا گرے جو گھٹنوں کے بل چلے

محبت مجھے ان نوجوانوں سے ہے — ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

میرے حسنِ عمل سے معصیت بھی عار کرتی ہے — میری توبہ پہ توبہ بھی توبہ استغفار کرتی ہے

میں نے توبہ کی توبہ کی پھر توبہ کر کے توڑ دی — میری اس توبہ پہ توبہ بھی توبہ توبہ کر اُٹھی

مے میری توبہ شکن توبہ میری جام شکن — سامنے میرے ڈھیر ہیں ٹوٹے ہوئے پیمانوں کے

جب لگے چیونٹی کے پر کہنے لگی ہوا میں اُڑ کر — میں بھی مثلِ سلیماں ہوں ہوا میں کئی دن سے

سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا افسانہ کیا — کہتی ہے تجھے خلقِ خدا غائبانہ کیا

مریض عشق پہ رحمت خدا کی — مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

ہم نے کانٹوں کو بھی نرمی سے چھوا ہے لیکن — لوگ بے درد ہیں پھولوں کو مسل دیتے ہیں

مشرقی تو سرِ دشمن کو کچل دیتے ہیں — مغربی اس کی طبیعت کو بدل دیتے ہیں

ناز کیا اس پہ کہ بدلا ہے زمانہ نے تجھے — مرد وہ ہیں جو زمانہ کو بدل دیتے ہیں

جو روٹھے ہو تو آؤ شبِ وصل یوں بسر کر لیں — تم اپنا منہ اُدھر کر لو ہم اپنا منہ اِدھر کر لیں

نبھے گا کس طرح یاربّ ہم دونوں کا یارانہ — میری صورت فقیرانہ مزاج اُن کا ہے شاہانہ

پہلے تھے آپ، آپ سے تم، تم سے تو ہوئے — ربط آپ سے بڑھایا تو بے آبرو ہوئے

سیہ بختی میں کوئی کسی کا ساتھ دیتا ہے — کہ تاریکی میں انسان سے جدا سایہ بھی رہتا ہے

اتنی نہ بڑھا پاکیِٔ داماں کی حکایت — دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

حوادث سے اُلجھ کر مسکرانا میری فطرت ہے — مجھے ناکامیوں پر اشک بہانا نہیں آتا

ہزار دام سے نکلا ہوں اک جنبش میں — جسے غرور ہو آئے کرے شکار مجھے

تجھے غیروں سے کب فرصت ہم اپنے غم سے کب خالی — چلو بس ہو چکا ملنا نہ تم خالی نہ ہم خالی

کر دیا چپ حادثاتِ دہر نے — ورنہ تھی ہم میں بھی گویائی بہت

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش — میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

چمن میں تلخ نوائی مری گوارا کر — کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ تریاقی

لے نام آرزو کا تو دل کو نکال دیں — مومن نہ ہوں جو ربط رکھیں بدعتی سے ہم

ٹھانی تھی دل میں اب نہ ملیں گے کسی سے ہم — پر کیا کریں کہ ہو گئے ناچار جی سے ہم

تجلی بہ آغوشِ ظلمات ہوگی — وہیں دن بھی ہوگا جہاں رات ہوگی

خرابیِ قلب و نظر بھی گوارا — خوشی ہے یہ تم سے ملاقات ہوگی

جفا تم کرو گے نہ ترکِ وفا ہم — نہ وہ بات ہوگی نہ یہ بات ہوگی

تلاشِ سحر ہے تو پھر پوچھنا کیا — کہاں دن ڈھلے گا کہاں رات ہوگی

لیجیو، دوڑیو، پہنائیو زنجیر اِسے — میرے قابو سے رفیقو دلِ ناداں نکلا

تمناؤں میں اُلجھایا گیا ہوں — کھلونے دے کے بہلایا گیا ہوں

قبر کو کیوں نہ جاؤں منہ چھپائے — بھری محفل سے اُٹھوایا گیا ہوں

کوئی مہمانِ ناخواندہ نہ سمجھے — بصد اصرار بلوایا گیا ہوں

ضروری تو نہیں کہ کہہ دیں لبوں سے داستاں اپنی — زباں اک اور بھی ہوتی ہے اظہارِ تمنا کی

تری رنجش کھلی طرزِ بیاں سے — نہ تھی دل میں تو کیوں نکلی زباں سے

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے — یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو — دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

عصیاں سے کبھی ہم نے کنارا نہ کیا — اور تو نے دل آزردہ ہمارا نہ کیا

ہم نے تو جہنم کی بہت کی تدبیر لیکن تیری رحمت نے گوارا نہ کیا

اجازت ہو تو میں بھی آ کے شامل ان میں ہو جاؤں سنا ہے کل تیرے در پر ہجومِ عاشقاں ہوگا

اے میرے ہم دم تو ہم سے جب جدا ہوگا ہم دم سے جدا ہونگے دم ہم سے جدا ہوگا

دل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

واعظ کا ہر اک ارشاد بجا تقریر بہت دلچسپ مگر
آنکھوں میں سرورِ عشق نہیں چہرہ پہ یقیں کا نور نہیں

دوستوں سے اس قدر صدمے ہوئے ہیں جان پر
دل سے دشمن کی عداوت کا گلہ جاتا رہا

فاتحہ پڑھنے کو آئے قبر آتش پہ نہ یار
دو ہی دن میں پاسِ اُلفت کس قدر جاتا رہا

ہائے کس منہ سے شریکِ بزمِ میخانہ ہوں میں
جس کے ٹکڑے ہو جاتے ہیں وہ پیمانہ ہوں میں

کیا دھرا ہے کتابوں میں بہت لکھ لکھ کے دھو ڈالیں
ہمارے دل پہ نقشِ کالحجر ہے تیرا فرمانا

ٹھوکریں مت کھائیے چلیے سنبھل کر دیکھ کر
چال سب چلتے ہیں لیکن بندہ پرور دیکھ کر

تکلف کی کیا ضرورت جہاں سچی محبت ہو
حلاوت شیرِ مادر میں نہیں ہوتی ہے شکر سے

بت پرستی دینِ احمدی میں کبھی آئی نہیں
اس لیے تصویرِ جاناں ہم نے کھچوائی نہیں

ایک سے جب دو ہوئے وہ لطفِ یکتائی نہیں
اس لیے تصویرِ جاناں ہم نے کھچوائی نہیں

وہ پردہ دار ہے پردہ سے باہر کبھی آئی نہیں
اس لیے تصویر جاناں ہم نے کھچوائی نہیں
مانگتا ہے زر مصور گھر میں اک پائی نہیں
اس لیے تصویر جاناں ہم نے کھچوائی نہیں

مکتب عشق کا انداز نرالا دیکھا
اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

کیسی گلی رقیب کی کیا طعنِ اقربا
تیرا ہی دل نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

خنجر ہاتھ میں ہے وہ تن کے بیٹھے ہیں
کسی سے آج بگڑی ہے تو یوں بن کے بیٹھے ہیں

کچھ وہ تنے تنے رہے کچھ ہم کھچے کھچے رہے
اسی کشمکش میں ٹوٹ گیا رشتہ چاہت کا

مثال سیخ ہیں ہم کروٹیں ہر سو بدلتے ہیں
جو جل اُٹھتا ہے یہ پہلو تو وہ پہلو بدلتے ہیں

میرے دل کے ٹکڑے ہزار ہوئے کوئی یہاں گرا کوئی وہاں گرا
بہتے ہوئے آنسو تھم نہ سکے کوئی یہاں گرا کوئی وہاں گرا

کسی کے ایک آنسو سے ہزاروں دل تڑپتے ہیں - کسی کا عمر بھر رونا یونہی بے کار جاتا ہے

یارانِ تیز گام نے منزل کو جا لیا   ہم محوِ نالۂ جرسِ کارواں رہے

ایام مصیبت کے تو کاٹے نہیں کٹتے   دن عیش کے گھڑیوں میں گزر جاتے ہیں کیسے

ساری دُنیا آپ کی حامی سہی   ہر قدم پہ مجھ کو ناکامی سہی

نیک نام اسلام میں رکھے خدا گرچہ حلقۂ کفر میں بدنامی سہی
مچھلی نے ڈھیل پائی لقمہ پہ شاد ہے صیاد مطمئن ہے کانٹا نگل گئی
تپش پہ تپش ہے جانِ تپاں کے لیے غم پہ غم ہے دلِ ناتواں کے لیے
عمر بھر دوستی کے جو تھے مدعی قبر تک کاندھے اپنے بدلتے رہے

خوش مزاجی اور مزاح:

خوش مزاجی اور ظرافتِ طبع انسان کی زندہ دلی کی علامت ہے، حضرت قاری صاحبؒ گو طلباء میں سخت مشہور تھے لیکن آپ کے پاس بیٹھنے والے اس کی گواہی دیئے بغیر نہیں رہیں گے کہ آپ میں خوش مزاجی اور ظرافت بھی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، آپ کے سنجیدہ مزاج سے رنجیدہ شخص اپنا غم بھول جاتا تھا آپ کی ظرافت اور خوش مزاجی کے چند نمونے ذکر کیئے جاتے ہیں۔

(۱) آپ کا عام مقولہ تھا کہ ''مٹھائی اور دعوت میں تداخل اور ادغام جائز نہیں'' مطلب یہ ہے کہ ہر خوشی کے موقع کی مٹھائی یا دعوت مستقل ہے یہ نہیں ہوگا کہ دو یا زیادہ خوشیوں کو اکٹھا کر کے ایک ہی دفعہ مٹھائی کھلا دی یا ایک ہی دفعہ دعوت کر دی اور چھوٹ گئے۔

(۲) ۱۹۸۳ء کی بات ہے کہ آپ حج پر تشریف لے گئے تو آپ کو وہاں تقریباً تین ساڑھے تین ماہ لگے، اس دوران آپ کی عدم موجودگی میں راقم الحروف کی شادی ہوگئی، راقم نے سارے حالات لکھ کر اپنے ایک قریبی عزیز کمال مصطفیٰ صاحب کے ہاتھ آپ کے پاس ارسال کیئے آپ نے خط کا جواب تحریر فرمایا جس میں خوش طبعی اور ظرافت کے ساتھ مبارک باد دی اور دعوتِ طعام کا مطالبہ رکھا، یہ خط آپ کی ایک حسین یادگار ہے. جی چاہتا ہے کہ تبرکاً اس کا عکس پیش کر دیا جائے۔

(۳) کبھی شادی بیاہ کا تذکرہ ہوتا تو فرماتے شادیاں کم از کم دو ہونی چاہئیں، کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جہاں شادی کرنے کا حکم دیا ہے وہاں ابتدا دو ہی سے فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے فَانْكِحُوْا مَاطَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ الآیہ:۴-۳ تو نکاح کرلو جو اور عورتیں تم کو خوش آویں دو دو، تین تین، چار چار (ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

(۴) ایک طالب علم آپ سے ہمیشہ پاکی ناپاکی کے مسئلے ہی پوچھتے رہتے تھے، کبھی اُن کا تذکرہ آتا تو فرماتے کہ ''یہ صاحب تو بس ناف کے نیچے کے مسائل ہی پوچھتے ہیں''۔

(۵) ایک دفعہ آپ مدرسہ کے کسی اُستاذ کے پاس اُن کی درس گاہ میں تشریف لے گئے وہاں آپ کے ایک شاگرد اُستاذ کو کچھ کھلا پلا رہے تھے، آپ نے مزاحاً یہ شعر پڑھا۔ ؎

گل پھینکے ہیں اوروں کی طرف بلکہ ثمر بھی - اے خانہ براندازِ چمن کچھ تو اِدھر بھی

(۶) ایک دفعہ آپ نے دورانِ سبق فرمایا کہ ہمارے حضرت (مولانا عبدالحکیم صاحب رحمتہ اللہ علیہ) حکمت کا کام بھی کیا کرتے تھے جس کا سب طلباء کو علم تھا۔ ایک بار ایسا ہوا کہ ایک طالب علم جن کی بالکل نئی نئی شادی ہوئی تھی وہ حضرت کو دیکھ کر دوڑتے ہوئے آئے آپ نے دیکھتے ہی فرمایا امساک، امساک، امساک۔

(۷) حضرت قاری صاحب کے مرید و شاگرد اقبال انصاری صاحب لکھتے ہیں۔

''ایک مرتبہ (حضرت قاری صاحبؒ) پاس انفاس کے ذکر کے متعلق بتلا رہے تھے کہ ہر وقت اس پر زور دو، اُٹھتے بیٹھتے، آتے جاتے، ''دست بکار و دل بیار'' والا معاملہ ہو جائے، پھر فرمانے لگے موٹر سائیکل پر کہیں جا رہے ہو تب بھی ذہن اسی طرف ہونا چاہئے

پھر ہنس کر فرمانے لگے کہ کہیں ایسا ذکر میں نہ کھو جانا کہ کہیں کسی میں موٹر سائیکل دے مارو پھر کہو جی میں تو پاس انفاس کا ذکر رہا تھا''۔

(۸) حضرت قاری صاحبؒ کے تلامذہ ومتوسلین آپ کو اکثر ''اُستاذ جی'' کہہ کر مخاطب کرتے تھے کبھی ایسا ہوتا کہ آپ خوشگوار موڈ میں ہوتے اور کوئی کہتا ''اُستاذ جی'' تو بیساختہ فرماتے ''جی شاگرد جی''۔

(۹) ہمارے ایک دوست حضرت قاری صاحبؒ سے جامعہ میں ملے اور عرض کیا کہ بدنظری سے حفاظت کی کیا تدبیر ہوسکتی ہے؟ آپ نے برجستہ جواب دیا کہ ایک شادی اور کرلو۔ وہ بولے کہ حضرت جی یہ معاملہ تو چار شادیاں کرنے کے بعد بھی صحیح ہوتا نظر نہیں آتا۔ فرمایا: ایسا نہیں ہوسکتا، آپ ایک شادی اور کر کے دیکھیں، ہمارے دوست نے عرض کیا کہ حضرت جی شادی کو چھوڑیں کچھ پڑھنے کو بتلادیں۔ فرمایا کہ بدنظری اکثر شیطانی اثر کی بناء پر ہوتی ہے آپ روزانہ ایک تسبیح مُعوَّذتَین (قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ) کی پڑھ لیا کریں، انشاء اللہ یہ شکایت دور ہوجائے گی۔

(۱۰) حضرت قاری صاحبؒ ''مُنڈِی بُوٹی'' استعمال فرمایا کرتے تھے، بارہا ایسا ہوتا کہ آپ گھر تشریف لاتے تو آتے ہی فرماتے کہ ''ارے بھئی مُنڈے کو مُنڈی پلا دو'' اطباء نے منڈی بوٹی کے فوائد میں لکھا ہے کہ یہ دل و دماغ کو قوت دیتی ہے، ذہن و حافظہ کو طاقت دیتی ہے، خون صاف کرتی ہے، معدہ کو قوت دیتی اور بھوک لگاتی ہے۔

حقوق اللہ کی ادائیگی:

آپ صاحب ترتیب تھے، فرائض کے ساتھ نوافل کا بھی اہتمام فرماتے تھے، سفر ہو یا حضر نماز میں کبھی سستی نہیں فرماتے تھے، پانچوں نمازیں باجماعت مسجد میں ادا فرماتے تھے، ہر سال رمضان میں تراویح کے اندر قرآن پاک ۱۰ نے

کا معمول تھا، رمضان کے روزوں کے علاوہ نفلی روزوں کا بھی اہتمام فرماتے تھے جس سال شوال میں آپ کی وفات ہوئی اس سال آپ شوال کے چھ روزے رکھ چکے تھے، زکوٰۃ اہتمام کے ساتھ پورا حساب لگا کر ہر سال ادا کیا کرتے تھے، دو بار حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے، پہلی مرتبہ ۱۹۸۳ء میں حج کے لیے تشریف لے گئے اس سفر میں آپ کے ساتھ آپ کے والد محترم حضرت مولانا مفتی عبدالحمید صاحب مدظلہ، حضرت سیّد نفیس الحسینی شاہ صاحب مدظلہ، چوہدری رفیق احمد صاحب مرحوم اور جناب حیدر علی صاحب مرحوم تھے۔ وسطِ رمضان میں جانا ہوا اور اخیر ذی الحجہ میں واپسی ہوئی۔

دوسری مرتبہ ایسا ہوا کہ آپ یہاں سے جناب پیر حبیب الرحمٰن اشرف صاحب کے ساتھ متحدہ عرب امارات کے سفر پر تشریف لے گئے وہاں سے حرمین شریفین جانا ہوا اور عمرہ کر کے واپس تشریف لائے۔

حقوق العباد کی ادائیگی:

شریعت میں جہاں حقوق اللہ کی ادائیگی کی بہت اہمیت ہے وہاں حقوق العباد کی ادائیگی کی اس سے بھی زیادہ اہمیت ہے، اللہ اور اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ نے حقوق العباد کی ادائیگی پر بہت زور دیا ہے اور اُن کے ادا نہ کرنے پر بڑی سخت وعیدیں بیان فرمائی ہیں۔

حقوق العباد میں والدین کے حقوق بیوی بچوں کے حقوق، اعزا و اقرباء کے حقوق، پڑوسیوں کے حقوق، چھوٹے بڑوں کے حقوق، استاذ و شاگرد کے حقوق نیز ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر حقوق سبھی قسم کے حقوق آتے ہیں اور سب سے عہدہ برآ ہونا ضروری ہے۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج کل بے دینوں کے ساتھ ساتھ اچھے بھلے دیندار بھی حقوق العباد کی ادائیگی سے غافل ہیں اور ان میں سخت سے سخت کوتاہیاں کرنے سے بھی نہیں ہچکچاتے۔

حضرت قاری صاحبؒ کی خوبی تھی کہ وہ حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کا بھی خاص خیال رکھتے تھے۔ اپنے والدین کے ساتھ آپ کا جو رویہ تھا اس کی نظیر پیش کرنی مشکل ہے ہم نے خود دیکھا کہ آپ والدین کے ادب واحترام کا پورا پورا خیال فرماتے تھے، کبھی ان کی حکم عدولی نہ فرماتے، سفر وحضر ہر حالت میں ان کی خدمت بجالاتے اور ان کی راحت رسانی کا خیال رکھتے کبھی اُنہیں کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچاتے، والدۂ محترمہ کے انتقال کا آپ پر بے حد اثر ہوا، ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ میں نے حرم شریف میں والدہ کے ایصال ثواب کے لیے کئی لاکھ مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھا ہے۔

بیوی بچوں کے حقوق کا بھی خیال فرماتے ان کی داخلی ضروریات ہوں یا خارجی ہر قسم کی ضروریات کو پورا فرماتے ان کے ادب وتعلیم کا خیال رکھتے، گاہے بگاہے سفر کر کے دور دراز اپنی بہنوں کے گھر تشریف لیجاتے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ قِيْلَ مَاهُنَّ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِذَا لَقِيْتَهٗ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ وَاِذَا دَعَاكَ فَاَجِبْهُ وَاِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْ لَهٗ وَاِذَا عَطِسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ فَشَمِّتْهُ وَاِذَا مَرِضَ فَعُدْهُ وَاِذَا مَاتَ فَاتَّبِعْهُ" [۱]

(ایک) مسلمان کے (دوسرے) مسلمان پر چھ حق ہیں، سوال ہوا کہ یارسول اللہ ﷺ وہ حقوق کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا (۱) جب تم کسی مسلمان بھائی سے ملو تو اُسے سلام کرو (۲) جب وہ تمہیں دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کرو (۳) جب وہ تم سے خیر خواہی چاہے تو اس کے ساتھ خیر خواہی کرو (۴) جب اسے چھینک آئے اور وہ الحمدللہ کہے تو تم یرحمک اللہ کہہ کر اس کا جواب دو (۵) اگر وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کو جاؤ (۶) مر جائے تو اس کے جنازہ کیساتھ جاؤ۔

---

[۱] مسلم ج ۲ ص ۲۱۳

حضرت قاری صاحبؒ کے ساتھ جس نے بھی کچھ وقت گزارا ہوگا اُسے بخوبی اس بات کا اندازہ ہوگا کہ قاری صاحب مرحوم ان حقوق کی ادائیگی میں کس قدر مستعد رہتے تھے اور کس قدر جوش و جذبہ کے ساتھ ان حقوق کو ادا کرتے تھے۔

اپنے مسلمان بھائی کو سلام کرنے میں پہل کرنا خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، اِسی طرح دعوت کو قبول کرنا خواہ کسی درجہ کے آدمی کی طرف سے ہو بشرطیکہ اس دعوت میں منکراتِ شرعیہ نہ ہوں آپ کے لیے ایک معمولی بات تھی، بلا اختلاف مسلک و مشرب ہر مسلمان بھائی کی خیر خواہی کرنا آپ کے مزاج میں داخل تھا، کوئی آپ سے مشورہ چاہتا دینی امور سے متعلق ہو یا دنیوی آپ اسے صائب مشورہ دیتے، دو افراد میں غلط فہمی کی بناء پر لڑائی ہو جاتی تو صلح کرانے میں پیش پیش ہوتے، اگر کسی کو کچھ درکار ہوتا تو اس کے لیے حاضر ہوتے۔

چھینک آنے پر الحمدللہ کہنا اور کسی سے چھینک آنے پر الحمدللہ سن کر یرحمک اللہ کہنے کی عام عادت تھی۔

بیمار و مریض کی عیادت کرنا عام معمول تھا اور اس میں اپنے پرائے کی کوئی تفریق نہ تھی راقم کو اچھی طرح یاد ہے کہ ایک مرتبہ حمید نظامی روڈ کی مسجد حاجی نور احمد کے خطیب قاری قطب الدین جو بریلوی مکتبۂ فکر سے تعلق رکھتے ہیں ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی تو قاری صاحب مرحوم ان کی عیادت کو تشریف لے گئے راقم آپ کے ساتھ تھا۔ اسی طرح غیر مقلدین کے ایک مقتدر عالم مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب کی عیادت کے لیے بھی آپ اُن کے گھر تشریف لے گئے۔

خود احقر کبھی بیمار ہو جاتا اور آپ کو بیماری کا علم ہو جاتا تو سب سے پہلے عیادت کے لیے آنے والوں میں آپ ہی ہوتے، آپ کا یہ سلوک ہر چھوٹے بڑے اور عام و خاص کے ساتھ یکساں تھا۔ آپ کے تلامذہ و متعلقین اس کے شاہد ہیں، حیران کن بات یہ ہے کہ آپ صرف عیادت کرنے ہی پر اکتفا نہ فرماتے تھے

بلکہ اگر ڈاکٹر کے پاس یا ہسپتال جانا ہوتا تو خندہ پیشانی سے بیمار کو ساتھ لیجاتے تھے، ایک بار ایسا ہوا کہ راقم الحروف کا چھوٹا بیٹا علی سخت بیمار ہو گیا مجھے اسے لیکر گوالمنڈی ڈاکٹر افتخار الدین صاحب کی دکان پر جانا تھا سواری کا بندوبست نہ تھا سخت گرمیوں کا موسم اور شدت کی چلچلاتی دھوپ تھی، قاری صاحبؒ بہ اصرار مجھے اپنی موٹر سائیکل پر ساتھ لے کر گئے، واپس گھر لائے پھر مجھے اُردو بازار دکان پر چھوڑ کر اپنے گھر تشریف لے گئے، یہ تو ایک معمولی واقعہ ہے اس قسم کے سینکڑوں واقعات ہیں جو آپ کے متعلقین و مسترشدین نیز اعزا و اقرباء کے ساتھ پیش آتے رہے۔

اگر کوئی مسلمان بھائی فوت ہو جاتا تو انتہائی اہتمام کے ساتھ اس کے جنازے میں شریک ہوتے تھے، اگر کہیں میت کو غسل و کفن دینے کی ضرورت پیش آتی تو اس سے بھی پس و پیش نہ فرماتے تھے، اگر کوئی جنازہ پڑھانے کی درخواست کرتا تو سنت کے مطابق جنازہ پڑھاتے تھے، نماز جنازہ کے بعد دعا ہرگز نہیں مانگتے تھے، بعض اوقات آپ کو اس سلسلہ میں بڑی تکلیفوں کا سامنا بھی کرنا پڑتا تھا جنہیں آپ صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کرتے تھے۔

متعلقین و احباب کو جنازوں میں شرکت کی تاکید فرماتے تھے، ایک مرتبہ راقم الحروف سستی کی وجہ سے ایک بزرگ (حضرت قاری اظہار احمد تھانویؒ) کے جنازے میں شریک نہیں ہوا تو اس پر خفگی کا اظہار فرماتے ہوئے سرزنش فرمائی۔

ایک مرتبہ آپ اپنے تلامذہ کے ساتھ حاجی عاشق صاحب (معین موٹر والوں) کے گھر جانے کے لیے وارث روڈ سے گزر رہے تھے، ایک جگہ دیکھا کہ ایک مردہ بے گور و کفن چارپائی پر پڑا ہے اور کوئی اس کا ولی و وارث نہیں، آپ نے چند احباب کے ساتھ مل کر بغیر کسی کے کہے کہائے خود ہی اسے غسل دیا، تجہیز و تکفین کی جنازگاہ لیجا کر جنازہ پڑھایا اور اُسے دفنا کر گھر تشریف لائے، حالانکہ وہ مردہ شخص محض اجنبی تھا، اس سے کسی قسم کی کوئی جان پہچان نہ

تھی، نہ ہی آپ سے کسی نے اس کی تکفین وتجہیز کے لیے کوئی اصرار کیا تھا، آپ نے محض جذبہ خدمتِ خلق اور حصولِ ثواب کی نیت سے سارا کام کیا، اور اس پر خدا کا شکر ادا کیا کہ ہمارے ہاتھوں ثواب کا یہ کام ہو گیا، کاش کہ اس جذبہ کی تھوڑی سی رمق ہمیں بھی نصیب ہو جاتی، مختصر یہ کہ حقوقِ مسلم کی ادائیگی اور خدمتِ خلق کا جذبہ یہ ایسے امور ہیں جو آپ کی طبیعت اور عادت بن چکے تھے اور آپ سے موقع بہ موقع بلا تکلف ادا ہوتے تھے۔

تقویٰ وطہارت، اخلاص وللّٰہیت:

حدیث شریف میں آتا ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"لَا یَبْلُغُ الْعَبْدُ اَنْ یَّکُوْنَ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ حَتّٰی یَدَعَ مَالَا بَأْسَ بِهٖ حَذَرًا لِمَا بِهِ الْبَأْسُ" [۱]	بندہ متقین کے درجہ تک اُس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ حرج والی چیزوں سے بچنے کے لیے (بہت سی) اُن چیزوں کو نہ چھوڑ دے کہ جن کے کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

قاری صاحب مرحوم کی زندگی پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو یوں نظر آتا ہے کہ آپ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد پر صحیح معنی میں عمل پیرا تھے، بہت سی ایسی چیزیں جو آپ کے لیے شرعاً مباح تھیں آپ نے اُنہیں تقوے کی وجہ سے ترک کر رکھا تھا، چنانچہ نکاح پڑھانے کی کبھی اُجرت نہیں لیتے تھے حالانکہ نکاح پڑھانے کی اُجرت شرعاً جائز ہے، تعویذ کی اُجرت نہیں لیتے تھے حالانکہ شرعاً اس کی گنجائش ہے اپنی مسجد میں ہر سال آپ ہی رمضان المبارک میں تراویح میں قرآن سناتے تھے، متولی مسجد آپ سے کہتے کہ ختم کے لیے شیرینی کا انتظام کرنا ہے چندہ کی اپیل کر دیجئے آپ اس قسم کے چندہ کی اپیل کرنے سے صاف انکار فرما دیتے تھے، ختم قرآن کے موقع پر کبھی بھی کوئی رقم قبول نہیں فرماتے تھے، مسجد و مدرسہ کی چیز کبھی

---

[۱] ابن ماجہ ص ۳۲۱

اپنے ذاتی استعمال میں نہیں لاتے تھے۔

۱۵ ؍شعبان ۱۴۱۲ھ کا قصہ ہے کہ راقم الحروف کا حضرت سیّد نفیس الحسینی شاہ صاحب دامت برکاتھم اور حضرت قاری صاحبؒ کے ساتھ مولانا عبدالرؤف فاروقی صاحب کے مدرسہ میں کامونکی جانا ہوا، شام کو جب ہم کامونکی سے واپس آئے تو میں نے جامعہ کے ایک طالب علم مولوی شاہد جاوید صاحب سے کہا کہ حضرت قاری صاحبؒ کو مدرسہ کی موٹر سائیکل پر اُن کے گھر چھوڑ آؤ، چنانچہ وہ قاری صاحبؒ کو موٹر سائیکل پر بٹھا کر اُن کے گھر لے گئے، مولوی شاہد صاحب نے بتلایا کہ حضرت قاری صاحبؒ نے واپسی پر مجھے دس روپے دیئے کہ یہ مدرسہ کے گلّے میں ڈال دینا میں نے عرض کیا کہ اس کی کیا ضرورت ہے؟ اگر آپ نے مدرسہ کی موٹر سائیکل استعمال کر لی تو کیا ہوا، آپ بھی تو مدرسہ کے اُستاذ ہیں۔ آپ نے فرمایا ''ہم نے مدرسہ کی چیز استعمال کی ہے جو ہمارے لیے بِدُوں معاوضہ درست نہیں، اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت قاری صاحبؒ میں اعلیٰ درجہ کا تقویٰ تھا جس کی مثال موجودہ دور میں مشکل ہی سے مل سکتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ حضرت قاری صاحبؒ اس سلسلہ میں اسلاف واکابر کا نمونہ تھے، تاریخ بتاتی ہے کہ ہمارے اکابر رحمھم اللہ کی زندگیوں میں تقویٰ وطہارت کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے۔

راقم الحروف کو کئی بار فرمایا کہ مدرسہ کے گلے میں گاہے بگاہے کچھ رقم ڈالتے رہا کرو تاکہ مدرسہ کی چیزیں جو کبھی استعمال میں آجاتی ہیں اُن کا بدل ہو جائے۔

اخلاص ولِلّٰہیت کا یہ حال تھا کہ اکثر فرمایا کرتے تھے ''لوگوں سے میل ملاپ اس لیے نہ رکھو کہ ہماری جماعت بڑھے بلکہ یہ نیت رکھو کہ اِن کے عقائد ونظریات درست ہو جائیں اور خدا ورسول صلی اللہ علیہ وسلم اِن سے راضی ہو جائیں'' شاید اِسی اخلاص ولِلّٰہیت کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے کاموں میں برکت دے رکھی تھی اور اُن کو قبولیت سے نوازا تھا، بسا اوقات آپ تن تنہا اتنے بڑے بڑے کام

انجام دے لیتے تھے کہ اُن کا پوری جماعت سے ہونا بھی مشکل نظر آتا تھا۔

۱۹۷۸ء کی بات ہے کہ جب حضرت قاری صاحبؒ نے ''رسائل چاند پوری جلد اوّل'' طبع کی تو راقم الحروف نے ایک خواب دیکھا ایسے لگا کہ جیسے میں دمشق کی جامع مسجد گیا ہوں وہاں حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ آرام فرما رہے ہیں اور اُن کے سرہانے حضرت قاری صاحبؒ کی طبع کردہ ''رسائل چاند پوری'' رکھی ہوئی ہے راقم نے یہ خواب حضرت قاری صاحبؒ کو سنایا آپ نے مسرت کا اظہار فرمایا، ناچیز نے اس سے یہی سمجھا کہ حضرت قاری صاحبؒ کی یہ کاوش اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہے۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

حضرت قاری صاحبؒ کا یہ واقعہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ آپ نے بیس سالہ عرصۂ تدریس میں نہ کبھی تنخواہ کا مطالبہ کیا، نہ کبھی تنخواہ میں اضافہ کی خواہش کا اظہار کیا، آپ کے پاس تنخواہ خود آتی تھی، جب آجاتی جتنی آجاتی اس پر قناعت فرماتے، راقم کے علم میں ہے کہ بہت سے مقامات سے آپ کو بڑی بڑی پیشکشیں ہوئیں لیکن آپ نے یہ کہہ کر ان سب پیشکشوں کو ٹھکرا دیا کہ جس مدرسہ سے میں نے تعلیم حاصل کی ہے جس کا مجھ پر احسان ہے اُسے چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔

حضرت قاری صاحبؒ کا آخری دور انتہائی پر آشوب گزرا ہے، اس میں آپ کو مسجد کی انتظامیہ، نیز مسجد کے ایک شر پسند مدرس اور بریلوی حضرات کی طرف سے سخت تکلیفیں اُٹھانی پڑی ہیں۔ ایک مرتبہ راقم نے آپ کے ان ابتلاءات کو دیکھتے ہوئے عرض کیا کہ حضرت آپ کو تکلیفیں تو یقیناً پیش آرہی ہیں لیکن یہ تکلیفیں آپ کے درجات کی بلندی اور دین میں صلابت کی نشانی ہیں کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

"یُبْتَلَی الرَّجُلُ عَلٰی حَسْبِ دِیْنِہٖ فَاِنْ کَانَ فِیْ دِیْنِہٖ صُلْبًا اِشْتَدَّ بَلَاءُہٗ وَاِنْ کَانَ فِیْ دِیْنِہٖ رِقَّۃٌ اُبْتُلِیَ عَلٰی قَدْرِ دِیْنِہٖ" الحدیث [1]

آدمی کی آزمائش اس کی دینداری کے لحاظ سے ہوتی ہے، اگر اس کے دین میں خوب پختگی ہو تو آزمائش بھی سخت ہوتی ہے اور اگر اس کے دین میں نرمی ہو تو پھر جتنی دینداری ہو اُتنی آزمائش ہوتی ہے۔

آپ نے فرمایا کہ "بھائی یہ تو بڑوں کی باتیں ہیں ہماری کیا حیثیت ہے، ہم کیا اور ہماری دینداری کیا؟"

ایک مرتبہ میں نے عرض کیا بہت جی چاہتا ہے کہ آپ کی کچھ خدمت کریں لیکن حالات کے ہاتھوں مجبور ہیں کچھ کر نہیں سکتے،" فرمایا: تم دین کا جو کام کر رہے ہو بس میں اس سے خوش اور اس پر راضی ہوں، مالی خدمت سے کیا ہوتا ہے، دعا کیا کرو کہ اللہ تعالیٰ دین کی محنت کو قبول فرمالے اور ہمارے لیے صدقۂ جاریہ بنادے"۔

نام و نمود سے نفرت:

نام و نمود، شہرت و جاہ پسندی کو بہت برا جانتے تھے، آپ نے علماء و عوام میں اپنی شناخت کروانے اور اپنی نام وری کی کبھی کوئی کوشش نہیں کی، اخبارات و اشتہارات میں اپنا نام آنا پسند نہیں فرماتے تھے ایک دفعہ کچھ احباب نے آپ سے درس کے لیے وقت لیا اور منع کرنے کے باوجود اخبار میں خبر لگوادی، احتجاجاً آپ نے خود درس دینے سے انکار کر دیا، اور راقم کو اپنی جگہ بھیجا۔

آپ اپنی تصانیف پر اپنا نام نہیں لکھتے تھے۔

ایک مرتبہ راقم نے عرض کیا کہ میں اپنے خواب لکھ لیا کرتا ہوں تاکہ یاد رہیں، آپ نے فرمایا میں تو نہیں لکھتا اور تم بھی نہ لکھا کرو بلکہ جو لکھے ہوں وہ بھی تلف کر دو میں نے عرض کیا کہ بہت سے بزرگوں کا تو معمول تھا کہ وہ خواب لکھ

---

[1] ترمذی ج ۲ ص ۶۵ باب فی الصبر علی البلاء، ابن ماجہ ص ۳۰۰

لیا کرتے تھے، فرمایا بات یہ ہے کہ اُن میں تو اخلاص تھا اور ہم میں اخلاص ہے نہیں، بلکہ ہمیں تو شیطان یہ سبق پڑھائے گا کہ ضرور لکھا کرو تا کہ تمہارے مرنے کے بعد جب لوگ دیکھیں تو خوب تعریف کریں اور خوب واہ واہ ہو، احقر نے یہ سن کر وہ لکھے ہوئے سب خواب تلف کر دیئے۔

ایک مرتبہ فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ کوئی دین کا کام لے لیں تو شیخی نہیں بگھارنی چاہیے اس لیے کہ دین کا کام تو خداوند عالم فاسق و فاجر سے بھی لے لیتے ہیں جیسا کہ حدیث میں آتا ہے "اِنَّ اللّٰہ لیؤید الدین بالرجل الفاسق" آپ اپنے احباب کو بتاکید فرماتے تھے کہ یہ دعا بھی کیا کرو کہ خدا ہمیں فاسق و فاجر نہ بنائے۔

مراء و جدال سے پرہیز:

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمتہ اللہ علیہ (م: ۱۴۰۲/۱۹۸۲) فضائل رمضان میں شبِ قدر سے متعلق ایک حدیث ذکر کر کے اس کے فائدہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

''اس حدیث میں تین مضمون قابل غور ہیں امرِ اوّل جو سب سے اہم ہے وہ جھگڑا ہے جو اس قدر سخت بری چیز ہے کہ اس کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے شب قدر کی تعین اُٹھا لی گئی اور صرف یہی نہیں بلکہ جھگڑا ہمیشہ برکات سے محرومی کا سبب ہوا کرتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تمہیں نماز روزہ صدقہ وغیرہ سب سے افضل چیز بتلاؤں؟ صحابہؓ نے عرض کیا ضرور، حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ آپس کا سلوک سب سے افضل ہے، اور آپس کی لڑائی دین کو مونڈنے والی ہے، یعنی جیسے استرے سے سر کے بال ایک دم صاف ہو جاتے ہیں آپس کی لڑائی سے دین بھی اسی طرح صاف ہو جاتا ہے، دُنیا دار، دین سے بے خبر لوگوں کا کیا ذکر جبکہ بہت سی لمبی لمبی

تسبیحیں پڑھنے والے دین کے دعویدار بھی ہر وقت آپس کی لڑائی
میں مبتلا رہتے ہیں اوّل حضور علیہ السلام کے ارشاد کو غور سے دیکھیں
اور پھر اپنے اس دین کی فکر کریں جس کے گھمنڈ میں صلح کے لیے
جھکنے کی توفیق نہیں ہوتی"۔[۱]

حضرت شیخ رحمہ اللہ کی یہ تحریر آج سے تقریباً ۷۴-۷۵ برس پہلے[۲] کی ہے اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ۷۴-۷۵ برس پہلے لوگوں کی یہ حالت تھی تو اب کیا حال ہوگا؟ معمولی معمولی باتوں پر لڑائی جھگڑا، آپس میں رسہ کشی اس قدر بڑھ چکی ہے کہ حد ہوگئی۔ جس قدر لڑائی جھگڑا اور آپس کے اختلافات بڑھ رہے ہیں اسی قدر دینی انحطاط وتنزل روز افزوں ہے۔

حضرت قاری صاحبؒ کو ہم نے دیکھا کہ آپ نے ذاتی معاملات میں کبھی بھی معمولی سے معمولی لڑائی جھگڑے کو پسند نہیں کیا، حتی الوسع کوشش کی کہ لڑائی جھگڑے کی نوبت نہ آئے اس سلسلہ میں اگر آپ کو اپنا نقصان برداشت کرنا پڑتا تو اس سے بھی گریز نہ فرماتے، نقصان اُٹھا لیتے تھے۔

ایک بار ایسا ہوا کہ آپ اپنی موٹر سائیکل پر گھر جا رہے تھے، ایک جگہ موڑ کاٹتے ہوئے سامنے سے اسکوٹر آیا اور دونوں کی ٹکر ہوگئی۔ یقینی طور پر سکوٹر والے کی غلطی تھی لیکن وہ مُصر ہو گیا کہ میرا جو نقصان ہوا ہے وہ آپ بھریں آپ نے پوچھا کہ کتنا نقصان ہوا ہے اس نے کچھ رقم بتلائی آپ نے جیب میں ہاتھ ڈالا اتفاق سے مطلوبہ رقم نہ نکلی آپ نے فرمایا اس وقت میرے پاس رقم نہیں ہے مجھے آپ اپنا پتہ بتلا دیں میں رقم پہنچا دوں گا اس نے پتہ بتلا دیا آپ حسب وعدہ دوسرے دن مطلوبہ رقم لے کر اس کے دفتر پہنچے رقم دینے لگے تو وہ شخص اُٹھا اور اس نے معذرت کی اور رقم لینے سے انکار کر دیا۔

---

[۱] فضائل رمضان ص ۵۱-۵۲/ [۲] کیونکہ فضائل رمضان کے آخر میں حضرت شیخ نے ۱۳۴۹ھ تاریخ درج فرمائی ہے اس حساب سے ۱۴۲۳ء تک ۷۴ برس بنتے ہیں۔

انارکلی کے ایک تاجر نے اپنی زندگی میں اپنا ایک مکان حضرت قاری صاحبؒ کی تحویل میں دیا اور کہا کہ اسے آپ دینی امور کے لیے استعمال میں لائیں اور آپ کا قبضہ مکمل کرنے کی غرض سے آپ کے نام اس کی رجسٹری بھی کروادی۔ اتفاق ایسا ہوا کہ چند روز بعد تاجر مذکور کا انتقال ہو گیا۔ ان کے انتقال کے بعد ان کی اولاد نے حضرت قاری صاحبؒ سے مکان کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ آپ نے اُن سے اصولی بات کی اور رجسٹری بھی دکھلائی لیکن وہ نہ مانے اور آپ کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے لگے، آپ نے بلا کسی پس و پیش کے مکان کا قبضہ دیدیا اور رجسٹری اُن کے حوالے کر دی۔ دیکھنے کو تو آپ نے یہ ایک مکان واپس کیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ نے ایک بہت بڑی لڑائی اور جھگڑے کو ختم کر کے ایثار کی ایک اعلیٰ روایت قائم کی اور اپنے لیے اللہ کے ہاں اُس اجر کا سامان پیدا کر لیا جو مکان کے ملکیت میں ہونے پر شاید نہ ملتا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔

"مَنْ تَرَکَ الْکَذِبَ وَهُوَ بَاطِلٌ بُنِیَ لَهٗ فِیْ رَبَضِ الْجَنَّةِ وَمَنْ تَرَکَ الْمِرَاءَ وَهُوَ مُحِقٌّ بُنِیَ لَهٗ فِیْ وَسْطِهَا وَمَنْ حَسَّنَ خُلُقَهٗ بُنِیَ لَهٗ فِیْ اَعْلَاهَا"[۱]

- جو شخص جھوٹ بولنا چھوڑ دے اس حال میں کہ وہ جھوٹ ہو بھی ناحق و ناروا تو اس کے لیے جنت کے کنارے پر محل بنایا جائیگا، اور جو شخص لڑائی جھگڑے (بحث و تکرار) کو چھوڑ دے چاہے وہ اس میں حق پر ہی ہو تو اس کے لیے وسطِ جنت میں محل بنایا جائیگا اور جو شخص اپنے اخلاق اچھے کرلے تو اس کے لیے جنت کی بلند جگہ پر محل بنایا جائیگا۔

عفو و درگزر:

حضرت قاری صاحبؒ کو اپنی زندگی میں اپنے اور پرایوں سے سخت تکلیفیں اُٹھانی پڑیں لیکن کبھی آپ نے کسی سے کسی تکلیف کا بدلہ یا انتقام نہیں لیا، بلکہ فرمایا کرتے تھے:

---

[۱] ترمذی ج ۲ ص ۲۰

”مجھے خواہ کوئی کتنی ہی تکلیف پہنچائے میں رات کو سونے سے پہلے
اس کو معاف کر دیتا ہوں اور اس کے لیے استغفار کر کے لیٹتا ہوں“

سخاوت و فیاضی:

دل کا سخی و فیاض ہونا اللہ کی عطا ہے، جسے چاہتے ہیں مرحمت فرماتے ہیں، حضرت قاری صاحب مرحوم کو بھی اس سے وافر حصہ ملا تھا۔ آپ سے ملاقات کے لیے جو بھی آتا اس کی خاطر و تواضع میں کسی قسم کی کمی روا نہ رکھتے۔ آپ کے دستر خوان پر اکثر علماء و طلباء موجود ہوتے، احقر کو کئی روز مسلسل آپ کے گھر کھانا کھانے کا اتفاق ہوا ہے، ملک و بیرون ملک سے علماء آتے تو اُن کی دعوت فرماتے اور بڑی فراخدلی کے ساتھ اخراجات اُٹھاتے، اور اس کو اپنی سعادت سمجھتے اور خوشی کا اظہار فرماتے۔ اکثر طلباء کی ضروریات کا تکفل فرماتے اور خوشدلی سے ان کی ضروریات نقد و اجناس کی صورت میں پوری فرماتے۔

احقر کا جب بھی آپ کے ساتھ سفر پر جانے کا اتفاق ہوتا سفر نزدیک کا ہو یا دور کا کرایہ آپ ہی اپنی جیب سے ادا کرتے، احقر نے بارہا عرض کیا کہ حضرت ہمیں بھی خدمت کا موقع دیں، یہ کہہ کر ٹال دیا کہ خدمت کے اور بہت مواقع ہیں۔ اور اس میں احقر کی کوئی خصوصیت نہیں تھی ہر ایک کے ساتھ سفر میں یہی معمول تھا۔

اس سلسلہ میں آپ شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں بتلایا کرتے تھے کہ ہمارے حضرت مدنیؒ کا یہی معمول تھا، تانگہ کا کرایہ ہو یا ریل کا ٹکٹ اس کی ادائیگی حضرت خود فرمایا کرتے تھے۔

حضرت مدنی رحمہ اللہ کی فیاضی اور خدمت کا تذکرہ مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ نے بڑے دلنشیں انداز میں کیا ہے جی چاہتا ہے کہ اُنہی کی زبانی اسے نقل کر دیا جائے۔ مولانا لکھتے ہیں۔

”دوسروں کو شاید کام لینے میں وہ لطف نہ آتا ہو جو اِن مولانا کو

دوسروں کا کام کر دینے میں آتا ہے، گھر پر آ کر ملئے تو آپ کے لیے کھانا اپنے ہاتھ سے جا کر لائیں، آپ کے لیے بستر بچھا دیں، سفر میں ساتھ ہو جائے تو دوڑ کر آپ کے لیے ٹکٹ لے آئیں، قبل اس کے کہ آپ ٹکٹ گھر کے قریب بھی پہنچ سکیں تانگہ کا کرایہ آپ کی طرف سے ادا کر دیں اور آپ کا ہاتھ اپنی جیب میں پیسہ ٹٹولتا ہی رہ جائے، ریل پر آپ کا بستر کھول کر بچھائیں۔ آپ کے لوٹے میں پانی لے آئیں، آپ کا سامان اپنے ہاتھ سے اُٹھانے لگیں''۔[۱]

تھانہ بھون کے سفر کا تذکرہ کرتے ہوئے موصوف رقمطراز ہیں:۔

''تانگہ خانقاہِ امدادیہ کے دروازہ پر رُکا اور کرایہ مولانا حسین احمد صاحب نے دیا، سہارنپور اسٹیشن پر کھانا بھی تو اُن ہی نے مسلم ہوٹل میں لے جا کر کھلایا تھا، اور دیو بند اسٹیشن پر ٹکٹ بھی تو وہی جھپٹ کر لے آئے تھے اور ہم دونوں سن میں اُن سے کہیں چھوٹے منہ دیکھتے ہی رہ گئے تھے، جس سفر میں وہ ساتھ ہوں چھوٹی اور بڑی ہر قسم کی خدمت گزاری میں کون اُن سے پیش پا سکتا ہے؟'' [۲]

مزید تحریر فرماتے ہیں

''دیو بند جائیے تو مولانا اسٹیشن پر پیشوائی کو موجود، چلنے لگئے تو اسٹیشن تک مشایعت پر آمادہ، کھانا کھانے بیٹھئے تو وہ لوٹا لیے ہاتھ دھلانے کو کھڑے ہوئے، پانی مانگئے تو گلاس لیے خود حاضر، تانگہ کا کرایہ وہ اپنے پاس سے دیدیں، ریل کا ٹکٹ وہ دوڑ کر لے آئیں، ہوٹل میں کھانا کھائیے تو بل وہ خود ادا کر دیں، سفر میں ساتھ ہو تو بستر وہ کھول کر بچھا دیں'' [۳]

حضرت قاری صاحبؒ چونکہ حضرت مدنی رحمہ اللہ کے پرستار و عاشق زار تھے اس لیے حضرت مدنی رحمہ اللہ کے اوصاف کا عکس آپ میں پایا جانا ضروری تھا۔

---

[۱] حکیم الامت ص ۲۲۔ [۲] حکیم الامت ص ۲۳۔ [۳] حکیم الامت ص ۳۶۔

سادگی اور تواضع:

شریعت مقدسہ میں سادگی اور تواضع اختیار کرنے پر بہت زور دیا گیا ہے،

حضرت ابوامامۃ ایاس بن ثعلبۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اَلاَ تَسمَعُوْنَ اَلاَ تَسمَعُوْنَ اِنَّ الْبَذَاذَةَ مِنَ الْاِیْمَانِ، اِنَّ الْبَذَاذَةَ مِنَ الْاِیْمَانِ" ؎۱

کیا سنتے ہو کیا سنتے ہو بلاشبہ سادگی ایمان کا حصہ ہے بلا شبہ سادگی ایمان کا حصہ ہے۔

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ منبر پر خطبہ دے رہے تھے دورانِ خطبہ آپ نے فرمایا:

" یَآاَیُّهَا النَّاسُ تَوَاضَعُوْا فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ فَهُوَ فِیْ نَفْسِهٖ صَغِیْرٌ وَفِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ عَظِیْمٌ وَمَنْ تَکَبَّرَ وَضَعَهُ اللّٰهُ فَهُوَ فِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ صَغِیْرٌ وَفِیْ نَفْسِهٖ کَبِیْرٌ حَتّٰی لَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِمْ مِنْ کَلْبٍ اَوْخِنْزِیْرٍ" ؎۲

لوگو! تواضع اختیار کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے رِفعت عطا فرماتے ہیں ایسا شخص اپنی نظر میں حقیر ہوتا ہے لیکن لوگوں کی نظروں میں عظیم المرتبت ہوتا ہے، اور جو شخص تکبر کرتا ہے اللہ اُسے ذلیل کر دیتے ہیں ایسا شخص لوگوں کی نظروں میں ذلیل و حقیر ہوتا ہے اور اپنی نظر میں بڑا، حتیٰ کہ یہ لوگوں کی نظر میں کتے اور خنزیر سے بھی کمتر ہوتا ہے۔

آنخضرت ﷺ باوجود سرورِ کائنات اور فخرِ موجودات ہونے کے اللہ تعالیٰ کے حضور میں دُعا کیا کرتے تھے:

" اَللّٰهُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّ اَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَةِ الْمَسَاکِیْنِ" ؎۳

اے اللہ مجھے متواضع زندہ رکھ، متواضع موت دے اور متواضع لوگوں میں میرا حشر فرما

؎۱ ابوداؤد ج ۲ ص ۲۱۷ اولہ کتاب الترجل مشکوٰۃ ص ۳۷۵۔ ؎۲ شعب الایمان بیہقی ج ص مشکوٰۃ ص ۴۳۴ ؎۳ شعب الایمان بیہقی ج ص مشکوٰۃ ص ۴۴۷

اِن احادیث مبارکہ کی روشنی میں جب ہم حضرت قاری صاحب مرحوم کی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ آپ باوجود جامع العلوم والفنون، بہترین مدرس، مصنف، متکلم، مناظر، اور فقیہ ہونے کے انتہائی سادگی اور تواضع کے ساتھ زندگی گزارتے تھے، لباس و پوشاک وضع و قطع، چال ڈھال، ہر چیز میں سادگی اور تواضع جھلکتی تھی، بڑائی کا وہاں نام ونشان بھی نہ تھا۔ بغیر استری کئے ہوئے کپڑے پہن لینا، معمولی جوتی وچپل میں گزارا کر لینا، آپ کے لیے معمولی بات تھی، حکیم انیس احمد صاحب صدیقی (فاضل دیوبند) کے صاحبزادہ حافظ انور محمود مرحوم راوی ہیں کہ

> ''میری اور میرے بڑے بھائی حامد صاحب کی شادی میں حضرت مولانا قاری عبدالرشید صاحبؒ مدعو تھے، آپ کی طرف ہر ایک کی نگاہ تھی، اور آپ ہی مہمانِ خصوصی تھے، لیکن سادگی کا یہ عالم تھا کہ بغیر استری کئے ہوئے کپڑے اور پاؤں میں پلاسٹک کی چپلیں پہن رکھی تھیں''۔

آپ کا معمول تھا کہ دوپہر کو مسجد میں قیلولہ کے لیے لیٹتے تھے تو بغیر تکیے کے اور بغیر پنکھا چلائے سوتے تھے۔

اپنے شاگرد اور متعلقین کا تعارف کرانا ہوتا تو فرماتے کہ یہ ہمارے دوست اور ساتھی ہیں، کبھی یہ نہ فرماتے کہ یہ میرے شاگرد یا مرید ہیں۔

راقم الحروف کو بخوبی یاد ہے کہ حضرت قاری صاحبؒ نے جب بھی میرا تعارف کروایا یہ کہہ کر کروایا کہ یہ ہمارے ساتھی ہیں مدرسہ کے اُستاذ ہیں مولانا سیّد حامد میاں صاحبؒ کے داماد ہیں۔ آپ کے اس طرح تعارف کروانے سے اکثر راقم شرم کے مارے سر جھکا لیتا تھا، کئی دفعہ ناچیز نے عرض کیا کہ جناب کے اس طرح تعارف کروانے سے بڑی شرمندگی ہوتی ہے لیکن آپ نے معمول نہیں بدلا اور اسی طرح تعارف کرواتے رہے۔

حضرت مولانا سیّد حامد میاں صاحب رحمہ اللہ کے صاحبزادے مولانا سیّد مسعود میاں صاحب نے یہ واقعہ سنایا کہ ایک دفعہ ہم حضرت قاری صاحبؒ کے ساتھ لاہور سے مولانا ظہور الحق صاحب دامت برکاتھم کے گھر حضرو ضلع اٹک گئے تو سفری تھکان کی وجہ سے قاری صاحبؒ لیٹ گئے ایک شاگرد نے قاری صاحبؒ کے پاؤں دبانے شروع کر دیئے، میرے دل میں خیال آیا کہ مجھے بھی خدمت کرنی چاہیئے یہ سوچ کر پاؤں دبانے کے لیے ہاتھ رکھا ہی تھا کہ آپ نے فوراً منع فرما دیا کہ تم مت دباؤ میں نے عرض کیا کہ وہ بھی تو دبا رہا ہے فرمایا کہ اس کو دبانے دو تم مت دباؤ مولانا مسعود میاں صاحب کہتے ہیں کہ میں تو یہی سمجھا کہ چونکہ حضرت قاری صاحبؒ ابو کے شاگرد ہیں اس لیے اُستاذ زادے سے پاؤں دبوانے کو مناسب نہیں سمجھا۔

آج کل اپنی بات پر اڑے رہنا خواہ وہ بات غلط ہی کیوں نہ ہو اور اپنے قصور کی معافی مانگنے سے ہچکچانا بلکہ اسے محال سمجھنا ایک عام مزاج بن گیا ہے لیکن قاری صاحب مرحوم کی عادت بالکل مختلف تھی اگر ان پر اپنی غلطی واضح ہو جاتی تو اس سے رجوع بھی فرماتے اور اگر کسی کی دل شکنی ہوتی تو معافی مانگنے سے گریز نہ کرتے اور اس میں بڑے چھوٹے کی تخصیص نہ تھی سب کے ساتھ یکساں معاملہ تھا۔

جناب اقبال احمد انصاری صاحب اپنا اسی نوع کا ایک واقعہ تحریر فرماتے ہیں۔

> ''جب ہم نے شروع شروع میں آپ کے پاس جانا شروع کیا تو ایک مرتبہ مجھے اپنی کم علمی کی وجہ سے کسی بات کی سمجھ نہ آئی اور میں حضرت کے پاس کچھ دن نہ گیا۔ ایک دن میں گیا تو آپ نے فرمایا کہ بھئی اقبال تم آتے نہیں ہو آج کل کیا بات ہے؟ ہم سے کوئی غلطی ہو گئی ہے کیا؟ میں نے صاف صاف بات بتلا دی (وہ بات مجھے اب یاد نہیں) حضرت قاری صاحبؒ نے فوراً فرمایا کہ بھئی اگر

میری اس بات سے آپ کو تکلیف ہوئی ہے تو میں معافی چاہتا ہوں آپ مجھے معاف فرما دیں، یہ صورت حال دیکھ کر میں تو زار و قطار رونے لگا آپ نے اپنی اس بات کی کوئی توجیہہ بیان نہ فرمائی، بلکہ وہیں روتے روتے میرا ذہن بالکل صاف ہو گیا اور تمام اعتراض آنسوؤں میں ڈھل گئے"۔

ایک زمانہ تھا کہ قاری صاحب مرحوم کے پاس کہیں آنے جانے کے لیے سواری کے طور پر سائیکل ہوتی تھی، اگر کہیں آنا جانا ہوتا تو اسی پر آتے جاتے تھے، ہمیں اچھی طرح یاد ہے کہ آپ ایک طویل عرصہ تک مدرسہ میں سائیکل ہی پر تشریف لاتے رہے ہیں، کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپ کے ساتھ سائیکل پر کوئی اور بھی رفیق سفر ہوتا تھا، سائیکل کی سواری میں رفاقت کا معمول جناب اقبال صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"جب کہیں سائیکل پر جاتے تھے تو میں پہلے جاتے ہوئے سائیکل چلاتا تھا اور آپ بیٹھتے تھے واپسی پر بھی میری کوشش یہی ہوتی کہ سائیکل میں ہی چلاؤں، تو زبردستی سائیکل خود ہی چلاتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہر کام میں مساوات ہونی چاہیئے"۔

موجودہ دور میں حالات کچھ اس طرح کے بن گئے ہیں کہ اگر کوئی شخص معمولی سا لکھ پڑھ لیتا ہے تو وہ گھریلو کام کاج کرنا اپنے لیے حقارت کا باعث سمجھتا ہے، لیکن اس کے برعکس قاری صاحبؒ سب کچھ ہونے کے باوجود اپنے آپ کو کچھ بھی نہیں سمجھتے تھے، اور گھر کا معمولی سے معمولی کام کرنے میں حقارت تو کیا محسوس کرتے ہچکچاتے بھی نہیں تھے، سبزی منڈی سے سبزی لانی ہو، یا مین بازار ھزنگ سے دھنیا مرچ اور دال چاول لانے ہوں اکثر آپ خود لایا کرتے تھے، گھر کی چار پائی بننے کے لیے بان لے آنا اور پھر خود ہی چار پائی بن لینا آپ کے

لیے معمولی بات تھی مسجد و مکان کی تعمیر میں آپ کو اینٹیں اُٹھاتے، ملبہ چنتے اور مزدور کی طرح ہر کام کرتے ہم نے خود دیکھا ہے، الغرض قاری صاحب مرحوم سادگی اور تواضع خود بھی اپناتے تھے اور تلامذہ و متعلقین کو بھی اسی کی تاکید کرتے تھے، اس سلسلہ میں اکثر اکابر علماء دیوبند بالخصوص حضرت نانوتوی حضرت شیخ الہند رحمہما اللہ کے واقعات سنایا کرتے تھے، جن کو سن کر اکابر سے عقیدت کے ساتھ ساتھ ایک جوش اور ولولہ پیدا ہوتا تھا کہ ہمیں بھی یہ چیزیں اپنانی چاہئیں۔

اعتماد علی اللّٰہ:

حضرت قاری صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر اعتماد و توکل اور تسلیم و رضا کی صفت بھی عطا فرمائی تھی یہی وجہ ہے کہ آپ کے بے شمار مخالفین اور اَعداء موجود تھے جو آپ کو زک پہنچانے کی فکر میں رہتے تھے لیکن اس کے باوجود آپ کسی قسم کی پروا کئے بغیر بے خوف و خطر ہر جگہ آتے جاتے رہتے تھے اور کوئی محافظ ساتھ نہ رکھتے تھے، آپ بہت سے اَنْ ہونے کام اللہ کے بھروسہ پر کر گزرتے تھے جن کا ہونا بظاہر دشوار اور ناممکن نظر آتا تھا، بہت دفعہ ایسا ہوا کہ آپ محض اللہ کے بھروسہ پر خطرات میں کود گئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت فرمائی۔

شاعر کا یہ شعر آپ پر پورا پورا صادق آتا تھا ؎

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق - عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

آپ کے خطرات میں کود پڑنے کا ایک واقعہ یاد آیا اس واقعہ سے آپ کا اللہ کی ذات پر اعتماد و یقین اور آپ کی جرأت و بہادری کا اظہار ہوتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جن ایام میں آپ نے ساتھیوں کے مشورہ سے گھر کے صحن میں اُجاڑ قبروں کو صاف کیا تو اہل بدعت نے اس پر اچھا خاصا ہنگامہ کھڑا کر دیا، ایک روز ایسے ہوا کہ آپ اپنے چند احباب کے ہمراہ مسجد کے باہر کھڑے تھے، آپ نے دیکھا کہ اہل بدعت کا ایک جتھہ مسجد کی طرف آ رہا ہے اور اس کے ارادے خطرناک ہیں،

آپ اِس صورتِ حال سے ذرا بھی نہ گھبرائیے آپ کے ایک دوست نے کہا کہ قاری صاحب آپ اندر چلے جائیں اِن لوگوں کے ارادے اچھے نہیں لگتے، آپ نے انکار کر دیا، اسی پر بس نہیں بلکہ آگے بڑھ کر سڑک کی دوسری طرف تشریف لے گئے اور اس جتھہ سے جا کر فرداً فرداً ملاقات کی، اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے آپ کی خاص مدد فرمائی وہ لوگ آپ سے اس قدر مرعوب ہوئے کہ حد ہوگئی ان کی کچھ سمجھ نہیں آیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ بڑی مشکل سے انہوں نے قاری صاحبؒ کے سامنے اصل بات بدلی اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے اس طرح یہ لوگ اپنے ارادہ میں ناکام ہو کر بغیر کسی چھیڑ چھاڑ کے واپس چلے گئے۔

عملیات و تعویذات

حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ اذکار و اورادِ مسنونہ کے پابند تھے اور اپنے متعلقین کو بھی عموماً وہی اذکار بتلاتے تھے جو کتاب وسنت میں آئے ہیں آپ کی خواہش ہوتی تھی کہ آپ کے متعلقین کتاب وسنت میں آنے والے اذکار و اوراد کو پابندی کے ساتھ پڑھا کریں، آپ نے دورانِ تعلیم ہماری جماعت کو الحمدللہ اورادِ مسنونہ کا پابند بنا دیا تھا۔ دورانِ تعلیم ہی آپ نے ہمیں اس کا بھی پابند بنایا تھا کہ روزانہ صبح وشام کی مسنون دعاؤں کے علاوہ فجر کی نماز کے بعد سورۂ یٰسین، ظہر کی نماز کے بعد سورۂ فتح، عصر کی نماز کے بعد سورۂ نبأ، مغرب کی نماز کے بعد سورۂ واقعہ، عشاء کی نماز کے بعد سورۂ ملک اور جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھا کریں، الحمدللہ اُسی وقت سے ہماری جماعت کے بہت سے احباب کو اِن سورتوں کے پڑھنے کی عادت ہوگئی جو اب تک چلی آ رہی ہے۔

راقم الحروف کو حضرت قاری صاحبؒ نے مغرب کی نماز کے بعد سورۂ واقعہ کے بعد ایک خاص دعاء پڑھنے کی تاکید کی تھی یہ دعاء ناچیز کی نظر سے کتابوں میں نہیں گزری اس لیے ناچیز افادۂ عام کی خاطر ذیل میں درج کر رہا ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ رِزْقِىْ فِى السَّمَآءِ فَاَنْزِلْهُ وَاِنْ كَانَ فِى الْاَرْضِ فَاَخْرِجْهُ وَاِنْ كَانَ بَعِيْدًا فَقَرِّبْهُ اِلَىَّ وَاِنْ كَانَ قَرِيْبًا فَيَسِّرْهُ وَاِنْ كَانَ قَلِيْلًا فَكَثِّرْهُ وَاِنْ كَانَ كَثِيْرًا فَطَيِّبْهُ وَخَلِّدْهُ وَاِنْ كَانَ طَيِّبًا فَبَارِكْ فِيْهِ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۝

اے اللہ اگر میرا رزق آسمان میں ہے تو اسے نیچے اُتار دیجئے اور اگر زمین میں ہے تو اسے نکال دیجئے اگر دور ہے تو قریب کر دیجئے اور اگر قریب ہے تو میسر فرما دیجئے۔ اگر تھوڑا ہے تو زیادہ کر دیجئے اگر زیادہ ہے تو اسے پاکیزہ بنا دیجئے اور ہمیشہ کے لیے جاری فرما دیجئے اور اگر پاکیزہ ہے تو اس میں برکت عطا فرما دیجئے بلاشبہ آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔

حضرت قاری صاحبؒ عموماً اپنے احباب کو ہر نماز کے بعد سورۂ فاتحہ، آیت الکرسی ایک ایک بار اور چاروں قل تین تین بار پڑھ کر ہاتھوں پر دم کر کے سارے بدن پر پھیر لینے کی تاکید کیا کرتے تھے، آپ فرماتے تھے کہ ایک تو احادیث مبارکہ میں ان کی بڑی فضیلت آئی ہے دوسرے ان کے ذریعہ بہت سے خطرات سے حفاظت ہو جاتی ہے۔

حضرت قاری صاحبؒ! آسیب وسحر کے دفعیہ کے لیے عموماً آیاتِ سحر کو پانی پر دم کر کے اُس سے نہانے کو کہا کرتے تھے۔ بعض احباب کو آپ نے اس کے لیے تین سو تیرہ بار معوذتین پڑھ کر دم کرنے کا حکم دیا اور بعض احباب کو ہر روز گیارہ مرتبہ منزل پڑھنے کو بتلایا۔ آپ فرماتے تھے کہ سحر کے اثرات ختم ہونے کے بعد روزانہ ایک مرتبہ منزل پڑھ لینا بھی کافی ہوتا ہے۔

حضرت قاری صاحبؒ عموماً دم فرماتے اور کچھ نہ کچھ پڑھنے کو بتلاتے تھے، تعویذ بہت کم دیتے تھے البتہ اگر ضرورت محسوس ہوتی تو پانی پہ دم فرما کر ایک تعویذ

بوتل میں ڈال کر عنایت فرماتے تھے۔ آپ جسے کچھ پڑھنے کو بتلاتے تھے یا پانی پر دم کر کے دیتے تھے اُسے اُس سے بہت فائدہ ہوتا تھا۔

آپ کا معمول تھا کہ آپ تعویذ وغیرہ پر اُجرت نہیں لیتے تھے، ایک دفعہ ایک صاحب جو آپ سے علاج کروا رہے تھے اُنہیں بہت فائدہ ہوا تو انہوں نے آپ کو کچھ ہدیہ دینا چاہا آپ نے صاف انکار کر دیا۔ حضرت قاری صاحبؒ کے بڑے صاحبزادہ مولانا محمد عمران صاحب بتلاتے ہیں کہ حضرت والد صاحبؒ ایک دن مغرب کی نماز کے بعد مسجد میں تشریف فرما تھے کہ یہ صاحب تشریف لائے والد صاحبؒ سے ملے اور والد صاحبؒ کو کچھ ہدیہ دینے لگے والد صاحبؒ نے انکار کر دیا۔ یہ صاحب اصرار کرنے لگے اور بڑھ بڑھ کر پیش کرنے لگے اس پر حضرت والد صاحبؒ کو غصہ آ گیا اور آپ نے اُنہیں غصہ سے پرے کیا اور فرمایا: ''میں یہ ہرگز نہیں لوں گا میرا یہ معمول نہیں ہے اور میرے اکابر کا یہ طریقہ نہیں ہے'' ہمیں یہ ڈر لگنے لگا کہ کہیں لڑائی نہ ہو جائے لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ صاحب ٹھنڈے ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ آپ یہ اپنے لیے نہ لیں یہاں کے طلباء کو دیدیں آپ نے اس کا بھی انکار کیا وہ کہنے لگے کہ مسجد میں چندہ ڈال دیں آپ نے فرمایا میں یہ بھی نہیں کروں گا تمہاری مرضی ہے تم جہاں چاہو دیدو۔ بالآخر وہ صاحب اُٹھے اور جاتے جاتے مسجد کے گلے میں وہ رقم ڈال گئے۔

احیاءِ سنّت اور اجتناب عن البدعت:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں خواہ معمولی سے معمولی درجہ ہی کی کیوں نہ ہوں، نیز سُنَنِ ھدیٰ ہوں یا سُنَنِ زوائد ہر ایک سنت کو اپنانا اور اُن کی اتباع کرنا اکابر علماء دیوبند کا طغرائے امتیاز ہے۔ حضرت قاری صاحب مرحوم جو چمنستانِ دیوبند ہی کے ایک گل سرسبد ہیں جب ہم ان کی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ ہر عمل میں اتباعِ سنت اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہر ادا کو اپنانا

اور اس کی اشاعت و احیاء کی کوشش کرنا آپ کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔ قولاً، فعلاً تحریراً و تقریراً آپ صبح سے شام تک اِسی دُھن اور اِسی فکر میں نظر آتے تھے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں زندہ ہوں اور اُن پر عمل کیا جائے، ذیل میں آپ کے اتباعِ سنت و احیاءِ سنت کے چند مواقع ذکر کیے جاتے ہیں۔

ہر وقت باوضو رہنا:

آپ ہر وقت باوضو رہتے تھے اور علی العموم وضو کے بعد تحیۃ الوضو پڑھنے کا معمول تھا، رات کو سونے کے لیے باقاعدہ وضو فرماتے تھے بلاوضو نہ سوتے تھے اور نہ بلاوضو سونے کو اچھا سمجھتے تھے۔ اپنے متعلقین و متوسلین کو بھی اس کی عادت ڈالنے کی تاکید فرماتے تھے۔

نماز کی ادائیگی میں اتباع سنت:

نماز کی ادائیگی میں اتباعِ سنت کا خاص خیال فرماتے تھے، قیام ہو یا قراءت، رکوع ہو یا سجود ہر رکن کی ادائیگی سنت کے مطابق کرتے تھے۔ سورۂ فاتحہ کی قراءت میں ہر آیت پر وقف کرنے کا معمول تھا، سرّی و جہری نمازوں میں فقہاء نے جن سورتوں کا پڑھنا سنت لکھا ہے آپ کی عادت تھی کہ ہر نماز میں اُنہی سورتوں کی قراءت کیا کرتے تھے، نمازوں میں سننِ مؤکدہ کے ساتھ ساتھ غیر مؤکدہ سنتوں کی ادائیگی پر بھی عمل فرماتے تھے، راقم الحروف نے بارہا آپ کو عصر و عشاء سے پہلے سنتیں پڑھتے دیکھا ہے، آپ اپنے متعلقین کو بھی نماز میں آداب و سنن کا خیال رکھنے کی تاکید فرماتے تھے، راقم الحروف کو کئی بار نماز پڑھانے کا حکم دیا اور فراغت پر نماز میں رہ جانے والی کوتاہیوں پر تنبیہ فرمائی۔

اپنے اکرام میں کھڑے ہونے سے منع فرمانا:

کسی آنے والے بزرگ کے اکرام و استقبال کے لیے کھڑا ہونا جائز ہے

لیکن حدیث شریف میں آتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے استقبال کے لیے کھڑے نہیں ہوتے تھے، کیونکہ آپ ﷺ کو اپنے استقبال میں لوگوں کا کھڑا ہونا پسند نہیں تھا اور آپ نے اس سے منع فرما دیا تھا، اس لیے بارہا ایسا ہوا کہ حضرت قاری صاحبؒ سبق کے وقت تشریف لائے اور طلباء نے کھڑا ہونا چاہا تو آپ نے منع فرما دیا پھر سب کی عادت ہوگئی کہ جب آپ تشریف لاتے تھے تو سب بیٹھے رہتے تھے استقبال کے لیے کوئی کھڑا نہیں ہوتا تھا۔

مسجد میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت اتباع سنت:

آپ کا عام معمول تھا کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے بایاں پاؤں جوتی سے نکال کر جوتی پر رکھ لیتے پھر دایاں پاؤں جوتی سے نکال کر مسجد میں پہلے دایاں پاؤں داخل فرماتے پھر بایاں پاؤں پھر جوتی اُٹھاتے تھے، اور مسجد سے نکلتے وقت اس کا عکس ہوتا تھا کہ پہلے مسجد سے بایاں پاؤں نکال کر جوتی کے اُوپر رکھ لیتے پھر دایاں پاؤں نکال کر پہلے اس میں جوتی پہنتے پھر بائیں پاؤں میں، نیز مسجد میں داخل ہونے اور مسجد سے نکلنے کی دعاء کا اہتمام فرماتے، اس سلسلہ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ (م: ۱۳۲۳/۱۹۰۵) کا واقعہ سناتے، یہ واقعہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے حکایات اولیاء میں ذکر کیا ہے۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''آپ (حضرت گنگوہیؒ) چونکہ بہت متبع سنت تھے، ایک مرتبہ لوگوں نے کہا کہ مسجد سے بایاں پاؤں نکالنا اور جوتا سیدھے پاؤں میں پہننا سنت ہے، دیکھیں حضرت ان دونوں سنتوں کو کیسے جمع فرماتے ہیں؟ لوگوں نے اس کا اندازہ کیا، جب مولانا مسجد سے نکلنے لگے تو

آپ نے پہلے بایاں پاؤں نکال کر کھڑاؤں پر رکھا جب سیدھا پاؤں نکالا تو کھڑاؤں کی کھنٹی انگوٹھے میں ڈالی اس کے بعد بایاں پاؤں میں کھڑاؤں پہنی"۔[1]

بلندی پر چڑھتے اُترتے وقت سبحان اللہ اور اللہ اکبر کہنا:

بلندی پر چڑھتے ہوئے اللہ اکبر کہنا اور اُترتے ہوئے سبحان اللہ کہنا سنت ہے، آپ اس کا بھی اہتمام فرماتے تھے، ایک دفعہ راقم الحروف آپ کے ساتھ سفر میں مولانا طیب شاہ صاحب ہمدانی رحمہ اللہ سے ملنے کے لیے قصور جا رہا تھا راستے میں چونگی امر سدھو سے پہلے ایک بلند پل آتا ہے جب ہم اس پر پہنچے تو فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب بلندی پر چڑھتے تھے تو اللہ اکبر کہتے تھے، اور جب اُترتے تھے تو سبحان اللہ کہتے تھے ہمیں بھی اس پر عمل کرنا چاہئے۔

کھانے پینے میں اتباع سنت:

حضرت قاری صاحبؒ کھانے پینے میں بھی بہت زیادہ اتباعِ سنت کا اہتمام فرماتے تھے، چنانچہ آپ کھانے سے پہلے لازماً ہاتھ دھوتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ہاتھ دھو کر کھانا کھانا سنت ہے، لہٰذا اگر ہاتھ صاف بھی ہوں اور چاہے غسل یا وضو بھی کیا ہوا ہو تب بھی اتباعِ سنت میں کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھو لینے چاہئیں، آپ کبھی بھی ننگے سر کھانا نہیں کھاتے تھے، اسی طرح پانی بھی ننگے سر نہیں پیتے تھے۔

اگر تخت یا چارپائی پر بیٹھ کر کھانے کی نوبت آتی تو کھانے کے اکرام میں خود پائینتی بیٹھتے اور کھانا سرہانے کی طرف رکھتے، کھانا ہمیشہ بغیر ٹیک لگائے کھاتے اور بغیر چوکڑی مارے سنت کے مطابق بیٹھ کر کھاتے، پانی ہمیشہ بیٹھ کر تین سانس میں پیتے، چاول یا کھیر وغیرہ کھانے کے لیے چمچہ استعمال نہیں کرتے تھے، ہاتھ

[1] حکایاتِ اولیاء ص ۳۵۸

سے کھانے کو ترجیح دیتے تھے فرماتے تھے ہاتھ سے کھانا سنت ہے لہٰذا حتی الوسع ہاتھ ہی سے کھانا چاہئے۔

آج کل فیشن بن گیا ہے کہ پلیٹ میں سالن اور بوتل وغیرہ میں کچھ مشروب بالقصد بچا دیتے ہیں جو کسی کے کام نہیں آتا بلکہ ضائع ہو جاتا ہے، حضرت قاری صاحبؒ اِس کو بہت برا خیال فرماتے تھے، آپ کا معمول تھا کہ برتن کو اچھی طرح صاف کرتے تھے حتیٰ کہ دیکھنے والوں کو برتن کے دُھلے ہوئے ہونے کا گمان ہوتا تھا، اگر بوتل یا چائے وغیرہ پیتے تھے تو پوری پیتے تھے، بچاتے نہیں تھے، اگر کھانا کھانے کے درمیان کوئی لقمہ یا بوٹی گر جاتی تو آپ اُسے ضرور اُٹھا کر کھاتے اور فرماتے کہ اسے شیطان گراتا ہے، اس سلسلہ میں آپ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا واقعہ سناتے۔

کھانے سے فراغت پر انگلیاں چاٹتے تھے، کھانے سے پہلے اور کھانے سے فراغت پر ہاتھوں کے دھونے کا بہت اہتمام فرماتے تھے، اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "لوگ فیشن کے پیچھے پڑ کر سنتوں کو چھوڑتے چلے جا رہے ہیں اور اجر و ثواب کھوتے جا رہے ہیں"۔

تقسیم میں دائیں طرف کا خیال رکھنا:

آپ اپنے دوست واحباب میں تشریف فرما ہوتے اور کوئی چیز کھانے پینے کی آتی تو آپ سنت کے مطابق تقسیم میں ہمیشہ دائیں طرف کا خیال رکھتے، اگر کوئی بائیں طرف سے شروع کرتا تو آپ اُسے یاد دلاتے کہ دائیں طرف سے شروع کرو کبھی ایسا بھی ہوتا کہ یاد دلانے کے لیے بطور ظرافت یہ شعر پڑھ دیتے۔

صَبَنْتِ الْكَأْسَ عَنَّا اُمَّ عَمْرٍو - وَكَانَ الْكَأْسُ مَجْرٰهَا يَمِيْنًا [۱]

اے اُمّ عَمرو تو نے ہم سے پیالہ پھیر لیا - حالانکہ پیالہ کا دور تو دائیں طرف ہی تھا

---

[۱] یہ عَمرو بن کلثوم تغلبی کا شعر ہے جو دورِ جاہلیت کا شاعر تھا، یہ شعر معلقاتِ سبع میں سے پانچویں معلقہ میں ہے۔

اکثر دیکھا جاتا ہے کہ لوگ کپ وغیرہ میں چینی ملاتے وقت اُلٹی طرف سے چمچہ چلاتے ہیں، آپ اس پر بھی تنبیہ فرماتے کہ سیدھی طرف سے چمچہ چلاؤ کیونکہ ہر اچھے کام میں دائیں کا خیال رکھنا سنت ہے۔

حضرت قاری صاحب مرحوم میں جس طرح اتباعِ سنت کا جذبہ کارفرما تھا، اسی طرح مٹتی ہوئی سنتوں کے زندہ کرنے اور بدعات کو مٹانے کا بھی بڑا جوش تھا، اس سلسلہ میں آپ کسی قسم کی مصلحت کو روا نہیں رکھتے تھے۔ اکثر اپنے متعلقین کو ردِّ بدعت سے متعلق احادیثِ مبارکہ، صحابہ کرام اور اولیاء عظام کے اجتناب عن البدعت کے واقعات نیز اکابر رحمہم اللہ کی تحریرات سناتے تھے۔

ایک موقع پر فرمایا: بدعت ایک سنگین گناہ ہے جو زنا چوری اور ڈاکہ سے بھی بدتر ہے، کیونکہ شریعت میں زنا اور چوری پر وہ وعیدیں نہیں سنائی گئیں جو وعیدیں بدعت کے ارتکاب پر سنائی گئی ہیں۔

چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مَنْ اَحْدَثَ فِيهَا حَدَثًا اَوْآوٰی مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ لَايُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ" [۱]

جس نے (مدینہ طیبہ میں) کوئی نئی بات ایجاد کی یا کسی بدعتی کو پناہ دی تو اس پر اللہ تعالیٰ اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، اس کی نہ فرض عبادت قبول ہے نہ نفل

نیز آپ کا ارشاد ہے:

"لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ لِصَاحِبِ بِدْعَةٍ صَوْمًا وَلَا صَلٰوةً وَلَا صَدَقَةً وَلَا حَجًّا وَلَا عُمْرَةً وَلَا جِهَادًا وَلَا صَرْفًا وَلَا عَدْلًا يَخْرُجُ مِنَ الْاِسْلَامِ كَمَا تَخْرُجُ الشَّعْرَةُ مِنَ الْعَجِيْنِ" [۲]

اللہ تعالیٰ بدعتی کا نہ روزہ قبول فرماتے ہیں نہ نماز، نہ صدقہ قبول

---

[۱] بخاری ج ۲ ص ۱۰۸۴، مسلم ج ۱ ص ۱۴۴، مشکوٰۃ ص ۲۳۸۔ [۲] ابن ماجہ ص ۶

فرماتے ہیں نہ حج وعمرہ اور نہ جہاد، نہ کوئی فرض عبادت نہ نفل عبادت، بدعتی اسلام سے اس طرح نکل جاتا ہے جس طرح گوندھے ہوئے آٹے سے بال۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اِنَّ اللّٰهَ حَجَبَ التَّوْبَةَ عَنْ كُلِّ صَاحِبِ بِدْعَةٍ''۔[۱]

اللہ تعالیٰ نے ہر بدعتی پر توبہ کا دروازہ بند کر دیا ہے۔

غور فرمائیے کیا یہ وعیدیں زنا، چوری اور ڈاکے پر بھی سنائی گئی ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں یہ انجام ہے بدعتی کا کہ خدا کے یہاں اس کا کوئی عمل قبول نہیں اور اس سے توبہ کی توفیق سلب، آپ نے کئی لوگوں کے سامنے یہ واقعہ سنایا اور متعدد موقعوں پر سنایا کہ

''میں نے ایک دفعہ ایک بدعتی کی عملیات کی ایک کتاب میں دانتوں کی حفاظت کا عمل پڑھا، آسان سمجھ کر شروع کر دیا، لیکن یہ عجیب قصہ ہوا کہ بجائے دانتوں کی حفاظت کے اُلٹا درد شروع ہو گیا، حالانکہ درد کا بظاہر کوئی سبب بھی نہیں تھا اور اس قدر شدید ہوا کہ دوائی سے بھی افاقہ نہ ہوا، میں نے غور کیا تو خیال آیا کہ وہ عمل تو ایک بدعتی کی کتاب میں دیکھا تھا، یہ خیال آتے ہی میں نے وہ عمل ترک کر دیا۔ اس عمل کے چھوڑنے کی دیر تھی کہ بغیر کسی دوا کے خود بخود آرام آ گیا''۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ عوام تو عوام آج کل کے علماء بھی بدعت کی حقیقت سے کما حقہ آگاہ نہیں ہیں، بدعت کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے ''براھین قاطعہ'' کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ آپ اپنے متعلقین کو حضرت مولانا محمد سرفراز صاحب کی کتب بالخصوص ''راہ سنت'' کے مطالعہ کی بہت تاکید فرماتے تھے۔

---

[۱] معجم طبرانی اوسط بحوالہ راہ سنت ص ۷۳

ایک خواب:

وفات سے تقریباً تین ماہ پہلے کی بات ہے کہ حضرت قاری صاحبؒ ایک رات مسجد کے دالان سے متصل حجرہ میں ایک غیر مقلد مناظر کی تحریر کا جواب لکھتے ہوئے دیر ہو جانے کے سبب اُسی حجرہ میں سو گئے، اُس رات آپ نے ایک خواب دیکھا جو آپ نے کئی احباب کے سامنے ذکر فرمایا۔

آپ نے فرمایا کہ

''میں اس حجرہ میں سو رہا تھا کہ میں نے خواب دیکھا کہ اس حجرہ میں میرے ساتھ حضرت سیّد نفیس شاہ صاحب بھی ہیں اور ایک نامی گرامی بدعتی مولوی بھی، تھوڑی دیر گزری کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اس حجرہ میں تشریف لے آئے حضرت شاہ صاحب نے آپ کا استقبال کیا، آپ کی نظر اس بدعتی مولوی پر پڑی تو ارشاد فرمایا کہ اسے یہاں سے فوراً نکال دو، حضرت شاہ صاحب نے اُسے وہاں سے دھکا دے کر باہر نکالا، پھر حضرت شاہ صاحب نے میرا تعارف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کروایا تو آپ نے فرمایا ہم انہیں جانتے ہیں''۔ (اوکما قال)

الغرض آپ کو بدعت سے انتہائی نفرت تھی، اور آپ بدعات کو مٹانے اور سنتوں کو زندہ کرنے کی بھرپور سعی فرماتے تھے، ذیل میں چند بدعات و منکرات ذکر کی جاتی ہیں جنہیں آپ نے بڑی جدوجہد کے بعد مٹا کر لوگوں کو مسنون طریقہ سے روشناس کرایا۔

نمازِ جنازہ کے بعد دُعاء:

اہلِ بدعت نمازِ جنازہ کے فوراً بعد اجتماعی دعا کیا کرتے ہیں اور اُنہوں نے اِس دُعا کو اِس قدر رواج دیا ہے کہ صحیح العقیدہ لوگوں کو بھی اس سے بچنا دشوار ہو گیا

ہے، چنانچہ بہت سے علماء مصلحتاً یہ دُعا مانگ لیتے ہیں حضرت قاری صاحب مرحوم اس دُعا کو بدعت قرار دیتے ہوئے خود بھی اس سے احتراز فرماتے تھے اور اپنے متعلقین واحباب کو بھی اس سے بچنے کی تاکید فرماتے تھے۔ اس سلسلہ میں آپ کو مصائب وتکالیف سے بھی دو چار ہونا پڑا لیکن آپ نے اُن کی پروا کیئے بغیر اسے مٹانے کی سعی جاری رکھی ایک دفعہ تو ایک جنازہ کے موقع پر اچھا خاصا ہنگامہ پیش آگیا لیکن آپ کی ثابت قدمی اور استقامت کی وجہ سے اس ہنگامہ کے بعد آپ کے علاقہ سے اس بدعت کا خاتمہ ہو گیا۔

اس جنازہ میں پیش آنے والے ہنگامہ کی روداد دلچسپ ہے اس لیے موقع کی مناسبت سے تحریر کی جاتی ہے، حضرت قاری صاحبؒ کے بھائی مولانا عبدالحفیظ صاحب بیان فرماتے ہیں۔

> ''حضرت قاری صاحبؒ کا معمول تھا کہ آپ رمضان المبارک میں روزانہ فجر کی نماز کے بعد درسِ قرآن دیا کرتے تھے، جس میں آپ فرقِ باطلہ اور بدعات ورسومات کی تردید کے ساتھ ساتھ اتباعِ سنت کی اہمیت بیان فرمایا کرتے تھے۔ رمضان (۱۹۸۴/۱۴۰۴) کی بات ہے کہ صبح کے درس میں اندرون مزنگ کے ایک نوجوان محمد اشفاق صاحب بھی آنے لگے جس سے ان کے عقائد بھی درست ہوئے اور اتباعِ سنت کا جذبہ بھی پیدا ہوا، اتفاق سے اسی رمضان المبارک کی ستائیس تاریخ کو ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ اشفاق صاحب دوسرے بھائیوں کے بیرون ملک ہونے کی وجہ سے اکیلے ہی میت کے ولی تھے، نمازِ جنازہ کے موقع پر اُنہوں نے حضرت قاری صاحب مرحوم کو نماز پڑھانے کے لیے کہا، اس پر ایک طوفان مچ گیا، اشفاق صاحب کی تمام ارائیں برادری نے (جن میں اکثر بدعتی تھے) قاری

صاحبؒ کے پیچھے نمازِ جنازہ پڑھنے سے انکار کر دیا، اشفاق صاحب مُصر تھے کہ نمازِ جنازہ قاری صاحب ہی پڑھائیں گے، میں کسی اور سے نہیں پڑھواؤں گا۔ جب ان کی برادری کے اہل بدعت نے یہ دیکھا کہ یہ تو مصر ہے تو انہوں نے ایک چال چلی کہ اندرون مزنگ کی جنازگاہ کی چھوٹی سی مسجد میں ظہر کی اذان دلوائی اور اذان کے بعد یہ اعلان کیا کہ نمازِ جنازہ ظہر کی نماز کے بعد ہوگی۔ اس سے اُن کا مقصد یہ تھا کہ اُنہیں کچھ وقفہ مل جائے گا اتنے میں اپنے امام کا بھی بندوبست کرلیں گے اور مزید متعصب اہل بدعت کو بھی اکٹھا کرلیں گے، چنانچہ ظہر کی نماز کے بعد ان لوگوں نے ہنگامہ کھڑا کر دیا اور پوری کوشش کی کہ اشفاق صاحب کسی طرح آمادہ ہو جائیں، انہوں نے یہ بھی کہا کہ چونکہ ہمارے خاندان کے تمام افراد کی نمازِ جنازہ، جنازگاہ کے مولوی صاحب نے پڑھائی ہے اس لیے اِن کی بھی وہی نماز پڑھائیں گے اور اس پر ان لوگوں نے ماہِ رمضان اور مسجد کے حقوق کو پامال کرتے ہوئے اس قدر شور مچایا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی، اسی دوران میں نے قاری صاحبؒ سے عرض کیا کہ آپ آگے ہو کر نماز پڑھانا شروع کریں آپ کا آگے بڑھنا تھا کہ ہمارے تمام ساتھیوں نے صفیں درست کرلیں عموماً ایسا ہوتا تھا کہ اگر مجمع زیادہ ہوتا تو میں مُکبّر بن جاتا تھا، لیکن اس روز ہم نے اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد آنکھوں سے دیکھی کہ جونہی قاری صاحبؒ نے پہلی تکبیر کہی تو آپ کے ساتھ بہت سے لوگوں نے بھی بلند آواز سے تکبیر کہی یعنی مجمع کی اکثریت مُکبّر بن گئی اور صرف پہلی تکبیر ہی میں نہیں بلکہ تمام تکبیروں میں سب نے اتنے زور سے تکبیرات کہیں کہ پوری

جنازگاہ گونج اُٹھی اور مخالفین پر ایسا رعب پڑا کہ سب خاموش ہو گئے، جونہی نمازِ جنازہ ختم ہوئی قاری صاحبؒ کے تربیت یافتہ نوجوانوں نے جنازہ اُٹھا کر قبرستان کی طرف چلنا شروع کر دیا، اہلِ بدعت نے پھر شور مچانا شروع کر دیا اور یہ کہتے رہے کہ جنازہ نہیں ہوا ہم دوبارہ پڑھیں گے۔ جنازہ کی چارپائی کو روکنے اور نیچے رکھنے کی پوری کوشش کرنے لگے لیکن انہیں کامیابی حاصل نہ ہوئی اور جنازہ جنگ و جدل کے بعد قبرستان پہنچ گیا۔

قاری صاحب فرماتے تھے کہ ''میں جنازگاہ کی دیوار کے ساتھ کھڑا یہ تمام منظر دیکھتا رہا، اہلِ بدعت کا ہیجان بہت بڑھ گیا تھا، ایک دو بار تو جنازہ گرتے گرتے بچا لیکن یہ لوگ باز نہ آئے، اسی اثناء میں ایک شخص میرے پاس آیا اور مجھ سے کہا کہ آپ بالکل فکر نہ کریں آپ کو کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا، اللہ کے فضل و کرم سے مجھے نہ پہلے ڈر تھا نہ بعد میں ڈرا لیکن وہ شخص کوشش کے باوجود مجھے سارے راستے نظر نہ آیا'' الغرض اشفاق صاحب کے والد کی تدفین ہوئی اللہ تعالیٰ نے اہلِ حق کی لاج رکھی اور اہلِ بدعت کا منصوبہ ناکام ہوا اور وہ خائب و خاسر ہو کر واپس چلے گئے''۔

انہی دنوں حضرت قاری صاحبؒ کے مشورہ سے نمازِ جنازہ کے بعد ٹھہر کر دُعا مانگنے سے متعلق آٹھ سوالات پر مشتمل ایک ہینڈ بل انجمن نوجوانانِ اہلسنت والجماعت سعدی پارک مزنگ کی طرف سے طبع کر کے تقسیم کیا گیا، اہلِ بدعت نے اس کا جواب لکھا پھر حضرت قاری صاحبؒ نے اس کا جوابُ الجواب تحریر فرمایا یہ تینوں تحریرات موقع کی مناسبت سے یہاں درج کی جاتی ہیں۔

نمازِ جنازہ

بعد ٹھہر کر دعا مانگنے والے تمام مسلمانوں کو تنبیہہ

سوال نمبر ۱: کیا نمازِ جنازہ کے بعد ٹھہر کر دعا مانگنا قرآن پاک کی کسی آیت سے ثابت ہے؟

سوال نمبر ۲: کیا نمازِ جنازہ کے بعد ٹھہر کر دعا مانگنا کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے؟

سوال نمبر ۳: کیا کسی محدث نے باب الدعا بعد صلوٰۃ الجنازہ کا عنوان قائم کیا ہے؟

سوال نمبر ۴: کیا کسی ایک صحابیؓ نے بھی نمازِ جنازہ کے بعد ٹھہر کر دعا مانگی؟

سوال نمبر ۵: کیا کسی تابعی نے نمازِ جنازہ کے بعد ٹھہر کر دعا مانگی؟

سوال نمبر ۶: کیا کسی مجتہد امام نے کسی آیت قرآنی یا روایت حدیث سے نمازِ جنازہ کے بعد ٹھہر کر دعا مانگنے کا جواز ثابت کیا ہے؟

سوال نمبر ۷: کیا فقہ حنفی کی کسی مستند کتاب سے نمازِ جنازہ کے بعد ٹھہر کر دعا مانگنا ثابت ہے؟

سوال نمبر ۸: کیا تیرہویں صدی کے آخر تک دنیا بھر میں سے کسی بھی فقیہ یا مفتی نے نمازِ جنازہ کے بعد ٹھہر کر دعا کے جائز ہونے کا فتویٰ دیا؟

اگر ان سوالوں کا جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو آپ اس رسم کو فوراً ترک کر دیں۔

نوٹ: ان سوالات کے جوابات میں اکثر جاہلوں کی طرف سے کہہ دیا جاتا ہے کہ دعا مانگنے میں حرج کیا ہے دوستو! ان پرستارانِ بدعت کو معلوم نہیں کہ آقائے دو جہاں تاجدارِ مدینہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے صحابہؓ اور آپؐ کی امت کے بزرگان اور اولیائے کرام کی غلامی کو چھوڑنا ہی سب سے بڑا حرج ہے!

انجمنِ نوجوانانِ اہلسنت والجماعت، انجمن ارشاد المسلمین

سعدی پارک مزنگ۔ لاہور

نمازِ جنازہ کے بعد دعا برائے ایصالِ ثواب عین ثواب ہے

منشاءِ خدا یہ ہے کہ بندہ مجھ سے ہر وقت دعا مانگتا رہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے دعا کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں فرمایا!

ارشادِ الٰہی نمبر ۱ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ (الآیۃ) ترجمہ: اور فرمایا ہے تمہارے رب نے کہ مجھ سے دعا مانگو میں تمہاری دعا قبول فرماؤں گا۔ — المؤمن: ۶۰

—— ؟ کیا منکرین کا خیال ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ خدا سے میت کی مغفرت کی دعا مانگیں تو وہ اسے بخش دے!

ارشادِ الٰہی نمبر ۲ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ (الآیۃ) جب بھی دعا مانگنے والا مجھ سے دعا مانگتے ہیں ان کی دعا قبول کرتا ہوں!

—— ؟ کیا ربِ قدوس نے فرمایا ہے کہ جنازہ کے بعد دعا نہ مانگنا۔ میں قبول نہیں کروں گا!

ارشادِ الٰہی نمبر ۳ وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ (الآیۃ) اور وہ لوگ جو ان کے پیچھے یعنی ان کے بعد دنیا میں آئے وہ یوں دعا کرتے ہیں۔ اے ہمارے رب بخش دے ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان کی حالت میں فوت ہو گئے!
گویا کہ خداوند کریم نے زندہ مومنوں کی عظمت بیان فرمائی ہے کہ وہ اپنے مرنے والے مومن بھائیوں کو ہمیشہ یاد رکھتے اور ان کے حق میں دعا کرتے ہیں۔

—— ؟ کیا اہلسنت وجماعت اس آیہ کا صحیح مظہر نہیں کہ اپنے بھائی کے حق میں بعد انتقال دعا کر رہے ہیں!

نمازِ جنازہ کے بعد دعا برائے ایصالِ ثواب حدیث سے ثابت ہے!

ارشادِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ فَأَخْلِصُوا لَهُ الدُّعَاءَ (حدیث) میت پر جب نمازِ جنازہ پڑھ چکو تو ایک خاص اس کے لیے دعا مانگو!

نمازِ جنازہ کے بعد دعا صحابۂ کرام علیہم الرضوان کا معمول تھا!

مبسوط شمس الائمہ سرخسی نے جلد دوم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ایک واقعہ نقل فرمایا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک مسلمان دوست کے جنازہ سے رہ گئے تو آپ نے فرمایا! إِنْ سَبَقْتُمُونِي بِالصَّلَاةِ عَلَيْهِ فَلَا تَسْبِقُونِي بِالدُّعَاءِ یعنی تم نے نمازِ جنازہ تو مجھ سے پہلے پڑھ لی ہے مگر میں جلدی نہ کرو مجھے بھی شریک دعا کر لو!

—— ؟ کیا اس عظیم الشان صحابی کی بات سے صاف سمجھ نہیں آتا کہ جنازے کے بعد دعا کرنا صحابہ کا معمول تھا۔ آپ انکر دعا میں شریک ہوئے!

چند سوالات منکرین دعا بعد نمازِ جنازہ سے!

سوال نمبر ۱ —— کیا قرآن پاک کی کسی آیہ میں دعا بعد نمازِ جنازہ سے روکا گیا ہے۔!

سوال نمبر ۲ —— کیا کسی صحیح حدیث تو کیا ضعیف حدیث میں بھی دعا بعد جنازہ سے منع کیا گیا ہے!

سوال نمبر ۳ —— کیا کسی محدث نے آج تک کوئی باب لا یجوز الدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ قائم کیا ہے!

سوال نمبر ۴ —— کیا کسی صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی تابعی نے نمازِ جنازہ کے بعد دعا سے روکا ہے۔

سوال نمبر ۵ —— کیا کسی مجتہد نے یا کسی امام نے قرآن پاک کی آیہ یا کسی حدیث سے دعا کو منع ثابت کیا ہے۔

سوال نمبر ۶ —— کیا فقہ حنفی کی کسی مستند و معتبر کتاب میں دعا بعد جنازہ کو منع کیا گیا ہے۔

سوال نمبر ۷ —— کیا چودھویں صدی کے اختتام تک کسی بھی صحیح العقیدہ مفتی نے پوری دنیا میں دعا بعد نمازِ جنازہ کے ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔

البتہ مخالفین اہل سنت - مثلاً نجدی - دیوبندی - وہابی - خارجی وغیرہ نے کہا ہو تو ان سے تعجب نہیں ہے۔ اگر ان سوالات کا جواب نفی میں ہے تو منکرین دعا توبہ کر کے اہل سنت کے ساتھ ایصالِ ثواب میں شریک ہونا چاہیے!

نوٹ! فتاویٰ دیوبند جلد دوم میں مفتی دیوبند سے سوال کیا گیا ہے کہ جو ہندوستان میں رواج ہے کہ نمازِ جنازہ کے بعد فاتحہ پڑھ کر ایصالِ ثواب کیا ہے مفتی صاحب نے فرمایا ایصالِ ثواب میں کوئی حرج نہیں ہم ایصالِ ثواب کے قائل ہیں البتہ دعا نہ مانگی جائے ہم ایصالِ ثواب ہی کرتے ہیں۔

ملنے کا پتہ
غوثیہ کتب خانہ
مزنگ چونگی ۳ فیروز پور روڈ
لاہور

منجانب! قاری محمد جعفر شمس رضوی جماعت اہلسنت سعدی پارک مزنگ لاہور

نماز جنازہ کے بعد ٹھہر کر دعا
مانگنے والوں کے دلائل کا

پول کھُل گیا

شعبۂ نشرواشاعت

تحریکِ تحفظِ اہلِ سُنّت والجماعت (حلقہ سعدی پارک)

رابطہ کے لیے

نوازش علی ۸۶۔ لٹن روڈ ٥ سعدی پارک

مزنگ ٥ لاہور۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہم نے چند روز پیشتر نمازِ جنازہ کے بعد وہیں ٹھہر کر دُعا مانگنے والوں سے چند سوالات کیے تھے جن کا خلاصہ یہ تھا کہ نمازِ جنازہ کے بعد ٹھہر کر دُعا مانگنے کا اگر کوئی ثبوت قرآن مجید، حدیثِ پاک، کسی صحابیؓ، تابعیؒ، یا فقہ حنفی کی کسی معتبر و مستند کتاب میں ہے تو وہ پیش کیا جائے ورنہ عدم ثبوت کی صورت میں اس بدعت کو ترک کر دیا جائے۔

اب تقریباً پندرہ روز بعد ہمیں ایک مطبوعہ پرچہ موصول ہوا ہے جسے پڑھ کر ہر صاحبِ علم نے یہ فیصلہ دے دیا کہ واقعی نمازِ جنازہ کے بعد ٹھہر کر دُعا مانگنے کی کوئی دلیل قرآن و سنت اور فقہ حنفی سے ان لوگوں کے پاس موجود نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے حواریوں کو مطمئن کرنے کے لیے قرآن پاک کی تین آیتیں جن کے آگے پیچھے دُور دُور تک نمازِ جنازہ کا ذکر ہی نہیں ہے محض دھوکہ دہی کے لیے پیش کر دی ہیں ہم اپنے قارئین سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ تینوں آیات کسی مترجم قرآن پاک میں ملاحظہ فرمالیں اور پھر ان حضرات کی دیانت و صداقت کی داد دیں پہلی آیت سورۃ المؤمن ۴۰: ۶۰ دوسری آیت سورۃ البقرۃ ۲:۱۸۶، تیسری آیت سورۃ الحشر ۵۹: ۱۰ میں ملاحظہ فرمالیں۔

کذاب و دجّال راوی کی حدیث کا سہارا لینے کی ناکام کوشش

قرآن پاک کی آیاتِ مبارکہ سے دھوکہ دینے کے بعد ایک کذاب و دجّال راوی کی روایت پیش کر کے مزید دھوکہ دینے کی ناپاک جسارت کی ہے اور اس روایت کا حوالہ بھی اسی لیے نہیں دیا تا کہ لوگ اصل کتاب دیکھ کر اس کے راویوں

کی تحقیق نہ کر سکیں۔ یہ روایت ابوداؤد شریف جلد دوم ص ۱۰۰ اور سنن ابنِ ماجہ شریف ص ۱۰۹ پر موجود ہے۔ اس روایت کا ایک راوی ''محمد بن اسحاق'' ہے۔

محمد بن اسحاق جو اس حدیث کا راوی ہے اس کے بارے میں امام سلیمان تیمیؒ نے فرمایا کہ کذاب ہے۔ امام مالکؒ نے فرمایا کہ دجالوں میں سے ایک دجال ہے۔ امام ابوداؤدؒ نے فرمایا کہ معتزلی تھا (معتزلہ ایک باطل اور گمراہ فرقہ کا نام ہے) امام دارقطنیؒ نے فرمایا کہ اس کی حدیث سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ امام ابن عُیَیْنَہ نے فرمایا کہ ایک بار منیٰ کی مسجد خَیف میں میری ملاقات اس کے ساتھ ہوگئی تو مجھے شرم آنے لگی کہ کوئی شخص مجھے اس کے پاس کھڑا ہوا دیکھ نہ لے۔ گویا اتنا بدنام شخص تھا کہ نیک لوگوں کو اس کے ساتھ کھڑا ہوتے ہوئے شرم آتی تھی کہ لوگ کیا کہیں گے۔ امام یحییٰ قطانؒ نے فرمایا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد بن اسحاق کذاب ہے۔ امام ابوداؤد طیالسیؒ نے فرمایا کہ مجھے میرے اصحاب نے بتایا ہے کہ محمد بن اسحاق کہتا تھا کہ مجھے قابل اعتماد راویوں نے حدیث بیان کی ہے جب تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ وہ ایک یہودی کی بات تھی۔ غلط نظریات رکھنے کے باعث ایک بار اس کے گلے میں رسی ڈال کر اس کو حاکم کے سامنے پیش کیا گیا تو حاکم نے اسے کوڑے لگوائے۔ یہ سب کچھ آپ میزان الاعتدال جلد ۳ میں محمد بن اسحاق کے حالات کے ذیل میں دیکھ سکتے ہیں۔ اس لیے اوّل تو یہ روایت اس قابل ہی نہیں کہ اس سے استدلال کیا جائے لیکن اگر تھوڑی دیر کے لیے اس کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس کا مطلب جیسا کہ سنن ابنِ ماجہ ص ۱۰۹ کے ترجمۃ الباب میں لکھا ہے کہ نمازِ جنازہ کے اندر کی دعاء مُراد ہے گویا حضور ﷺ کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہوا کہ جب نمازِ جنازہ پڑھا کرو تو اس کے اندر دُعا پورے اخلاص سے مانگا کرو۔

لہٰذا اگر کوئی شخص اس حدیث سے نمازِ جنازہ کے بعد وہیں ٹھہر کر دُعا مانگنا

ثابت کرنا چاہتا ہے تو اس کی ذمہ داری ہے کہ اوّلاً اس حدیث کا صحیح اور قابلِ استدلال ہونا ثابت کرے۔ ثانیاً کسی معتبر حوالہ سے ثابت کرے کہ اس میں جس دُعا کا ذکر ہے اس سے نمازِ جنازہ کے اندر والی دُعا مراد نہیں ہے بلکہ نمازِ جنازہ کے بعد ٹھہر کر مانگی جانے والی دُعا مراد ہے۔

حضرت عبداللّٰہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا نام لیکر ایک اور غلط بیانی

کذاب و دجّال راوی کی روایت سے دھوکہ دینے کی ناکام کوشش کے بعد اس پرچہ میں شمس الائمہ سرخسیؒ کی کتاب مبسوط کی جلد دوم کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ایک واقعہ نقل کرتے ہوئے یہ صاف اور صریح غلط بیانی کی گئی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''سَبَقْتُمُونِیْ بِالصَّلٰوۃِ عَلَیْہِ فلا تَسْبِقُوْنِیْ بالدُّعَاءِ'' (یعنی تم نے نمازِ جنازہ تو مجھ سے پہلے پڑھ لی ہے مگر دُعا میں جلدی نہ کرو مجھے بھی شریک دُعا کرلو)

ہمارا چیلنج ہے اور ایک ہزار روپے انعام کا وعدہ کہ اگر کسی ماں کے لال میں ہمت ہے تو وہ مذکورہ کتاب مبسوط کی جلد دوم میں سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے یہ الفاظ دکھائے اور ایک ہزار روپیہ نقد انعام وصول کرے۔ دیدہ باید

اصل بات یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا ہے جو بہت بڑے یہودی عالم تھے بعد میں اسلام لاکر شرفِ صحابیت سے مشرف ہوئے۔ پرچہ نگار نے ''مبسوط'' سے نقل کیا ہے اور احمد رضا خان صاحب بریلوی نے اپنی کتاب ''الهادی الحاجب'' ص ۳۴ میں اس سے مختلف الفاظ میں ''فتح اللہ المعین'' سے نقل کیا ہے لیکن یہ واقعہ بالکل بے سند ہے اگر ہمت ہے تو اس کی سند پیش کریں اس کے راویوں کے نام بتائیں حدیث کی اس کتاب کا حوالہ دیں جس میں

یہ واقعہ باسند ذکر ہو اگر اس کا ثبوت پیش نہیں کر سکتے تو لوگوں کو بے سند باتوں کے ذریعے گمراہ کرنے سے توبہ کریں۔

سوالات کے جوابات

جوابِ سوال نمبر (۱): اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ۔ سورۃ آل عمران ۳:۳۱ (یعنی اے پیغمبر آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو) چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ جنازہ کے بعد ٹھہر کر دُعا نہیں مانگی ہے اس لیے اب اتباع اسی میں ہے کہ ہم بھی نہ مانگیں جیسا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ "و اتباع ہمچنانکہ در فعل واجب است در ترک نیز می باید" یعنی اتباع جس طرح "فعل" (کرنے) میں واجب ہے، ایسے ہی "ترک" (نہ کرنے) میں بھی واجب ہے (اشعۃ اللمعات ج ا ص ۳۳۳)

جوابِ سوال نمبر (۲): حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے کوئی ایسا کام کیا جس کے بارے میں ہمارا حکم نہیں ہے وہ مردود ہے۔ (بخاری شریف جلد ۲ ص ۱۰۹۲)

جوابِ سوال نمبر (۳): معلوم ہونا چاہیے کہ "باب" اسی چیز کے بارے میں ہوتا ہے جس کا ثبوت ہوتا ہے اور جن چیزوں کا سرے سے ثبوت ہی نہیں ہے ان کا "باب" نہیں قائم کیا جاتا ورنہ آپ بیان فرمایے کہ نماز جنازہ کے لیے اذان نہ دینے، نمازِ جنازہ کے لیے اقامت نہ کہنے، نمازِ جنازہ میں رکوع کے نہ ہونے، نماز جنازہ میں سجدہ نہ ہونے، التحیات نہ پڑھنے، سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ سورۃ نہ پڑھنے، نماز جنازہ میں رَبِّ اجْعَلْنِیْ وغیرہ نہ پڑھنے اور اسی طرح فجر اور مغرب کے چار فرض نہ پڑھنے کے "باب" کون سے محدث نے کس کتاب میں قائم کیے ہیں۔

جوابِ سوال نمبر(۴): صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کاموں سے منع فرمایا کرتے تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہوتے تھے مثلاً حضرت نافع فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس کسی شخص نے چھینک مار کر الحمدللہ والسلام علی رسول اللہ" کہا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اُس کو منع فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چھینک کے وقت "والسلام علی رسول اللہ" کہنا نہیں سکھایا ہے بلکہ فرمایا ہے کہ "الحمدللہ علیٰ کل حال" کہا کرو۔ (ترمذی شریف جلد۲ ص ۹۸)

جوابِ سوال نمبر(۵): دیگر اماموں کی بات چھوڑیئے بریلوی حضرات کے امام و مجتہد تک نے اپنی کتاب "بذل الجوائز علی الدعاء بعد صلوٰۃ الجنائز" ص۲۹ میں تحریر کیا ہے کہ نمازِ جنازہ میں سلام پھیرنے کے بعد دُعا کی خاطر دیر نہ کریں کیونکہ یہاں شرعاً جلدی کا حکم ہے (ملخصاً)

جوابِ سوال نمبر(۶): فقہ حنفی کی ایک دو نہیں متعدد معتبر کتابوں میں نمازِ جنازہ کے بعد وہیں ٹھہر کر دُعا مانگنے سے منع کیا گیا ہے۔

مثلاً: (۱) امام ابوبکر بن حامد الحنفی (تیسری صدی ہجری کے مشہور حنفی امام) فرماتے ہیں:"ان الدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ مکروہ"

ترجمہ: نمازِ جنازہ کے بعد دُعا مکروہ ہے)(محیط-باب الجنائز بحوالہ راہِ سنت ص ۲۰۷)

(۲) امام شمس الائمہ الحلوائی الحنفی (المتوفی ۴۵۴ھ) وغیرہ فرماتے ہیں: لایقوم الرجل بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ

ترجمہ: نمازِ جنازہ کے بعد کوئی آدمی دعا کے لیے نہ ٹھہرے۔ (قنیہ جلد ا ص ۵۶ بحوالہ راہِ سنت ص ۲۰۷)

(۳) امام طاہر بن احمد البخاری الحنفی (المتوفی ۵۴۲ھ) لکھتے ہیں:

ترجمہ: ''نمازِ جنازہ کے بعد اور اسی طرح اس سے قبل میت کے لیے قرآن پڑھ کر دُعا نہ کی جائے۔ (خلاصۃ الفتاوٰی جلد ا ص ۲۲۵)

(۴) علامہ سراج الدین اودی الحنفی (المتوفی فی حدود ۷۰۰ھ) فرماتے ہیں:

''اذافرغ من الصلوٰۃ لایقوم بالدّعاء''

ترجمہ: جب نمازِ جنازہ سے فارغ ہو جائے تو دُعا کے لیے نہ ٹھہرے۔ (فتاوٰی سراجیہ ص ۲۳ بحوالہ راہِ سنت ص ۲۰۷)

(۵) علامہ ابنِ الحاج مالکی (المتوفی ۷۳۷ھ) بھی ٹھہر کر دُعا کرنے کو خلافِ سنت قرار دیتے ہیں۔ (المدخل جلد سوم ص ۲۶۳)

(۶) امام حافظ الدین محمد بن شہابؒ کردری الحنفی (المتوفی ۸۲۷ھ) فرماتے ہیں:

''لایقوم بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ''

ترجمہ: (نماز جنازہ کے بعد دعا کے لیے نہ ٹھہرے) (فتاوٰی بزازیہ علی ہامش العالمگیریہ ج ا ص ۸۰)

(۷) علامہ ابنِ نجیم الحنفیؒ (المتوفی ۹۷۰) لکھتے ہیں: ''ولایدعوا بعد التسلیم''

ترجمہ: سلام پھیر لینے کے بعد دُعا نہ کرے) (بحر الرائق جلد سوم ص ۱۹۷)

(۸) ملاعلی قاری الحنفی (المتوفی ۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں: ''ولایدعوا للمیت بعد صلوٰۃ الجنازۃ''

ترجمہ: نمازِ جنازہ کے بعد میت کے لیے دُعا نہ کرے (مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۴ ص ۶۴)

(۹) مفتی سعداللہ الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۹۲ھ) لکھتے ہیں کہ: خالی از کراہت نیست زیرا کہ اکثر فقہا بوجہ زیادہ بودن برامر مسنون منع میکنند''۔

ترجمہ: یہ دُعا کراہت سے خالی نہیں ہے کیونکہ اکثر فقہا اس کو امر مسنون پر زائد ہونے کی وجہ سے منع کرتے ہیں۔ (فتاوٰی سعدیہ ص ۱۳۰)

(۱۰) مولانا عبدالحیؒ لکھنوی (المتوفی ۱۳۰۴ھ فرماتے ہیں)

ترجمہ: نمازِ جنازہ کے بعد دعا کرنا مکروہ ہے (نفع المفتی والسائل ص ۱۴۳)

(۱۱) احمد رضا خان صاحب بریلوی بانی "فرقہ بریلویہ" لکھتے ہیں:

"یہ بھی لازم ہے کہ صرف اس دُعا کی غرض سے جنازہ اُٹھانے کو تعویق و درنگ (تاخیر) میں نہ ڈالیں کہ یہاں شرعاً تعجیل (جلدی) مامور ہے اور دعا کچھ تعویق پر موقوف نہیں اتنے کلمات "اَللّٰھُمَّ لاتحرمنااجره ولاتفتنا بعده واغفرلنا وله"۔ بلکہ اس سے زائد جنازہ اُٹھاتے اُٹھاتے کہہ سکتے ہیں۔ (بذل الجوائز علی الدعاء بعد صلوٰۃ الجنائز ص ۲۹)

جوابِ سوال نمبر (۷): تیسری صدی، پھر پانچویں صدی، چھٹی صدی، ساتویں صدی، آٹھویں صدی، نوویں صدی، دسویں صدی، گیارھویں صدی اور پھر تیرھویں چودھویں صدی کے جن اکابر کے فتوے اور تحریرات نمازِ جنازہ کے بعد ٹھہر کر دُعا نہ مانگنے کے سلسلہ میں ہم نے جواب نمبر ۶ میں پیش کئے ہیں اور آخر میں آپ کے عقیدے کے مطابق ہر قسم کی غلطی اور لغزش سے پاک فاضل بریلوی احمد رضا خان صاحب کا حوالہ بھی پیش کر دیا ہے۔ اب اگر آپ میں ہمت ہے تو اِن سب کے بارے میں فتویٰ جاری کر دیجئے کہ یہ سب حضرات غیر سنی اور غیر صحیح العقیدہ لوگ تھے ورنہ اپنے غلط نظریات وعقائد سے توبہ کر کے جلد سے جلد سنی حنفی بن جائیے اور نمازِ جنازہ کے بعد وہیں ٹھہر کر قرآن کی سورتیں پڑھ کر اور دعا مانگ کر جنازہ اُٹھانے میں دیر کرنے کی بجائے سلام پھیرنے کے فوراً بعد جنازہ اُٹھا کر قبرستان چلیئے اور جنازہ اُٹھانے سے لیکر قبرستان تک سارے راستہ قل شریف وغیرہ پڑھ کر مردہ کو ثواب وغیرہ پہنچاتے رہیے۔

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد دوم کے حوالہ سے ایک اور جھوٹ

آخر میں چلتے چلتے ایک اور سفید جھوٹ یہ لکھ دیا ہے کہ فتاویٰ دیوبند جلد دوم میں یہ لکھا ہے کہ ''نمازِ جنازہ کے بعد وہاں قرآن پاک پڑھ کر ایصالِ ثواب کر سکتے ہیں''۔

حالانکہ فتاوی دارالعلوم دیوبند جلد اوّل (عزیز الفتاوی) ص ۸٦، ۸۷ اور فتاوی دارالعلوم دیوبند جلد دوم (امداد المفتیین، ص ۸۵) پر صاف صاف نمازِ جنازہ کے بعد دُعاء اور قرآن پڑھنے کو بدعت کہا گیا ہے اگر ہمت ہے تو فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد دوم سے یہ حوالہ دکھائیں کہ نمازِ جنازہ سے فارغ ہونے کے بعد جنازہ کی چارپائی اُٹھانے سے قبل وہیں ٹھہر کر ایصال ثواب کرنا چاہیے۔

میت کو قبر میں داهنی کروٹ پر لٹانا:

عام طور پر لوگ میت کو قبر میں چت لٹاتے ہیں اور صرف چہرہ قبلہ کی طرف کر دیتے ہیں حالانکہ سنت یہ ہے کہ میت کو داہنی کروٹ پر لٹایا جائے جیسا کہ کتبِ فقہ میں اس کی صراحت موجود ہے حضرت قاری صاحبؒ نے لوگوں کو اس طرف توجہ دلائی اور کئی مقامات پر خود پیش قدمی کر کے اس سنت کو زندہ کیا، الحمدللہ آپ کے متعلقین ہر موقع پر اس سنت کو زندہ کرنے لگے ہیں۔

تعزیت کے موقع پر ہاتھ اُٹھا کر دُعاء:

آج کل لوگوں نے تعزیت کے مسنون طریقہ کو چھوڑ کر یہ انداز اپنا لیا ہے کہ جب بھی کوئی شخص میت کے گھر تعزیت کے لیے جاتا ہے تو سلام و کلام کے بعد فاتحہ پڑھ لیجئے کہہ کر ہاتھ اُٹھ کر دُعا شروع کر دیتا ہے، سارے لوگ اس کے ساتھ دُعا مانگنے لگتے ہیں اور صبح سے شام تک نہ جانے کتنی مرتبہ یہ دُعا ہوتی ہے اور ہوتی بھی انتہائی بے توجہی اور بے رغبتی کے ساتھ ہے، حیرت کی بات یہ ہے کہ بہت سے صحیح العقیدہ لوگ بھی اس طریقہ پر عمل پیرا ہیں اور اس طریقہ کو اس قدر ضروری سمجھ لیا گیا ہے کہ اگر کوئی اس طرح نہ کرے تو اُسے بُرا سمجھا جاتا ہے۔

اگر اتفاقاً ایسا ہوتا کہ آنے والا تعزیت کے موقع پر ہاتھ اُٹھا کر دُعا کر لیتا نہ اُسے ضروری سمجھتا اور نہ ہی ایسا نہ کرنے والے کو برا جانتا تو کوئی مضائقہ نہ تھا لیکن اِسے اس قدر ضروری سمجھ لینا کہ اس کے نہ کرنے والے کو برا سمجھا جانے لگے یہ طرزِ عمل اِسے بدعت بنا دیتا ہے، حضرت قاری صاحبؒ نے اِس پر توجہ فرمائی اور اپنے احباب و متعلقین کو توجہ دلائی کہ یہ طریقہ بدعت کے زمرہ میں آچکا ہے لہٰذا اِسے ترک کر دینا چاہئے اور تعزیت کا جو مسنون طریقہ ہے وہ اپنانا چاہئے۔ اس سلسلہ میں حضرت قاری صاحبؒ نے اپنے والد حضرت مفتی عبدالحمید صاحب مدظلہ کے حوالہ سے یہ واقعہ سنایا کہ

’’حضرت مفتی فقیر اللہ صاحب رحمہ اللہ بانی جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے صاحبزادے قاری لطف اللہ صاحب کا جب ایک حادثہ میں انتقال ہوا تو اہل حق میں سے ایک عالم تعزیت کے لیے ان کے پاس تشریف لے گئے اور دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے۔ حضرت مفتی فقیر اللہؒ صاحب نے فوراً فرمایا کہ مولانا کیا یہ حدیث سے ثابت ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت غلطی ہوئی اور ہاتھ چھوڑ دیئے‘‘۔

آج کل چونکہ بہت سے حضرات اس عمل کو اپنا رہے ہیں اور اسی پر بس نہیں مختلف تاویلوں سے اسے جائز قرار دینے پر کمر بستہ ہیں اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متعلق مفتیانِ کرام کی رائے پیش کر دی جائے تا کہ اس کی روشنی میں آسانی کے ساتھ اس فعل کے اپنانے یا چھوڑنے کا فیصلہ کیا جا سکے۔

راقم الحروف نے اس سلسلہ میں دارالعلوم دیوبند اور ملک کے معروف مدارس میں ایک استفتاء مرتب کر کے ارسال کیا تھا۔ ذیل میں استفتاء اور اُس کے جوابات کے عکس ملاحظہ فرمائیں۔

استفتاء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارہ میں کہ آج کل لوگوں نے تعزیت کا یہ طریقہ اپنا لیا ہے کہ جب وہ میت کے گھر جاتے ہیں تو یہ کہہ کر کہ فاتحہ پڑھ لیجئے ہاتھ اُٹھا کر دُعا شروع کر دیتے ہیں اُن کے ساتھ باقی لوگ بھی ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگنے لگتے ہیں، کیا تعزیت کے موقع پر اس طرح ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگنا صحیح ہے؟ بعض حضرات یہ

انداز اپناتے ہیں کہ تعزیتی کلمات کہہ کر چند لمحے توقف کرتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ ایصال ثواب کے لیے دُعا کر لیجئے، آیا یہ طریقہ بھی صحیح ہے یا نہیں؟

براہِ کرم تفصیل کے ساتھ اس مسئلہ کی وضاحت فرما کر عنداللہ ماجور اور عندالناس مشکور ہوں۔

والسلام
نعیم الدین

خادم جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ، لاہور
۱۲رشعبان المعظم ۱۴۱۶ھ/۴رجنوری ۱۹۹۶ء

فتوٰی دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! - تعزیت کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ اتفاقاً انفرادی طور پر میت کے گھر والے اور عزیز و اقارب کو صبر کی تلقین کرے اور تسلی کے کچھ کلمات کہہ دے، ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ثابت نہیں - یہ دوسرا طریقہ بھی صحیح نہیں یعنی تعزیت کے چند کلمات کہہ کر توقف اور سکوت اختیار کرنا پھر دعا کرنا یہ بھی شریعت سے ثابت نہیں، صرف تعزیت کے چند کلمات کہہ دینا تعزیت کی سنت کی ادائیگی کے لیے کافی ہے - فقط واللہ اعلم کتبہ حبیب الرحمن عفا اللہ عنہ

مفتی دارالعلوم دیوبند
۱۱ رمحرم ۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح
[illegible] عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح
[illegible]
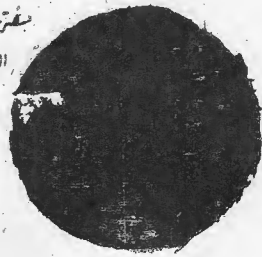
فتوی دارالعلوم کراچی

۷۸۶

مروجہ طریقہ کے مطابق تعزیت کیلئے ہاتھ اٹھاکر فاتحہ پڑھنا اور دعا کرنا شرعاً ثابت نہیں ہے۔ اس لئے تعزیت کیلئے رسمی طور پر ہاتھ اٹھانا درست نہیں کیونکہ تعزیت کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ میت اور اس کے اقارب کیلئے دعا کی جائے اور ان کو صبر دلایا جائے، البتہ انفرادی طور پر اگر میت کیلئے ہاتھ اٹھاکر مغفرت اور بلندی درجات کی دعا کرلی جائے تو شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں۔

فی الهندية ج ۱ ص ۱۶۷ : ويستحب أن يقال

لصاحب التعزية غفر الله تعالى لميتك وتجاوز عنه وتغمده برحمته ورزقك الصبر على مصيبته وآجرك على موته، كذا في المضمرات ناقلاً عن الحجة. والله سبحانه اعلم

محمد کمال الدین عفی عنہ
دار الافتاء دار العلوم کراچی ۱۴
۲۵-۸-۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح
بندہ محمود اشرف غفر اللہ لہ
۲۵/۸/۱۴۱۶ھ

دار الافتاء
فتویٰ نمبر ۸۱/۲۰۸

۱/۹/۱۴۱۶ھ

فتویٰ جامعة العلوم الاسلامیة
علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

الجواب باسمہ تعالیٰ

واضح رہے کہ اہل میت کے ہاں تعزیت کیلئے جانا بہتر اور مستحسن ہے۔ اور وہاں جاکر صاحب میت کو تعزیتی کلمات کہنا اور تسلی دینا چاہیے مثلاً یہ کہے کہ اللہ پاک آپ کے میت کو بخش دے اور ان کے گناہوں کو معاف کرے اور اللہ پاک ان کو اپنی رحمت کے سایہ میں جگہ عطا فرمائے اور اس کے مرنے پر اللہ آپ لوگوں کو صبر کی توفیق عطا فرمائے کما قال فی الهندیة

التعزیة لصاحب المصیبة حسن کذا فی الظهیریة .... ویستحب ان یقال لصاحب التعزیة غفر الله تعالیٰ لمیتك وتجاوز عنه وتغمده برحمته ورزقك الصبر علی مصیبته وآجرك علی موته کذا فی المضمرات نا قلا عن الحجة الخ فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۶۷ وقال فی الشامیة فی شرح المنیة وتستحب التعزیة للرجال والنساء اللاتی لا یفتن لقوله علیه الصلاة والسلام "من عزی أخاه بمصیبة کساه الله من حلل الکرامة یوم القیمة" رواه ابن ماجه وقوله علیه الصلاة والسلام "من عزی مصابا فله مثل أجره" رواه الترمذی وابن ماجه والتعزیة ان یقول اعظم الله اجرك واحسن عزاءك وغفر لمیتك فتاویٰ شامی ص ۲۴۰ ج ۲

باقی اگر وہاں جاکر دعا کیلئے ہاتھ اُٹھا دیں اور اس کو ضروری نہ سمجھے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔

لیکن جہاں تک آج کل کا رواج بنا ہوا ہے کہ گھروں میں مستقل طور پر تین دن تک بیٹھے رہتے ہیں اور لوگوں میں سے ایک ایک دو دو آتے ہیں اور ہر ایک باری باری ہاتھ اٹھاتے ہیں یہ محض ایک رواج ہے شریعت میں اس قسم کی تعزیت اور دعا کا کوئی اصل نہیں ہے۔ باقی جہاں تک میت کے ایصال ثواب کرنے کا طریقہ ہے تو اس کیلئے قرآن پاک کی تلاوت اور صدقہ وخیرات کر کے بغیر دن یا تاریخ مقرر کئے اس کا ثواب بخشا جاسکتا ہے اور مردوں کو اس کا ثواب بھی ملتا ہے

وفی البحر: من صام او صلی او تصدق وجعل ثوابه لغیره من الاموات والاحیاء جاز ویصل ثوابها الیهم عند اهل السنة والجماعة کذا فی البدائع فتاویٰ شامی ج ۲ ص ۲۴۳

لیکن کسی سورة کو خاص کر کے کہ صرف اس کو پڑھ کر ثواب پہنچاتا ہے جیسا کہ آجکل بعض علاقوں رواج بن چکا ہے تو شریعت میں اس کی بھی اصل نہیں ہے

فقط واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

کتبہ
سلیم جان (مردانی) عفا اللہ عنہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
دار الافتاء جامعة العلوم الاسلامیہ
علامہ بنوری ٹاؤن کراچی نمبر ۵

الجواب صحیح
محمد عبد السلام عفا اللہ عنہ

فتویٰ جامعہ خیرالمدارس ملتان

الجواب

تعزیت مسنونہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا ثابت نہیں حضرات فقہاء نے تعزیت کرنے والے کے لئے لکھا ہے کہ ان الفاظ سے تعزیت کرے ویقول عظم اللہ اجرک واحسن عزائک وغفر لمیتک (شامی ص ۸۴۳ ج ۱ خیر الفتاویٰ ۲۱۸/۳) فقط واللہ اعلم

بندہ محمد صدیق کمہ عفا اللہ عنہ
دارالافتاء جامعہ خیرالمدارس ملتان
۱۰ ۹/۱۶ھ
حوالہ نمبر ۲۶۳/۳

الجواب صحیح
عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی جامعہ خیرالمدارس ملتان

فتویٰ جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور

الجواب باسم ملہم الصواب حامداً ومصلیاً

— رد المحتار میں ہے والتعزیۃ ان یقول اعظم اللہ اجرک واحسن عزاءک وغفر لمیتک ص ۲۶۳/۱
یعنی تعزیت کا طریقہ یہ ہے کہ تعزیت کرنے والا میت کے ولی سے [illegible] مذکورہ بالا الفاظ کہے جن کا ترجمہ یہ ہے اللہ تعالیٰ [illegible] تمہارے اجر کو بڑا کرے اور تمہارے صبر کو اچھا کرے اور تمہارے میت کی مغفرت فرمائے۔
الفاظ ہی بتا رہے ہیں کہ یہ کلمات میت کے ولی کو مخاطب کرکے کہنے ہیں اس لئے ہاتھ اٹھانے کا موقع نہیں۔
— ایصال ثواب [illegible] تو اس کا ثبوت منقول ہے اور نہ ہی اس میں دوسرے کو اس طرح جیسے مجبور کیا جاسکتا ہے۔ ایصال ثواب کرنا ہے تو اپنے طور پر کچھ پڑھیں اور [illegible] خود ہی اس کا ثواب میت کو پہنچا دیں اور دعا کرلیں۔ چونکہ خلاف اصل رواج پڑ گیا ہے لہٰذا میت کے اقرباء کو چاہیئے کہ سامنے ایصال ثواب کے لئے جانے والوں سے علیحدہ بیٹھا کریں تاکہ صرف رسم نہ ہو سکے [illegible] فقط واللہ تعالیٰ اعلم
[illegible]

فتویٰ مفتی رشید احمد لدھیانویؒ

مفتی رشید احمد صاحبؒ ایک سوال کے جواب میں رقم طراز ہیں۔

”تعزیت کی دعا میں ہاتھ اٹھانا بدعت ہے“ [1]

---

[1] احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۱۳۵

ایصالِ ثواب

آج کل ایصالِ ثواب کے نام سے جس قدر بدعات کی جارہی ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں۔

جمعراتیں، ختم، قل، تیجا، ساتواں، دسواں، چالیسواں، برسی، عرس وغیرہ وغیرہ یہ سب بدعات ہیں اوران کا اس قدر رواج ہو چکا ہے کہ اکثر تعلیم یافتہ اور سمجھ دار لوگ بھی ان کا شکار نظر آتے ہیں۔ حضرت قاری صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہم ایصالِ ثواب کے قائل ہیں لیکن ایصال ثواب شریعت کے مطابق ہونا چاہئے۔ اگر شریعت کے خلاف کیا جائے گا تو سب بیکار اور رائیگاں چلا جائے گا۔ چونکہ شریعت میں اِن بدعات وخرافات کا کوئی وجود نہیں لہٰذا انہیں فوراً چھوڑ دینا چاہیے، قاری صاحبؒ نے علمی اور عملی طور پر ان بدعات کے مٹانے میں پوری جدوجہد سے کام لیا، بہت سے لوگوں کو بات سمجھ میں آگئی اور وہ اِن بدعات سے تائب ہو گئے۔

آپ کی زندگی میں آپ کی والدہ محترمہ کا انتقال ہوا تو آپ نے اِن تمام بدعات کو عملاً ختم کر کے دکھلایا حتیٰ کہ اجتماعی قرآن خوانی بھی نہیں کی، اپنے طور پر جو بھی جس قدر پڑھ پڑھ کر ایصال ثواب کر سکا اس نے کیا۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ جامعہ مدنیہ کے ایک اُستاذ حافظ نذیر احمد صاحب مرحوم کی تدفین کے بعد کسی نے اعلان کیا کہ ''کل ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی ہوگی سب حضرات شریک ہو کر ثواب دارین حاصل کریں'' آپ نے فوراً فرمایا ''ثواب حاصل کریں یا عذاب''۔

آپ نے ہمیں حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا قصہ سنایا کہ جب آپ کی ہمشیرہ فوت ہوئیں تو مُسترشدین نے چاہا کہ اہتمام کے ساتھ اِیصالِ ثواب کیا جائے

چنانچہ حضرتؒ سے استفسار کیا، فرمایا کہ اکٹھے ہونے کی ضرورت نہیں اپنے طور پر جو پڑھ کر بخش سکے بخش دے اور مجھے بتلائے بھی نہیں کہ میں نے اتنا پڑھا ہے حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اپنے لیے جو وصیت تحریر فرمائی ہے وہ بھی سنائی۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''میرے ایصالِ ثواب کے لیے کبھی جمع نہ ہوں، نہ اہتمام سے نہ بلا اہتمام، اگر کسی دوسرے اتفاق سے بھی جمع ہو جاویں تو تلاوت وغیرہ کے وقت قصداً متفرق ہو جاویں اور ہر شخص منفرداً بطور خود جس کا دل چاہے دُعا وصدقہ نافلہ سے نفع پہنچاوے، نیز میری مستعمل چیزوں کے ساتھ متعارف طریق سے تبرکات کا سا معاملہ نہ کریں، البتہ اگر کوئی محبت سے شرعی طریق سے اس کا مالک بن کر مخفی طور پر اپنے پاس رکھے مضائقہ نہیں، اس کا اعلان اور دوسرں کے دکھلانے کا اہتمام نہ کیا جاوے''[۱]

ایام منانے سے پرہیز:

اہلِ بدعت کے ہاں رواج ہے کہ وہ مختلف انداز سے ایام مناتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یومِ ولادت ''عید میلاد النبی'' کے نام سے مناتے ہیں۔ دیگر کسی بزرگ کا یومِ وفات ''عرس'' کے نام سے اور عوام میں سے کسی کا یومِ وفات ''برسی'' کے نام سے مناتے ہیں اہلِ بدعت کے یہاں اِن ایام کی بڑی اہمیت ہوتی ہے اور وہ انہیں انتہائی تزک واحتشام کے ساتھ کارِ ثواب سمجھ کر مناتے ہیں۔ حالانکہ ایام منانا بدعت ہے شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں۔

تجربہ کی بات ہے کہ جب برائی کا بہت زیادہ شیوع ہو جاتا ہے تو اچھے بھلے لوگ بھی اس کی رَو میں بہنے لگتے ہیں، افسوس کا مقام ہے کہ موجودہ دور میں بہت

---

[۱] اشرف السوانح ج ۳ ص ۱۲۹

سے علماء وعوام بھی اس ابتلاء کا شکار ہو رہے ہیں اور مختلف ناموں اور مختلف عنوانات سے اکابر علماء دیوبند کے مسلک و موقف کے برخلاف یہ ایام منانے میں مشغول ہیں۔ حضرت قاری صاحب مرحوم اس پر سخت افسوس کا اظہار کیا کرتے تھے اور قولاً و فعلاً اس چیز کی سختی سے تردید کیا کرتے تھے، فرماتے تھے یہ چیز نہ شریعت سے ثابت ہے اور نہ ہی ہمارے اکابر کا یہ مسلک و موقف ہے پھر نہ جانے یہ لوگ کیوں ایسا کرتے ہیں؟ اس سلسلہ کو روکنے کے لیے آپ نے باقاعدہ جدوجہد کی اور حضرت سیّد نفیس الحسینی شاہ صاحب دامت برکاتھم کی معیت میں اِن لوگوں کو سمجھانے کے لیے بہت سے سفر کیے اور میٹنگز کا اہتمام کیا، آخری میٹنگ حضرت شاہ صاحب کے گھر مورخہ ۲ رجب ۱۴۱۲/ ۸/ جنوری ۱۹۹۲ء میں منعقد ہوئی اور اس میں ایک تحریر لکھی گئی جس میں اس وقت موجود علماء نے دستخط کیے سند کے طور پر اس میٹنگ کے دعوت نامے اور اس میں طے پانے والی تحریر کا عکس پیش کیا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرات علماء کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ان دنوں اخبارات میں خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یوم وفات سرکاری سطح پر منانے کی اپیلیں کی جارہی ہیں۔ اس سے پہلے حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے ایام وفات منانے کی اپیلیں بھی شائع ہوتی رہی ہیں۔ اس سلسلے میں آپ حضرات کی خدمت میں التماس کی جاتی ہے کہ آپس میں مل بیٹھ کر غور کیا جائے کہ آیا یہ اقدام ہمارے اکابر کے مسلک حقہ کے مطابق ہے یا نہیں؟

اس موضوع پر ۱۰ رجب ۱۴۱۲ھ / ۱۶ جنوری ۱۹۹۲ء کو ۱۰ بجے قبل دوپہر

نفیس منزل، کریم پارک، لاہور میں ایک مجلس مذاکرہ منعقد ہوگی۔

براہِ کرم تشریف لاکر ممنون فرمائیں۔

نیازمند

احقر نفیس الحسینی

۲ رجب ۱۴۱۲ھ / ۸ جنوری ۱۹۹۲ء

عبدالرشید غفرلہ

معانقہ میں وحدت:

سفر سے آنے والے یا دیر بعد ملنے والے شخص سے مصافحہ و معانقہ سنت ہے، عام طور پر بلاتفریق تقریباً سب لوگ معانقہ کرتے ہوئے تین دفعہ گلے لگتے ہیں، حالانکہ صرف ایک دفعہ ہی گلے لگنا سنت ہے، عجیب بات ہے کہ اس طرف کسی کا ذہن بھی نہیں جاتا، حضرت قاری صاحبؒ نے اس طرف بھی احباب کو متوجہ کیا اور یاد دلایا کہ بھائی معانقہ میں صرف ایک دفعہ گلے لگنا ہی سنت ہے لہٰذا وحدت کو اپناؤ نہ کہ تثلیث کو۔

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کا ایک فتویٰ اسی سلسلہ کا نظر سے گزرا موقع کی مناسبت سے ذکر کیا جاتا ہے۔

سوال:- معانقہ کا سنت طریقہ کیا ہے بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ تین مرتبہ کاندھے سے ملتے ہیں اور بعض لوگ صرف ایک طرف ملتے ہیں، صحیح طریقہ کیا ہے؟

الجواب:- حامدًا و مصلیًا- صرف ایک طرف کافی ہے، فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم حررہ محمود غفرلہ[1]

دعوت میں کھانے کے بعد اجتماعی دُعاء:

حضرت قاری صاحب مرحوم نے کئی مقامات پر دیکھا کہ دعوت میں کھانے سے فراغت پر علماء و عوام اہلِ خانہ کے لیے ہاتھ اُٹھا کر اجتماعی دُعاء کرتے ہیں۔ آپ نے اُن علماء کو اس طرف توجہ دلائی کہ ایسا کرنا ٹھیک نہیں ہے کیونکہ یہ سنت سے ثابت نہیں۔ احادیثِ مبارکہ میں یہ تو ضرور آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میزبان کے حق میں دُعائیہ کلمات کہے، لیکن اس موقع پر آپ کا ہاتھ اُٹھا کر اجتماعی دُعاء کرنا منقول نہیں۔ لہٰذا ہمیں یہ طریقہ ترک کر دینا چاہیے۔ چنانچہ آپ

---

[1] فتاویٰ محمودیہ ج ۵ ص ۱۷۲

ہمیشہ اس سے احتراز فرماتے تھے۔

حضرت مولانا مفتی سیّد عبدالرحیم لاجپوریؒ کا فتویٰ بھی یہی ہے کہ کھانے کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دُعاء مانگنا سنت سے ثابت نہیں، ملاحظہ فرمائیے۔

”**کھانے کے بعد دُعاء میں ہاتھ اُٹھانا:** سوال:۔

(۱۸۶۷) کھانے کے بعد دُعاء پڑھی جاتی ہے۔ اس میں ہاتھ اُٹھانا ثابت ہے؟ ثابت ہو تو کتاب کا حوالہ ضرور لکھیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھانا تناول فرمانے کے بعد دُعاء پڑھتے تھے لیکن اس میں ہاتھ اُٹھانا منقول نہیں اور بہت سے ایسے مواقع ہیں کہ دُعاء میں ہاتھ اُٹھانا ثابت نہیں ہے جیسے مسجد میں داخل ہوتے وقت اور نکلتے وقت، بیت الخلاء میں جاتے اور نکلتے وقت، زوجین کے ملنے اور جدا ہونے کے وقت، سونے کے وقت اور بیدار ہونے کے وقت، اور طواف کی دُعاؤں میں رفع یدین ثابت نہیں ہے، طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے وَدَلَّ الحدیثُ اذا لَمْ یَرْفَعْ یدیه فی الدعاء لم یمسح بهما وهوقیدٌ حسنٌ لانه صلیّ اللّٰه علیه وسلم کان یدعو کثیراً کما هو فی الصلوٰة والطواف وغیرهما من الدعوات الماثورة دُبُرَالصلوٰة وعندالنوم وبعدالاکل وامثال ذلک ولم یرفع یدیه ولم یمسح بهما وجهه افادهٗ فی شرح المشکوة و شرح الحصن الحصین وغیرهما۔ یعنی: حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جب دُعاء میں ہاتھ نہ اُٹھائے تو ہاتھوں کو چہرہ پر بھی نہ پھیرے، یہ قید اچھی ہے، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم بسا اوقات نماز میں، طواف میں، سونے کے وقت اور کھانا

تناول فرمانے کے بعد اور ان کے علاوہ مواقع میں دُعا فرماتے تھے، اس وقت نہ ہاتھ اُٹھاتے تھے اور نہ ان کو اپنے چہرۂ انور پر پھیرا کرتے تھے (طحطاوی علی مراقی الفلاح نمبر ۱۸۵ فصل فی صفتہ الاذکار فقط واللہ اعلم بالصواب" [۱]

تقریبات میں شرکت اور منکرات سے پرہیز:

کسی مسلمان بھائی کی دعوت قبول کرنا اور اس میں شریک ہونا سنت ہے، لیکن یہ اس وقت ہے جبکہ وہ دعوت منکرات ومناہی سے خالی ہو ورنہ سنت نہیں، ہمارے اکابر رحمھم اللہ دعوتوں میں شرکت فرمایا کرتے تھے، لیکن اگر وہاں منکراتِ شرعیہ پائی جاتیں تو فوراً واپس لوٹ آتے تھے، چنانچہ حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی رحمہ اللہ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ (م: ۱۳۴۶/ ۱۹۲۷) کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

(۱) آپ کسی تقریب نکاح میں میرٹھ صدر تشریف لائے۔ لڑکے والے نے درخواست کی کہ تبرکاً دولھا کو کپڑے حضرت پہناویں۔ آپ وہاں تشریف لے گئے جہاں دولھا غسل کے بعد کپڑے پہننے کا منتظر کھڑا تھا، بندہ بھی ساتھ تھا۔ کرتہ پاجامہ تو آپ نے اُٹھا کر دیدیا۔ اچکن کا نمبر آیا تو آپ نے کہا دیکھنا کیا ریشم کی ہے؟ میں نے غور سے دیکھ کر عرض کیا کہ جی حضرت ریشم ہی معلوم ہوتا ہے آپ نے اس کو رکھ دیا اور فرمایا اس کا پہننا اور پہنانا حرام ہے۔ پھر ٹوپی دیکھی تو وہ بھی مغرق [۲] اس پر حضرت نے تیز لہجہ میں فرمایا یہ بھی حرام۔ لڑکے والے کچھ محتاط نہ تھے انہوں نے حضرت کے انکار کی پرواہ نہ کی اور خود اُٹھا کر دولھا کو پہنا دیا۔ حضرت کا چہرہ غصہ سے سرخ

---

[۱] فتاویٰ رحیمیہ ج ۶ ص ۳۳۵

[۲] زری کے کام سے بالکل غرق کپڑا نظر نہیں آتا تھا ایسی جائز نہیں اگر زری سچی یعنی سونا یا چاندی ہو

ہو گیا مگر تحمل فرمایا اور مجھ سے یہ کہہ کر کہ چلو وہاں سے واپس ہو گئے۔ آپ قیام گاہ پر بھی نہ آئے اور رنج و افسوس میں بھرے ہوئے حاجی وجیہہ الدین صاحب کے مکان پر آ بیٹھے فرمایا یہ کیا تعلق ہے کہ معصیت میں شریک کرنے کو بلاتے ہیں۔ اس نکاح میں شریک ہونے والے سب گنہگار ہوں گے جہاں دولھا حرام لباس پہنے بیٹھا ہو کہ کوئی عامل ہے اور کوئی اس پر راضی۔ یہ سن کر سب میں ہل چل مچ گئی کہ برادری کا قصہ تھا اور حضرت کے ساتھ کئی لوگوں کو تعلق تھا کہ نہ حضرت کو چھوڑ سکیں نہ برادری کو، دوڑے ہوئے گئے کہ کسی طرح دولھا کے کپڑے بدلوا دیں مگر بہتیرے تھے جن کو نہ حضرت سے تعلق تھا نہ اتباع شریعت کا اہتمام اس لیے وہ تبدیلِ لباس کو نحوست اور بدشگونی سمجھتے اور کہتے تھے کہ جو دُلہن کے ہاں سے جوڑا آیا ہے وہی پہننا ضروری ہے۔ مگر یہ دوڑ دھوپ کرنے والے سر برآوردہ اور مدبر تھے آخر کامیاب ہوئے اور حاجی وجیہہ الدین صاحب مصری کپڑے کی بیش قیمت اپنی اچکن نکال کر جلدی سے پہنچے کہ اس سے بہتر تو دولھا کو یہ جوڑا کیا ہندوستان میں بھی کہیں نصیب نہ ہوگا۔ وہ پہنا کر اور ٹوپی کے بجائے عمامہ بندھوا کر حضرتؒ کے سامنے لے آئے کہ حضرت اب تو تشریف لے چلیں، اس وقت آپ اُٹھے اور شریکِ عقد ہوئے''[1]

مزید تحریر فرماتے ہیں:

(۲) ایسا ہی ایک قصہ دہلی میں پیش آیا کہ بندہ اس وقت بھی ساتھ تھا اور گو عقد کی شرکت میں مدعو ہو کر حضرت نہیں گئے تھے مگر

---

[1] تذکرۃ الخلیل ص ۳۲۲

قیامِ دہلی میں اس عقد کا اتفاق ہوا اور دولھا کے اعزہ نے شرکت پر اصرار کیا۔ وہی دولھا کے کپڑے پہننے کا وقت آیا تو حضرت کو بلایا گیا اور حضرت نے ریشمی لباس دیکھ کر اس کو جھٹک جھٹک دیا۔ یہاں اتنا اضافہ اور ہوا کہ حضرت نے جب کپڑا جھٹک دیا تو فوراً دوسرے نے کھڑے ہو کر پہنا دیا۔ حضرت وہاں سے اُٹھ کر حکیم جمیل الدین صاحب کے مطب میں آ بیٹھے اور مجھ سے فرمایا کہ تانگہ لاؤ کہ چلیں اسٹیشن پر، یہاں صرف چند ہی تھے جو قوم اور شریعت کے مقابلہ کے امتحان میں پختہ اُترے کہ وہ برادری کو چھوڑ کر حضرت کے پاس آ بیٹھے ورنہ اکثر دیندار صورتوں نے کوشش ضرور کی کہ کپڑے تبدیل ہو جاویں مگر فریق ثانی کا پلہ بھاری تھا اور حضرت پر طعن و تشنیع ہونے لگا تو وہ بھی چپ ہو گئے، آخر دولھا کے ساتھ ہو لیے۔ اللہ جزائے خیر دے حاجی اسمٰعیل پٹنہ والوں کو کہ ایسا باہمت عالی حوصلہ شخص میری نظر سے نہیں گزرا۔ ہر چند کہ ان کے قریبی رشتہ دار کا قصہ تھا مگر ذرہ برابر پروانہ کی۔ میں دیکھ رہا تھا کہ اسی ادب وانبساط کے ساتھ حضرت کے پاس بیٹھے حضرت کا دل بہلا رہے تھے گویا کوئی قصہ ہی نہیں ہوا۔ حضرت نے کمال تأسف کے ساتھ فرمایا ''ہم لوگ اسی لیے امراء کی تقریبات میں شرکت کے قابل نہیں ہیں۔ وہ لوگ اپنی رسومات میں اتنے پختہ کہ حلال حرام کا لحاظ نہ کریں اور ہم شریعت پر پختہ ہو کر ان کی خوشی و ناراضی کی پروانہ کریں تو ہم کو طعن کرتے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے ہم دعوتوں کے بھوکے نہیں اور نہ کسی کی تقریب میں شرکت کی اُمنگ، دلداری کو بھی جی چاہتا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ معصیت کے مرتکب ہوں جس کا

دل چاہے ہم کو چھوڑ دے مگر ہم سے توقع نہ رکھے کہ خدا و رسول کو چھوڑ کر ان سے ملاپ کی خواہش رکھیں گے“۔

حاجی اسمٰعیل صاحب اپنی عادت کے موافق مُسکراتے اور عرض کرتے تھے کہ ”حضرت بالکل صحیح ہے اور یہ نئی پود تو ایسی آزاد اُٹھی ہے کہ قوم کے بڑوں کا بھی ان کو لحاظ نہیں رہا جہاں شریعت کا احترام گیا وضعداری کا بھی نام جاتا رہا۔ ان سے کوئی درخواست ہی کرنا حماقت ہے۔ ”میں تانگہ لینے اُٹھا تو حاجی صاحب نے فرمایا سواری موجود ہے حضرت اس میں جائیں گے۔ حضرت نے فرمایا نہیں آپ کو تکلیف ہوگی۔ عرض کیا کہ حضرت میرا گھر تو اسٹیشن کے راستہ میں ہے میں ساتھ چل کر وہاں اتر لوں گا اور حضرت اسٹیشن پر چلے جائیں گے چنانچہ ریل کا وقت جب قریب آ گیا تو حاجی اسمٰعیل صاحب حضرت کو اور مجھے لیکر اپنی گاڑی میں سوار ہوئے اور خود مکان کے قریب سڑک پر اُتر کوچبان سے کہا اسٹیشن پر لے جاؤ“۔[1]

حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنا ایک قصہ بیان فرماتے ہیں کہ

”میری علاتی ہمشیرہ (باپ شریک بہن) کی جو شادی ہوئی تھی اس میں سب مروجہ رسوم ہوئی تھیں، اس کا قصہ یہ ہے کہ اس کی والدہ کو عورتوں نے بہکایا اور یہ کہا کہ تمہاری ایک ہی تو بچی ہے دل کھول کر شادی کرنی چاہیئے، اگر یہ اندیشہ ہے کہ وہ یعنی میں شادی میں شرکت نہ کروں گا تو نکاح میں تو شرکت ہو ہی جائے گی اور جن رسموں کو برا کہیں گے اس میں شرکت نہ کریں گے نکاح تو سنت ہے اس میں تو ضرور ہی شریک ہوں گے، والدہ بیچاری بہکائے میں

---

[1] تذکرۃ الخلیل ص ۳۲۲

آ گئیں، برات آنے کا دن جمعہ کا دن تھا۔ میں نے جمعہ کی نماز جامع مسجد میں پڑھی اور باہر ہی باہر بہلی (گاڑی) میں بیٹھ کر بھینسانی پہنچ گیا، یہاں پر کسی سے ذکر نہیں کیا، حتیٰ کہ گھر والوں تک کو بھی خبر نہ کی، جب مغرب کا بعد ہوا تب نکاح پڑھانے کے لیے تلاش ہوئی میں نہ ملا، صبح کو وہیں پر رہا صبح دیر کر کے چلا اس خیال سے کہ ایک برائی کی بھی صورت نہ دیکھوں، پھر تو میری شرکت نہ کرنے کی وجہ سے سارے خاندان نے توبہ کی اور کہا کہ بڑی واہیات (حرکت) ہوئی، اب کبھی ایسا نہ کریں گے، جب سے اللہ کا فضل ہے خاندان میں کبھی کوئی رسم نہیں ہوئی'' [1]

یہی معمول حضرت قاری صاحبؒ کا تھا، آپ اپنے احباب کی دلجوئی نیز اتباعِ سنت میں تقریبات میں شرکت فرماتے، لیکن دینی وضع داری کا ہر جگہ خیال رکھتے، اگر وہاں خلافِ شرع چیزیں ہوتیں تو بغیر کھائے پیئے فوراً واپس آجاتے، پھر چاہے کوئی کتنا ہی اصرار کرتا آپ نہ جاتے۔

کھڑے ہو کر اور میز کرسی پر کھانے سے احتراز:

آج کل عام طور پر تقریبات میں یورپ کی تقلید کرتے ہوئے کھڑے ہو کر کھانے پینے کا رواج ہوتا جا رہا ہے، اگر کوئی زیادہ دینداری کا ثبوت دیتا ہے تو وہ میز کرسی پر کھانے کا اہتمام کر لیتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں طریقے خلافِ سنت ہیں صرف اور صرف پیسے کی نمائش اور مغرب زدہ لوگوں کی دیکھا دیکھی اپنائے جا رہے ہیں اور ان کے جواز کے لیے ضرورت اور مجبوری کو بہانہ بنایا جا رہا ہے، حالانکہ نہ ان کی کوئی ضرورت ہے نہ مجبوری، افسوسناک پہلو یہ ہے کہ ان

[1] الافاضات الیومیہ ج۲ ص۳۶۲

تقریبات میں دیندار اور اہلِ علم حضرات بھی شریک ہوتے ہیں اور تقریبات میں ان چیزوں کے لیے وجہ جواز بنتے ہیں۔

حضرت قاری صاحبؒ ایسی تقریبات میں ہرگز شریک نہیں ہوتے تھے، اور اگر کہیں بامرِ مجبوری جانا پڑتا تو بالکل الگ زمین پر بیٹھ کر کھانے کا اہتمام فرماتے تھے اور اگر کوئی اس پر آمادہ نہ ہوتا تو بغیر کھائے پیئے واپس چلے آتے تھے۔

اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ''اگر دیندار اور اہلِ علم حضرات ان تقریبات میں جانا چھوڑ دیں تو شاید عوام کی کچھ اصلاح ہو جائے، لیکن انتہائی دُکھ کی بات ہے کہ یہ لوگ بلاتکلف ان تقریبات میں شریک ہوتے ہیں اور صرف یہی نہیں کہ شریک ہوتے ہیں بلکہ جواز کے دلائل دیتے ہیں'' اس سلسلہ میں آپ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی رحمہ اللہ کے واقعات سنایا کرتے تھے کہ حضرت کبھی بھی میز کرسی پر کھانا نہیں کھاتے تھے۔

ایک واقعہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کا نظر سے گزرا، یہ واقعہ بھی نذرِ قارئین کیا جاتا ہے۔

حضرت مدنیؒ کا واقعہ:

قاضی اطہر مبارک پوریؒ حضرت مدنی رحمہ اللہ کے سفرِ ''کوکن'' کی روداد میں تحریر فرماتے ہیں۔

> ''کیپٹن صاحب نے حضرت مدنی کے اعزاز میں نہایت پُرتکلف دعوتِ طعام کا انتظام کیا جس میں سینکڑوں خدام و متوسلین شریک تھے، جہاز کے عرشہ پر نہایت قرینہ سے میز کرسیاں لگوائیں، حضرت مدنی جب اُوپر تشریف لے گئے اور یہ تکلفات دیکھے تو فرمایا کہ میں میز کرسی پر نہیں کھاتا ہوں، یہ جملہ سنتے ہی کیپٹن صاحب نے جہاز کے خلاصیوں اور ملازموں کو آواز دی اور میز کرسیاں اُٹھوا کر

ستر نجیاں (دریاں) بچھوادیں"۔[1]

حضرت مدنی رحمہ اللہ کا ایک واقعہ حضرت مولانا محمد میاں صاحب رحمہ اللہ (م: ۱۳۹۵/۱۹۷۵) نے تحریر فرمایا ہے وہ بھی ملاحظہ فرماتے چلیں۔

مولانا لکھتے ہیں:

"حضرت مولانا آزادؒ کی وزارت کے ابتدائی دور کا واقعہ ہے کہ آپ نے حضرت شیخ الاسلام قدس سرہُ العزیز اور ان کے ساتھ چند مخصوص خدام کی دعوت کی، اس مرتبہ کھانے کا انتظام میز پر تھا، حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ سرہُ العزیز نے کھانا تناول فرمایا، مگر طبع مبارک منقبض رہی، پھر آخر میں ایک لطیف انداز میں اس طرف اشارہ بھی فرمادیا۔

اب حضرت مولانا آزاد کا لطیف اور پاکیزہ احساس ملاحظہ فرمائیے کہ کچھ دنوں بعد پھر دعوت کی اور اُن سب کو مدعو کیا جن کو پہلی دفعہ مدعو فرمایا تھا اور اس مرتبہ کھانے کا انتظام فرش پر کیا"۔[2]

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اپنے حلقہ کے چند جید علماء کرام کے فتاویٰ نقل کر دیئے جائیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کھڑے ہو کر کھانا پینا، نیز میز کرسی پر کھانا پینا خلافِ سنت ہے اس سے احتراز کرنا چاہئے بالخصوص علماء و مشائخ اور مقتدا حضرات کو تو اِن تقریبات میں ہرگز ہرگز شریک نہیں ہونا چاہیے۔

مفتی عبدالرؤف صاحب کا فتویٰ:

"کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ عظام مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ ہمارے علاقہ میں بعض علماء نے یہ فتوی دیا ہے کہ آج کل عام تقریبات اور دعوتوں میں کھڑے ہو کر کھانے پینے کا جو رواج ہے۔

---

[1] شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی، حیات و کارنامے مرتبہ ڈاکٹر رشید الوحیدی ص ۱۳۰

[2] روزنامہ الجمعیت دہلی، شیخ الاسلام نمبر ص ۶۲ ۳ طبع گوجرانوالہ پاکستان

یہ جائز ہے اور کھڑے ہو کر کھانا پینا حضرات خلفاء راشدین سے منقول ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ ضرورت ہے۔ جس طرح ضرورت کی وجہ سے کھڑے ہو کر پیشاب کرنا جائز ہے۔ اسی طرح کھڑے ہو کر کھانا پینا بھی جائز ہے اور استدلال میں موطا امام مالکؒ کی ایک روایت پیش کرتے ہیں جو باب الشرب قائماً میں مذکور ہے۔ برائے کرم اس مسئلہ کو ذرا تفصیل سے بیان کیجئے تاکہ کوئی شبہ باقی نہ رہے۔

فضل وہاب کوہستانی - شریک دورۂ حدیث، دارالعلوم کراچی ۱۴

الجواب :- حامداً و مصلیاً:

کھڑے ہو کر کھانے پینے کے متعلق سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات یہ ہیں، ملاحظہ ہوں

حدیث: عن انس رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ: نھی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن الشرب قائما و عن الاکل قائما، (کنز العمال ص ۱۲۴ ج ۲۰)

ترجمہ:۔ حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پینے اور کھڑے ہو کر کھانے سے منع فرمایا:-

حدیث:۔ عن اَنس رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم انه نھی ان یشرب الرجل قائما قال قتادۃ فالا کل قال ذلک اشر و اخبث (مسلم شریف ج ۲ ص ۱۷۲)

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع کیا کہ آدمی کھڑے ہو کر

پیئے، حضرت قتادہ فرماتے ہیں میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کھڑے ہو کر کھانا کھانے کا حکم دریافت کیا۔ تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کھڑے ہو کر کھانا، کھڑے ہو کر پینے سے زیادہ برا اور زیادہ بدتر ہے۔

ان احادیثِ طیبہ کی روشنی میں واضح ہوا کہ کھڑے ہو کر کھانے پینے کا جو طریقہ چل نکلا ہے یہ غیر اسلامی ہے۔ سنت کے خلاف ہے اور رسول اللہ ﷺ کی واضح تعلیمات کے خلاف ہے، درحقیقت یہ طریقہ دشمنانِ اسلام، کافروں اور مغرب زدہ لوگوں کا چلایا ہوا ہے، اس سے مکمل طور پر بچنا لازم ہے۔ احادیث بالا میں کھڑے ہو کر کھانے پینے کی صاف صاف ممانعت ہے، شرافتِ انسانی اور تہذیب اسلامی کے مطابق کھانا کھانے کا صحیح طریقہ وہ ہے جو رسالت مآب ﷺ نے تعلیم فرمایا ہے کہ اطمینان سے فرش پر بیٹھ کر، دسترخوان بچھا کر انکسار و تواضع کے ساتھ کھانا کھایا جائے۔

بعض علماء نے کھڑے ہو کر کھانا کھانے کے مروجہ طریقہ کے جائز ہونے کا جو فتویٰ دیا ہے وہ صحیح نہیں ہے جس کی وجوہات درج ذیل ہیں۔

(۱) مؤطا امام مالک میں جو باب الشرب قائما ہے یہ باب مسلم شریف اور دیگر کتبِ حدیث میں بھی ہے، مؤطا امام مالک میں اس باب کے تحت جو روایات بیان ہوئی ہیں ان میں صرف کھڑے ہو کر پانی پینے کی گنجائش مذکور ہے۔ کھڑے ہو کر کھانا کھانے کی گنجائش کا کوئی ذکر نہیں۔ بلکہ مسلم شریف میں اس باب کے تحت مذکور ہونے والی حدیث انس رضی اللہ عنہ میں کھڑے ہو کر کھانے کو، کھڑے ہو کر پانی پینے سے زیادہ بدتر اور خبیث بتلایا گیا ہے۔ یہ روایت اُوپر مذکور ہے، لہٰذا نص کے اندر کھڑے ہو کر کھانا کھانے کی صریح ممانعت ہوتے

ہوئے اس کو پانی پر قیاس کر کے جائز قرار دینا اصولِ قیاس کے خلاف ہے اور غلط ہے۔

(۲) کتب حدیث میں اس باب کے تحت حضراتِ محدثین کرام رحمہم اللہ نے کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت اور اجازت دونوں طرح کی احادیث ذکر فرمائی ہیں، اور دونوں طرح کی روایات کے ظاہری تعارض کو دور فرمانے کی مختلف توجیہات ارشاد فرمائی ہیں جن کی پوری تفصیل مؤطا امام مالک کی شرح اوجز المسالک میں موجود ہے، ان میں سب سے زیادہ بے غبار اور وزن دار توجیہ یہ ذکر کی ہے کہ جن احادیث میں کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت ہے وہ بطور تنزیہ کے ہے اور جن میں کھڑے ہو کر پینے کا ذکر ہے وہ بیان جواز کے لیے ہے۔

یعنی اصل حکم پانی کے متعلق یہی ہے کہ اطمینان سے بیٹھ کر پیا جائے، یہی سنت طریقہ ہے اور کھڑے ہو کر پینا منع ہے، لیکن کسی مجبوری یا بیماری کی وجہ سے بیٹھ کر پینا مشکل ہو تو کھڑے کھڑے پی لینے کی گنجائش ہے، اس توجیہ سے کھڑے ہو کر پانی وغیرہ پینے کا دستور اور معمول بنانے کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔ پھر یہ ساری بحث پانی کے متعلق ہے، کھڑے ہو کر کھانے کے متعلق نہیں ہے کھڑے ہو کر کھانے کا رواج بدرجۂ اولیٰ ممنوع ہے۔

(۳) ضرورت دو قسم پر ہے، ایک ضرورت شرعی، دوسرے ضرورتِ عرفی، شرعی ضرورت اضطرار سے ماخوذ ہے کہ جب کوئی شدید مجبوری ہو مثلاً کمر میں درد ہو اور درد کی وجہ سے بیٹھا نہ جاتا ہو۔ یا بیٹھنے میں ناقابلِ برداشت تکلیف ہوتی ہو۔ یا پانی کے اردگرد کیچڑ ہو اور بیٹھنے کی کوئی جگہ نہ ہو اور پیاس بھی شدت کی لگی ہو تو ایسی مجبوری میں

کھڑے ہو کر پانی پینا جائز ہے ایسی مجبوری میں مجبور و بے بس آدمی کھڑے ہو کر کھانا بھی کھا سکتا ہے۔ ایسی ضرورت آج کل کی دعوتوں میں عموماً نہیں پائی جاتی، بلکہ محض فیشن اور سہولت پسندی کے طور پر کھڑے ہو کر کھانا پینا اختیار کیا گیا ہے جو درست نہیں۔

عرفی ضرورت بہت عام ہے غیر اضطراری صورتیں بھی ضرورت میں داخل سمجھی جاتی ہیں، شریعت کے احکام میں عام طور پر اس کا اعتبار نہیں، کھڑے ہو کر کھانا کھانے کو جائز قرار دینے والوں نے غالباً عرفی ضرورت کو بنیاد بنایا ہے سو اس کو بنیاد بنانا غلط ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ بابُ الشرب قائماً کی روایات پر قیاس کر کے تقریبات وغیرہ میں کھڑے ہو کر کھانے پینے کے رواج کو جائز قرار دینا علمی اعتبار سے غلط ہے۔

فی اوجز المسالک

الخامس النهی للتنزيه والفعل لبيان الجواز وهو مختار النوویؒ والسيد فی حواشی المشکاة واليسوطی فی شرح السنن وغيرهم وهو مختار اکثر اصحابنا الحنفية حتی ان الحلبی نقل عليه الاجماع۔ (ص ۲۷۲ ج ۱۴ -مطبوعہ جدید باب ماجاء فی شرب الرجل قائما)

الجواب صحیح بندہ عبد الرؤف سکھروی
نائب مفتی دار العلوم کراچی
۱۳-۱۱-۱۴۱۰ھ

الجواب صحیح
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳-۱۱-۱۴۱۰ھ

۱؎ ماہنامہ البلاغ کراچی جلد ۲۵ ش ۳ ص ۵۳

حضرت مولانا مفتی

محمود گنگوہیؒ کا فتوٰی:

نمبر۹۳/سوال:- یہاں افریقہ میں کرسی پر بیٹھ کر کھانا کھانے کا رواج ہے، نیز کھاتے وقت جوتے بھی نہیں اُتارتے کیا اس طرح کھانا جائز ہے۔

الجواب:- حامدًا ومصلیًا۔

یہ طریقہ سنت کے خلاف ہے۔ جہاں یہ کفار وفساق کا شعار ہے وہاں بالکل ممنوع ہے۔ جہاں شعار نہیں بلکہ عام ہے کہ صالحین کا بھی یہی طریقہ ہے وہاں اس میں اس درجہ تشدد نہیں بلکہ فی الجملہ خفت ہے لیکن خلاف سنت پھر بھی ہے۔ فقط۔

واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم   حررہ العبد محمود غفرلہٗ[1]

حضرت مولانا مفتی

عبدالرحیم لاجپوریؒ کا فتوٰی:

''ٹیبل کرسی پر اور الگ الگ پلیٹوں میں کھانا: سوال: (۱۹۲۹) ٹیبل کرسی پر اور الگ الگ پلیٹوں میں کھانے کا رواج عام ہوتا جا رہا ہے اور یوں کہا جاتا ہے کہ الگ الگ پلیٹوں میں کھانے سے کھانا ضائع اور برباد نہیں ہوتا، اور ایک ساتھ بڑے خوانچے میں یا بڑی پلیٹ میں کھانے سے جو کھانا بچتا ہے وہ ضائع ہو جاتا ہے، تو اس کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟ وضاحت فرمائیں، بینوا توجروا۔

الجواب:- زمین پر دسترخوان بچھا کر بیٹھ کر کھانا سنت ہے، ٹیبل کرسی پر کھانے کا طریقہ اسلامی تہذیب کے خلاف ہے، یہ طریقہ متکبروں

[1] فتاوٰی محمودیہ ج ۵ ص ۱۱۶

اور فیشن پرستوں کا ہے لٰہذا قابل ترک ہے، مالابدمنہ میں ہے، مسلم راتشبہ بہ کفار و فساق حرام است۔ مسلمان کو کفار اور فساق کی مشابہت اختیار کرنا حرام ہے (مالابدمنہ ص ۱۳۱)

اسی طرح ایک ساتھ مل کر ایک برتن میں کھانا بھی مسنون اور باعث برکت ہے الگ الگ پلیٹوں میں کھانا اسلامی طریقہ نہیں ہے، یہ غیر قوم کا طریقہ ہے کہ وہ دعوتوں اور گھروں میں ایک ساتھ بیٹھ کر کھاتے ہیں مگر سب کی پلیٹیں الگ الگ ہوتی ہیں اگر مسلمان بھی یہی طریقہ اختیار کریں تو پھر مسلمانوں اور غیر مسلموں میں امتیاز کی کیا صورت ہوگی؟ نیز یہ توہّم پرستوں کا طریقہ ہے جو امراض کے متعدی ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، حدیث میں ہے عن عمر بن الخطاب قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کلوا جمیعا ولاتفرقوا فانّ البرکۃ مع الجماعۃ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سب ساتھ مل کر کھاؤ الگ الگ مت کھاؤ، ساتھ مل کر کھانے میں برکت ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۷۰ باب الضیافۃ)

دوسری حدیث میں ہے:- صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا "انا ناکل ولانشبع" ہم کھاتے ہیں لیکن شکم سیری نہیں ہوتی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "فلعلکم تفترقون" شاید تم لوگ الگ الگ کھاتے ہو، قالوا نعم صحابہ نے کہا جی ہاں، آپ نے ارشاد فرمایا: فاجتمعوا علی طعامکم واذکروا اسم اللّٰہ یبارک لکم فیہ، رواہ ابوداؤد۔ سب ایک ساتھ مل کر اور بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ تمہارے کھانے میں برکت ہوگی (ابوداؤد شریف ج۲ ص۱۷۲ باب فی

الاجتماع علی الطعام)(مشکوٰۃ شریف ص ۳۶۹ باب الضیافۃ)(حصن حصین ص ۱۰۹ منزل نمبر ۳)

نیز حدیث میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک بہت بڑا پیالہ تھا جس میں سب ایک ساتھ مل کر کھاتے تھے، عن عبداللہ بن بسرؓ قال کان للنبی صلی اللہ علیہ وسلم قصعة یحملها اربعة رجال یقال لها الغراء فلما اضحوا وسجدوا الضحٰی اُتِیَ بتلک وقد ثرد فیها فالتفوا علیها (ای اجتمعوا حولها) الخ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۹ باب الضیافۃ) (جمع الفوائد) نیز حدیث میں ہے، خدا کا پسندیدہ کھانا وہ ہے جس میں بہت سے ہاتھ ہوں۔ (جمع الفوائد جلد اوّل) یہ ہے اسلامی تعلیم اور رسول اللہ ﷺ کی سنت اور مبارک طریقہ اس مبارک طریقہ کو چھوڑ کر متکبروں اور غیر قوموں کے طریقہ کو اختیار کرنا کس طرح درست ہوسکتا ہے؟

رہا یہ سوال کہ ساتھ کھانے میں کھانا برباد ہوتا ہے تو یہ درحقیقت ایک شیطانی وسوسہ ہے، اگر کھانے والوں کی تعداد کے مطابق کھانا نکالا جائے اور ضرورت پڑنے پر دوسرا کھانا لیا جائے تو کھانا کسی طرح ضائع نہ ہوگا، اور اگر اس کے باوجود بھی کھانا بچ جائے تو اس میں کسی طرح کی کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی، مومن کے جوٹھے میں شفا ہے، لہٰذا اس کھانے کو ضائع نہ کیا جائے۔

آیت قرآنی لَیۡسَ عَلَیۡکُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَاۡکُلُوۡا جَمِیۡعًا اَوۡ اَشۡتَاتًا ((پھر اس میں بھی) تم پر کچھ گناہ نہیں کہ سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ کھاؤ) (پارہ نمبر ۱۸ سورۂ نور) سے یہ شبہہ نہ کیا جائے کہ اس آیت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ساتھ مل کر کھاؤ یا تنہا تنہا کھاؤ دونوں جائز ہیں کسی میں کچھ حرج اور گناہ نہیں تو پھر ساتھ مل کر کھانے پر اتنا اصرار کیوں

ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ آیت میں نفس جواز کو بیان کیا گیا ہے کہ دونوں طرح کھانا جائز ہے، ساتھ مل کر کھاؤ یہ بھی جائز ہے اور کسی وقت تنہا کھانے کا اتفاق ہو جائے تو یہ بھی جائز ہے، اس میں گناہ نہیں ہے مگر ان دونوں میں افضل طریقہ یہ ہے کہ سب ساتھ مل کر کھائیں اس میں برکت ہے جیسا کہ مندرجہ بالا احادیث سے معلوم ہوتا ہے اور اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ بعض انصار رضی اللہ عنہم اجمعین کی عادتِ مبارکہ یہ تھی کہ جب تک ان کے ساتھ کوئی مہمان نہ ہوتا تنہا کھانا نہیں کھاتے تھے یا مہمان کی موجودگی میں مہمان ہی کے ساتھ کھانے کو ضروری سمجھتے تھے تو اس آیت میں ارشاد فرمایا گیا کہ ساتھ ملکر کھاؤ یا تنہا تنہا سب جائز ہے، اپنی جان کو مشقت میں ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے، فوائد عثمانی میں ہے (تنبیہ) آیت سے تنہا کھانے کا جواز بھی نکلا، بعض حضرات کو لکھا ہے کہ جب تک کوئی مہمان ساتھ نہ ہو کھانا نہ کھاتے تھے، معلوم ہوا یہ غلو ہے، البتہ اگر کئی کھانے والے ہوں اور اکٹھے بیٹھ کر کھائیں تو موجب برکت ہوتا ہے، کما ورد فی الحدیث (سورۂ نور پارہ نمبر ۱۸ رکوع نمبر ۱۳)

معارف القرآن ادریسی میں ہے: نیز بعض انصار پر جود وکرم کا اس قدر غلبہ تھا کہ وہ لوگ بے مہمان کے تنہا کھانا گوارہ نہیں کرتے تھے اور اپنی جان پر مشقت گوارہ کرتے تھے اور مہمان کا انتظار کرتے تھے، ان کے بارہ میں آئندہ آیت اتری، تم پر کچھ گناہ نہیں کہ ایک جگہ جمع ہو کر اور مل کر کھانا کھاؤ یا الگ الگ اور اکیلے اکیلے کھاؤ، اور دل میں یہ خیال نہ کرو کہ کس نے کم کھایا اور کس نے زیادہ، اکیلے اکیلے کھانا بھی جائز ہے مگر مل کر کھانے میں برکت زیادہ ہے

(معارف القرآن ادریسی ج-۸ صفحہ ۲۹۲)مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو (تفسیر روح المعانی ج ۱۸ صفحہ ۲۲۱ مطبوعہ مصطفائیہ دیوبند- اور تفسیر مواہب الرحمٰن ص ۲۴۶، ج ۱۸ صفحہ ۲۴۷ پارہ نمبر ۱۸ و تفسیر روح البیان ج ۱۸ صفحہ ۱۸۱ ج ۱۸ صفحہ ۱۸۲)

تنہا کھانے کا رواج آج کل عام ہوتا جا رہا ہے، غیر اقوام اور فیشن پرستوں نے اسے اپنایا ہے لہٰذا مسلمانوں کو اس سے اجتناب کرنا چاہئے، خصوصاً اہل علم حضرات کو، امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

مهما صارت السنة شعاراً لاهل البدعة قلنا بتركها خوفًا من التشبّه بهم- یعنی جب کوئی سنت مبتدعین کا امتیازی شعار بن جائے تو ہم اس میں ان کے مشابہ بن جانے کے خوف سے اس کے بھی ترک کا فتویٰ دیں گے (احیاء العلوم ج-۲ صفحہ ۲۷۰ بحوالہ التشبہ فی الاسلام ج-۱ صفحہ ۱۶۳)

اللہ تعالیٰ سنت کی عظمت اور اس پر عمل کی توفیق عطاء فرمائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب"[1]

آرٹ کونسل اور ہوٹلوں میں تقریبات کے اندر شرکت سے پرہیز:

آج کل یہ بھی فیشن بن گیا ہے کہ اچھے بھلے دیندار طبقہ کے لوگ علماء وعوام دینی تقریبات، آرٹ کونسل اور ہوٹلوں میں منعقد کرنے لگے ہیں جس پر انہیں بھاری اخراجات برداشت کرنے پڑتے ہیں قاری صاحب مرحوم ایسی کسی دینی تقریب میں شریک نہیں ہوا کرتے تھے جس کا انعقاد اِن جیسے مقامات پر کیا گیا ہو، راقم الحروف ایک مرتبہ الحمراء آرٹ کونسل میں ایک دینی تقریب میں شریک ہوا اور وہاں کی روداد آپ کو سنائی تو آپ نے فرمایا کہ ہمارے اکابر تو مسجد و مدرسہ کی ٹوٹی چٹائیوں پر بیٹھ کر دینی تقریبات منعقد کرتے تھے نہ معلوم آج کل کے اہل علم حضرات کو کیا ہوگیا کہ

---

[1] فتاوی رحیمیہ ج ۶ ص ۴۳۰

مسجد و مدرسہ چھوڑ کر ہوٹلوں میں جانے لگے، پھر احقر کو تاکیداً منع فرمایا کہ اِن جیسی تقریبات میں شریک نہ ہوا کرو۔ راقم نے حضرت قاری صاحبؒ کے حکم کی تعمیل میں ایسی تقریبات میں شریک ہونے سے ہمیشہ کے لیے توبہ کرلی ہے۔

تصویر سے پرہیز:

موجودہ دور میں تصویر کا جس قدر شیوع اور پھیلاؤ ہوا ہے شاید ہی کسی دور میں ایسا ہوا ہو، ہمارے معاشرہ میں تصویر کو لوگ کلچر و ثقافت کا ایک حصہ سمجھنے لگے ہیں کوئی تقریب، کوئی محفل، کوئی پروگرام، کوئی تہوار ہو تصویر اس کا لازمہ بن گئی ہے۔ مکان ہو یا دکان، بازار ہو یا میدان، اخبار ہو یا رسالہ ہر جگہ تصویر نظر آتی ہے حتیٰ کہ پہننے کے کپڑوں پر سونے کے کمبلوں پر کھانے کے برتنوں پر بیمار کی دواؤں پر بچوں کی گولی ٹوفی پر عید مبارک کے کارڈوں پر، ایڈینٹی کارڈوں پر شناختی کارڈوں پر روپیہ پیسوں پر، جدھر دیکھئے تصویریں ہی تصویریں ہیں اور اب تو مرنے والے بھی اس سے محفوظ نہیں رہے اُن کی بھی باقاعدہ مووی بنتی ہے۔ غمی اور خوشی کے سب لمحات شادی بیاہ کی ہر تقریب وی سی آر کی زد میں آ گئے ہیں، اور اس بہانے فحاشی اور عریانی کا وہ طوفان برپا ہے کہ الامان والحفیظ۔

اگر یہ چیزیں بے دین لوگ اپنائیں تو اُن سے کیا شکوہ، افسوس تو اس بات کا ہے کہ اس سے اب اچھے اچھے دیندار بھی محفوظ نہیں رہے وہ بھی اس کی رو میں بہنے لگے ہیں، چنانچہ مساجد و مدارس کے اندر دینی تقریبات میں، مبارک راتوں میں، مقدس دنوں میں اعمالِ خیر میں تصویریں کھنچتی ہیں، فلمیں بنتی ہیں، دینی رسائل تصویروں سے بھرے نظر آتے ہیں، صرف یہی نہیں بہت سے دیندار کہلانے والے جبہ و دستار کے مالک تصویر کو عکس قرار دے کر اس کے جواز کے قائل ہو گئے ہیں۔

اِنْ كُنْتَ لَا تَدْرِیْ فَتِلْكَ مُصِيبَةٌ وَاِنْ كُنْتَ تَدْرِیْ فَالْمُصِيبَةُ اَعْظَمُ

ان حالات میں جب ہم حضرت قاری صاحب مرحوم کی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو

وہ اس سے یکسر مختلف نظر آتے ہیں، آپ تصویر کے معاملہ میں بڑی شدت برتتے تھے، جن تقریبات میں تصویر کشی ہوتی وہاں تشریف نہیں لیجاتے تھے، کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ آپ کو لوگ نکاح پڑھوانے کے لیے لے گئے لیکن وہاں تصویریں اترنے لگیں تو آپ بغیر نکاح پڑھائے واپس آگئے۔

مساجد و مدارس میں دینی تقریبات کے موقع پر تصویریں کھینچے کھنچوانے پر آپ انتہائی افسوس کا اظہار فرمایا کرتے تھے، راقم کو اچھی طرح یاد ہے کہ آپ وفات سے چند ماہ پیشتر لاہور کے ایک دینی مدرسہ میں امتحان لینے کے لیے تشریف لے گئے، وہاں مسجد کے ہال میں ایک میٹنگ بھی تھی اس میں آپ کو مدعو کیا گیا آپ چلے گئے ابھی بیٹھے ہی تھے کہ کیمرہ مین آگئے، آپ فوراً اُٹھ گئے اور فرمایا "اگر تصویریں کھنچیں گی تو میں نہیں بیٹھوں گا، آپ لوگوں کو احساس کرنا چاہیئے کہ آپ خدا کے گھر میں ایک دینی و مذہبی کام کے سلسلہ میں بیٹھے ہیں اور کام و مقام کا لحاظ نہیں کرتے، اسے حرام سے ملوث کرتے ہیں"۔ آپ کے برہم ہونے سے تصویریں نہ کھنچیں اور آپ کو راضی کر کے شریکِ محفل کر لیا گیا، بعض لوگ تصویر کشی کے جواز پر جو استدلال کرتے ہیں اس کا جواب گزشتہ صفحات میں حضرت قاری صاحبؒ کی طرف سے گزر چکا ہے، وفات سے چند روز پیشتر آپ نے عام لوگوں سے باتیں کرتے ہوئے تصویر کے بارہ میں ایک اہم اور قابل توجہ بات ارشاد فرمائی تھی وہ بھی سنتے چلیں، فرمایا:

> "اصل میں یہ جو تصویر ہے اور شریعت نے جو اِس کو حرام قرار دیا ہے سخت حرام، میں سمجھتا ہوں کہ یہ بڑی عجیب بات ہے، تصویر اگر درمیان سے ہمارے نکال دی جائے نا تو میرا خیال ہے کہ ستر پچھتر فیصد برائیاں ہماری ختم ہو جائیں، اخبارات میں کسی جاندار کی تصویر نہ آئے، کسی رسالہ کسی چیز پر تصویر نہ آئے، حتیٰ کہ وہ ڈبے جن میں

چیزیں پیک ہوتی ہیں ان میں بھی تصویر نہ آئے، پورے پاکستان
سے تصویر کا وجود ہی ختم کر دیا جائے اور اس پر سخت ترین پابندی لگ
جائے، اسی طرح ٹی وی اور وی سی آر پر پابندی لگ جائے تو میرے
خیال میں ملک کی ستر پچھتر فیصد برائیاں ختم ہو جائیں، ابھی تک
لوگوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی، جب ہم لوگوں سے یہ کہتے ہیں
کہ تصویر اُتارنا اور اُتروانا یہ سب ناجائز اور حرام ہے تو وہ کہتے ہیں
کہ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ تصویر میں کیا خرابی ہے حالانکہ ساری
خرابیوں کی جڑ یہی ہے''۔

تصویر کے معاملہ میں حضرت قاری صاحبؒ کا موقف اور اس پر شدت اکابر کے موقف ہی کی ترجمانی تھی، اکابر علماء دیوبند رحمھم اللہ کا موقف تصویر کشی کے سلسلہ میں یہی تھا کہ جاندار کی تصویر کھینچنا اور کھنچوانا دونوں ناجائز اور گناہ ہیں، چنانچہ حضرت مولانا احمد رضا بجنوریؒ کے حوالہ سے حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ کی رائے تصویر کے بارہ میں پیچھے[۱] گزر چکی ہے، اسی طرح حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کا مصری علماء سے تصویر کے عدمِ جواز پر مکالمہ بھی گزشتہ[۲] صفحات میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اس موقع پر حضرت مفتی صاحبؒ کے تصویر کشی کے متعلق چند فتوے بھی ملاحظہ فرماتے چلیں، حضرت مفتی صاحبؒ ایک سوال کے جواب میں رقمطراز ہیں۔

''تصویر بنانے کا حکم جداگانہ ہے اور تصویر رکھنے اور استعمال کرنے کا
حکم جداگانہ ہے۔ تصویر بنانے اور بنوانے کا حکم تو یہ ہے کہ وہ مطلقاً
حرام ہے خواہ تصویر چھوٹی بنائی جائے یا بڑی کیونکہ علتِ ممانعت
دونوں حالتوں میں یکساں پائی جاتی ہے اور علتِ ممانعت مضاہات

---

[۱] دیکھئے ص ۴۸۔ [۲] دیکھئے ص ۱۰۱

تخلق اللہ ہے اور تصویر رکھنے اور استعمال کرنے کا حکم یہ ہے کہ اگر تصویر چھوٹی ہو اور غیر مستبین الاعضاء ہو (یعنی جس کے اعضاء واضح طور پر نظر نہ آتے ہوں) تو اس کو ایسے طور پر رکھنا کہ تعظیم کا شبہ نہ ہو جائز ہے یا ضرورت کی وجہ سے استعمال کی جائے جیسے سکہ کی تصویر تو جائز ہے۔ باقی بڑی تصویریں بلاضرورت استعمال کرنا یا ایسی صورت سے رکھنا کہ تعظیم کا شبہ ہونا جائز ہے۔ اما فعل التصویر فھو غیر جائز مطلقا لانه مضاھاۃ لخلق اللّٰہ تعالٰی (ردالمحتار) فصنعته حرام بکل حال لان فیه مضاھاۃً لخلق اللّٰہ تعالٰی وسواء کان فی ثوب اوبساط او درھم اواناءٍ او حائطٍ اوغیر ھا (ردالمحتار) وقد صرح فی الفتح بان الصورۃ الصغیرۃ لاتکرہ فی البیت (ردالمحتار) واللّٰہ اعلم" [1]

ایک اور سوال کے جواب میں حضرت مفتی صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں "تصویر کھینچنا اور کھنچوانا ناجائز ہے خواہ دستی ہو یا عکسی دونوں تصویریں ہیں اور تصویر کا حکم رکھتی ہیں۔ تصویر سے مراد جاندار کی تصویر ہے خواہ انسان ہو یا حیوان، مکانات کے نقشے درختوں کی تصویریں ناجائز نہیں ہیں۔ تحقیقات جدیدہ سے درختوں میں جس قسم کی حیات دریافت ہوئی ہے وہ انسان وحیوان کی حیات سے مختلف ہے۔ دونوں زندگیوں کا تفاوت بدیہی اور مشاہد ہے پس حکم کا اختلاف کچھ مستبعد نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ مدرسہ امینیہ دہلی" [2]

۱۹۳۴ کی بات ہے کہ مدراس انڈیا سے شائع ہونے والے ایک اخبار "بدرالاسلام" میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اور حضرت مولانا احمد سعید

---

[1] کفایت المفتی ج۹ ص۲۳۳۔ [2] کفایت المفتی ج۹ ص۲۳۴

صاحب دہلویؒ کی تصاویر شائع ہوئیں اس پر لاہور کے ایک مولانا عبدالعلی صاحبؒ نے حضرت مفتی صاحبؒ سے استفسار کیا، مفتی صاحبؒ نے تفصیل سے اس کا جواب مرحمت فرمایا، یہ استفسار و جواب چونکہ دونوں اہم ہیں اس لیے ہم مِنْ وَ عَنْ نقل کر رہے ہیں ملاحظہ فرمایئے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. حضرة مولانا الجليل و قدوة العلماء النبيل مولوى محمد كفاية الله دام فيوضه السلام عليكم و رحمة الله و بركاته، انى رأيت فى الاخبار الشائع من بلد مدراس المسمى بدر الاسلام الصورتين النصفين مرقومة فيه من الفوتوغراف و وجدت اسمين تحت هذين التصويرين احد هما اسمكم الشريف وثانيهما اسم مولانا احمد سعيد دام مجده ومع ذلك قدحرر جامع الاخبار فوق هذين التصويرين على سبيل الاستفتاء اماقصد الجامع و ايرادهما فيه فظاهر و مذهبه عندالناس باهر فالامل منكم بهذا التسطير طلب الجواب متعلقا عن هذا التصوير ان هذا الفوتو غراف هل يوخذ منكم مع ان تكون راضيا عليه ام لا. وهل يجوز نصف الصورة الا علىٰ من الفوتو غراف ام لا؟ بينوا توجروا المستفتى نمبر ۱۴۱۷ مولوى عبدالعلى لاهور ۱۰/رجب ۱۳۵۳ھ م ۲۰/اكتوبر ۱۹۳۴ء

حضرت مولانا کفایت اللہ دام فیضہ السلام علیکم ایک اخبار بدر الاسلام نام جو مدراس سے شائع ہوتا ہے اس میں میں نے دو نصف تصویریں فوٹو کی دیکھیں۔ ایک تصویر کے نیچے آپ کا اسم مبارک لکھا

ہوا تھا اور دوسری کے نیچے مولانا احمد سعید صاحب کا اور ساتھ ہی اس
کے ایک نوٹ بھی لکھا ہوا تھا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ ایڈیٹر نے ان
دونوں تصویروں کی اشاعت سے جوازِ تصویر پر استدلال کیا ہے۔
ایڈیٹر کا ریمارک اور ان تصویروں کے شائع کرنے سے اس کا مقصد
اور پھر لوگوں تک ان تصویروں کا پہنچنا تو ظاہر ہے مگر آپ سے
دریافت طلب یہ امر ہے کہ کیا یہ فوٹو آپ کے علم اور رضامندی کے
ساتھ لیا گیا ہے؟ اور کیا اوپر کے نصف حصے کا فوٹو لینا جائز ہے؟

(۳۳۲) جواب:- التصوير (بمعنى المفعول لا المعنى المصدرى) والصورة والمثال و التمثال كلها بمعنىً واحد و المراد مايقع به المعرفة وهوالوجه والرأس ففعل الصورة هورسم الوجه والرأس ويتعلق به حكم المنع والتحريم وتجويز بعض العلماء نصف الصورة لايساعده دليل يعتمد عليه وانالم نحكم بجواز اتخاذ الصورة مطلقا لاتامة ولا منصفة اما اشاعة بعض الجرائد تمثال فوتوغراف بصورنا فنحن لاندرى من اخذها واين اخذها ومتى اخذها ولايخفى ان اخذرسم الفوتوغراف لايحتاج الى علم صاحب الصورة فان الاخذيتمكن من اخذها مع غفلة صاحب الصورة وكذلک اخذمثالنا من اخذها.

محمد كفايت الله كان الله له

تصویر (بمعنی مصوَّر) اور صورت اور شبیہ اور مجسمہ سب ایک معنی
رکھتے ہیں اور اس سے مراد اس قدر حصہ ہے جس سے پہچان اور
تعارف حاصل ہو جائے وہ چہرہ اور سر ہے اور تصویر کشی سے مراد

چہرے اور سر کا منقوش کرنا ہے۔ ممانعت وحرمت کا حکم اسی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور بعض علماء نے جو نصف تصویر بنانے کو جائز قرار دیا ہے اس کے لیے کوئی مضبوط اور قابل اعتماد دلیل نہیں ہے۔ مطلقاً تصویر کشی خواہ نصف تصویر ہو یا پوری ہمارے نزدیک حرام ہے۔ بعض رسائل نے جو ہمارا فوٹو شائع کیا ہے ہمیں نہیں معلوم کہ ہمارا فوٹو کس نے لیا اور کہاں لیا اور کب لیا اور ظاہر ہے کہ فوٹو لینے کے لیے صاحبِ تصویر کا علم ضروری نہیں ہے۔ کسی آدمی کا فوٹو اس کی بے خبری میں لیا جا سکتا ہے۔ اور ہمارا فوٹو بھی جس نے لیا ہے ہماری بے خبری میں ہی لیا ہے[۱]

شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمہ اللہ، مولانا احمد حسین صاحب سیتاپوریؒ کے نام ایک گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''والا نامہ مع کٹنگ فوٹو پہنچا، یاد فرمائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں، میں نے خود اپنے علم وارادہ سے کبھی فوٹو نہیں کھنچوایا، میری لاعلمی میں ایسا ہو جاتا ہے، نہ میں اس کو جائز سمجھتا ہوں، جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ خود اس کے ذمہ دار ہیں، والسلام ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ دیوبند ۱۸؍ربیع الاوّل ۱۳۷۲'' [۲]

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمتہ اللہ علیہ بھی تصویر کھینچنے کھنچوانے کو ناجائز اور گناہ سمجھتے تھے، آپ نے تصویر کے بارہ میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے ''فوٹو کا شرعی فیصلہ''

مولانا مفتی زرولی خان صاحب مہتمم جامعہ احسن العلوم گلشن اقبال کراچی، حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمتہ اللہ علیہ (م ۱۴۰۰/۱۹۸۰) کا ایک واقعہ تحریر

---

[۱] کفایت المفتی ج ۹ ص ۲۳۵۔ [۲] مکتوبات شیخ الاسلام جلد نمبر ۴ ص ۲۲۲ طبع مکتبہ رشیدیہ کراچی

فرماتے ہیں وہ بھی ملاحظہ فرماتے چلیں، اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مفتی محمود صاحب رحؒ بھی تصویر کی حرمت کے قائل تھے اور اس کے کھینچنے کھنچوانے کو درست نہیں سمجھتے تھے۔

مفتی زرولی خان صاحب تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ ایک دفعہ یہاں جناح ہسپتال میں زیر علاج تھے بالکل آخری ایام میں تو میرا ایک دوست یہاں جناح ہسپتال میں کام کرتا تھا، میں نے ان کو کہا کہ کیسے ملیں گے انہوں نے کہا کہ شام چھ بجے آپ آ جائیں ہم جب وہاں پہنچے ہمارے مولانا مفتی جمیل صاحب بیٹھے ہیں۔ حسن حسین دو بھائی تھے وہ بھی بستر پہ تھے خدمت کر رہے تھے اور حضرت اقدس حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب رحمتہ اللہ علیہ سرہانے بیٹھے تھے۔ غالباً وفاق المدارس کے سالانہ کچھ پرچے حضرت کو دکھا رہے تھے۔ ہم بھی بیٹھ گئے، اتنے میں سیڑھیوں پر کچھ لوگ نظر آئے تو مفتی صاحب نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ کہا جی یہ صحافی ہیں اخبارات والے۔ حضرت نے سنتے ہی کہا اللہ خیر کرے۔ ہم نے پوچھا کہ کیوں؟ فرمایا کہ یہ بغیر تصویروں کے کام نہیں کرتے۔ میں نے جرأت کر کے پوچھا: آپ بھی تصویر منع کرتے ہیں؟ حضرت نے ہنستے ہوئے کہا: انا للہ وانا الیہ راجعون۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ پھر میری طرف ایسا گرجے اور گرجتے ہوئے دیکھا جیسے شیر بپھر جاتا ہے اور فرمایا عجیب آدمی ہو تصویر پر بھی کوئی عالم نکیر نہیں کرے گا۔ یہ کیسے ہوگا اور پھر فرمایا کہ شاید اخبارات میں آپ میری تصویریں

دیکھتے ہیں اس سے آپ کو یہ غلط فہمی ہوتی ہے، فرمایا کہ میں نے اس کو کبھی بھی درست اور صحیح نہیں جانا ہے''[1]

تصویر کے بارہ میں جن اکابر علماء کی تصریحات پیش کی گئی ہیں یہ حضرات دین کے ساتھ ساتھ سیاست کے بھی امام تھے، ان حضرات نے ہمیشہ سیاست کو دین کے تابع رکھا تھا دین کو سیاست کے تابع نہیں کیا تھا یہی وجہ ہے کہ دین کے ہر مسئلہ میں ان کا صاف ستھرا موقف ہوتا تھا چاہے اس کا تعلق دین کے کسی بھی شعبہ سے ہو، چنانچہ تصویر کے معاملہ میں آپ نے ملاحظہ فرما لیا کہ ان اکابر نے باوجود تصویر کے شیوع و کثرت اور اس سے بچاؤ کے مشکل ہونے کے اس کے بارہ میں اپنا موقف نہیں بدلا وہ اسے ناجائز اور گناہ ہی سمجھتے رہے۔

حضرت قاری صاحبؒ فرماتے تھے کہ ہمیں بھی اپنے اکابر کی طرح دین کے ہر معاملہ میں ٹھوس موقف اپنانا چاہئے تاکہ لوگ دین کے معاملہ میں کسی قسم کی غلط فہمی اور کج روی کا شکار نہ ہوں، چنانچہ آپ ہر ایسی تقریب جس میں کسی بھی قسم کے خلاف شرح امور ہوں اس میں شرکت سے احتراز فرماتے تھے اور ان امور کے بارہ میں کسی قسم کی مداہنت برداشت نہیں کرتے تھے، شروع سے اخیر تک آپ کا یہی معمول رہا۔

مروجہ شبینے:

رمضان کی اخیر شبوں میں قیام اللیل جسے عرف عام میں شبینہ کہتے ہیں اس کے بارہ میں آپ کا خیال تھا کہ چونکہ آج کل کے شبینوں میں منکرات شامل ہو چکے ہیں اس لیے اُن سے بھی احتراز ضروری ہے اس سلسلہ میں آپ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی کتاب ''اصلاح الرسوم'' سے شبینہ کے متعلق مضمون سنایا کرتے تھے، حضرت تھانویؒ نے مروجہ شبینوں کے منکرات کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے، آپ منکراتِ رمضان کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں

---

[1] مفتی محمود ایک قومی رہنما مرتبہ محمد فاروق قریشی ص ۲۳۳

''چہارم بعض حفاظ کی عادت ہے کہ لیلۃ القدر میں یا اور کسی شب میں سب جمع ہو کر ایک یا کئی شخص مل کر قرآن مجید ختم کرتے ہیں اور عرف میں اس کو شبینہ کہتے ہیں اوّل تو بعض علماء نے ایک شب میں قرآن مجید ختم کرنے کو مکروہ کہا ہے۔ کیونکہ اس میں ترتیل و تدبیر کا موقع نہیں ملتا۔ مگر چونکہ سلف صالحین سے ایک روز میں ختم کرنا بلکہ بعض سے کئی کئی ختم کرنا منقول ہے۔ اس لیے اس میں گنجائش ہو سکتی ہے، مگر اس میں اور بہت سے مفاسد شامل ہو گئے جس کی وجہ سے یہ عمل شبینہ کا بطریقِ مروّج بلاشک مکروہ ہے۔

(۱) ہر شخص کوشش کرتا ہے کہ جس طرح ممکن ہو شب بھر میں قرآن مجید ختم ہو جائے اور اس وجہ سے نہ ترتیل کی پروا ہوتی ہے اور نہ غلطی رہ جانے کا غم ہوتا ہے۔ بعض اوقات خود پڑھنے والے یا سننے والے کو معلوم ہوتا ہے کہ فلاں مقام پر غلطی پڑھی گئی ہے مگر اس ختم کرنے کے خیال سے اس کو اسی طرح چھوڑ دیتے ہیں۔

(۲) اکثر پڑھنے والوں کے دل میں ریاء و تفاخر ہوتا ہے کہ زیادہ اور جلدی پڑھنے سے نام ہوگا کہ فلاں نے ایک گھنٹے میں اتنے پارے پڑھے اور ریاء و تفاخر کا حرام ہونا ظاہر ہے۔

(۳) بعض جگہ نوافل میں یہ ختم ہوتا ہے اور نوافل کی جماعت خود مکروہ ہے اور اگر تراویح میں پڑھا، اس میں یہ خرابی ہوتی ہے کہ اگر سب مقتدی شریک تب تو اُن پر پورا جبر ہے اور اگر وہ نہ شریک ہوئے تو آج کی تراویح میں جماعت سے محروم رہے یہ جبر اور حرمان دونوں امرِ مذموم ہیں۔

(۴) بعض لوگ شوق میں شریک تو ہو جاتے ہیں مگر پھر ایسی مصیبت

پڑتی ہے کہ توبہ توبہ کھڑے کھڑے تھک جاتے ہیں، پھر بیٹھ کر سنتے ہیں، پھر لیٹ جاتے ہیں، اُدھر قرآن ہو رہا ہے۔ اِدھر سب حضرات آرام فرما رہے ہیں۔ بعضے آپس میں باتیں کرتے جاتے ہیں۔ غرض قرآن مجید کی بہت ہی بے ادبی ہوتی ہے اور صورت اعراض کی سی معلوم ہوتی ہے۔ اس میں سحری کا وقت آ جاتا ہے تو اس ختم کرنے کے خیال سے پڑھنے والے کو سب کے ساتھ سحری میں شریک نہیں کرتے، وہ کھڑا ہوا قرآن سنا رہا ہے اور سب کھانا کھا رہے ہیں۔ قرآن کریم سننے کے وقت دوسرا کام کرنا ہرگز جائز نہیں۔

(۵) بعض حفاظ نماز سے خارج ہو کر پڑھنے والے کو بتلاتے رہتے ہیں اور سب کی نماز تباہ کرتے ہیں۔

(۶) بعض جگہ سحری کے لیے چندہ ہوتا ہے اور دبا کر، شرما کر بھی وصول کیا جاتا ہے، جس کا حرام ہونا آگے آتا ہے۔

(۷) بعض اوقات صبح صادق ہو جاتی ہے اور قرآن کچھ رہ جاتا ہے۔ خواہ مخواہ کھینچ تان کر اس کو پورا کر ڈالتے ہیں۔ بعد صبح صادق کے اور نوافل پڑھنا مکروہ ہے بجز دوسنت کے۔[1]

حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے جو خرابیاں بیان کی ہیں اُن کے ساتھ درج ذیل خرابیوں کو مزید شامل کر لیجیے۔

(۱) بڑی مساجد میں قرآن پڑھنے والے قُرَّاءُ اور حُفَّاظُ کو پیسے دیئے جاتے ہیں جو ایک قسم کی اُجرت بن جاتی ہے، تراویح میں قرآن سنانے پر اُجرت لینا جائز نہیں تو شبینہ میں قرآن سنانے پر اُجرت لینا کیسے جائز ہوگا۔

(۲) بہت سی مساجد میں لاؤڈ سپیکر پر قرآن پاک پڑھا جاتا ہے اور اُس کی آواز

---

[1] اصلاح الرسوم ص ۱۴۹

اس قدر تیز ہوتی ہے کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی جس سے ایک تو گھروں میں عبادت میں مصروف لوگوں کی عبادت میں خلل واقع ہوتا ہے دوسرے بیمار لوگوں کو تکلیف اور اذیت ہوتی ہے، تیسرے آیاتِ سجدہ کی تلاوت سننے کی وجہ سے لوگوں پر سجدہ واجب ہو جاتا ہے لیکن چونکہ اُنہیں علم نہیں ہوتا اس لیے وہ سجدۂ تلاوت ادا نہیں کرتے، اور گنہگار ہوتے ہیں۔

(۳) محکمہ اوقاف کے ماتحت بڑی مساجد میں ساری رات شبینہ کی مووی بنتی ہے جو ٹی وی پر دکھائی جاتی ہے اس طرح مقدس مقام پر مقدس راتوں میں عبادت کے اندر فعلِ حرام کا ارتکاب کیا جاتا ہے، یہ اور ان جیسی دیگر خرابیوں کی وجہ سے حضرت قاری صاحبؒ موجودہ دور کے مُروّجہ شبینوں کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔

شب براءت سے متعلق آپ کا موقف:

حضرت قاری صاحبؒ اکابر دیوبند کے موقف کے مطابق شبِ براءت کی فضیلت کے قائل تھے۔ راقم نے بارہا آپ کو اِس رات قبرستان جاتے اور صبح کو روزہ رکھتے دیکھا ہے قاری صاحبؒ کراچی کے مفتی رشید احمد صاحب سے بہت متاثر تھے، راقم الحروف نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ اُستاذ جی، کراچی کے مفتی رشید صاحب تو شبِ براءت کے خلاف ہیں؟ آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے وہ خلاف ہیں لیکن ہم اکابر کی تحقیق پر اعتماد کرتے ہیں اکابر اس کی فضیلت کے قائل ہیں اس لیے ہمارا موقف بھی یہی ہے کہ یہ شب فضیلت والی ہے ہاں اس میں جو رسومات و خرافات کی جاتی ہیں اُن کے ہم بھی خلاف ہیں اُن میں ہم شریک نہیں ہوتے۔

یزید کے بارے میں آپ کا موقف:

یزید کے بارے میں آپ کا موقف وہی تھا جو اکابر علماء دیوبند کا ہے، آپ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے یزید کے خلاف خروج کو برحق سمجھتے تھے، فرماتے تھے کہ یزید کی جتنی مرضی صفائی پیش کر لی جائے لیکن حق یہ ہے کہ وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ

کے قتل سے بری الذمہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ دوسرے واقعہ حرہ میں جو کچھ ہوا وہ سب یزید کے حکم سے ہوا یزید کو اس سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔

بدقسمتی سے اِس دور کے بہت سے عوام اور جدید فاضلین مشہور ناصبی مؤرخ محمود احمد عباسی کے گمراہ کن پروپگنڈہ سے متاثر ہو رہے ہیں جس کی وجہ سے وہ حبِ یزید میں بغضِ حسین رضی اللہ عنہ کا شکار ہوتے جا رہے ہیں یہ صورتِ حال کسی صورت بھی مستحسن قرار نہیں دی جا سکتی، حضرت قاری صاحبؒ اس صورتِ حال کی وجہ سے خاصے متفکر نظر آتے تھے، آپ نے اکثر اس خواہش کا اظہار کیا کہ کسی طرح اپنے حلقہ کے علماء کے ساتھ مل بیٹھ کر اس موضوع پر بات کی جائے تا کہ حق واضح ہو سکے لیکن آپ کو اس کا موقع نہ مل سکا اور آپ کی وفات ہو گئی۔ یزید کے بارہ میں اکابر علماء دیوبند کا موقف ان کے فتاویٰ میں موجود ہے اکابر کے یہ فتوے مولانا قاری محمد ضیاء الحق صاحب نے ایک رسالہ میں جمع کر دیئے ہیں جس کا نام ہے ''یزید اکابر علماء اہل سنت کی نظر میں'' اس کی طرف مراجعت کی جائے نیز حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ، اور حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب دامت برکاتھم نے بھی اپنی کتب میں اکابر کے موقف کی ترجمانی کی ہے اِن حضرات کی کتب کی طرف بھی مراجعت کی جائے، انشاء اللہ حق واضح ہو گا۔

نظریۂ سیاست:

حضرت قاری صاحبؒ کا تعلق چونکہ حضرت مدنی رحمہ اللہ کے سلسلہ تھا اس لیے قدرتی طور پر آپ کا سیاسی ذہن تھا آپ نے ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں بھرپور حصہ لیا۔ ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت میں اور ۱۹۷۷ء کی تحریکِ نظامِ مصطفیٰ میں شریک ہوئے۔ ۱۹۷۷ء کی تحریک کے موقع پر ۹/اپریل کو یومِ سیاہ منایا گیا تو آپ جلوس میں شریک ہوئے اس جلوس پر پولیس کی فائرنگ سے بہت سے لوگ شہید ہوئے

بہت سوں کو پولیس نے گرفتار کیا۔ حضرت قاری صاحبؒ بھی اس موقع پر گرفتار کیئے گئے، جنوری ۱۹۹۱ء میں جب امریکہ نے اٹھائیس ممالک کا اتحاد بنا کر عراق پر حملہ کیا تو حضرت قاری صاحب مرحوم نے بڑی سرگرمی کے ساتھ عراق کی حمایت کی، آپ کا موقف تھا کہ امریکہ عراق پر حملہ کر کے مسلمانوں کی طاقت کو ختم کرنا اور خلیج پر اپنا قبضہ جمانا چاہتا ہے، آپ اِن دنوں بڑے اہتمام سے اخبارات کا مطالعہ کرتے اور ایسی تمام خبریں جن میں امریکی سازش کو بیان کیا گیا ہوتا اُنہیں اکٹھا کر لیتے۔ اس موقع پر حضرت قاری صاحبؒ کی جمع کردہ کٹنگز کے ایک پیج کا عکس دیا جارہا ہے۔ اس سے قاری صاحبؒ کی دلچسپی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

سانحۂ وفات:

۱۸ر شوال المکرّم ۱۴۱۲ھ بروز بدھ آپ حسبِ معمول مدرسہ تشریف لائے اسباق شروع فرما چکے تھے اسباق سے فارغ ہو کر حضرت شاہ صاحب دامت برکاتھم سے ملاقات کے لیے آپ کے گھر حاضر ہوئے حضرت شاہ صاحب نے حسبِ عادت تواضع فرمائی اور آبِ زمزم پلایا، یہاں سے آپ اُردو بازار راقم الحروف کے مکتبہ پر تشریف لائے ''انتصار الحق'' نامی کتاب طباعت کے لیے پریس میں دے رکھی تھی اس کے بارے میں استفسار فرمایا، میں نے اُسی وقت ٹیلی فون پر معلوم کر کے عرض کیا کہ جلد چھپ جائے گی۔ یہاں سے آپ مکتبہ مدنیہ ہوتے ہوئے بھائی شعیب المقبول صاحب کی دکان راجپوت مارکیٹ تشریف لے گئے اور وہاں سے سیدھے گھر روانہ ہوئے گھر پہنچ کر کھانا کھایا، ظہر کی نماز پڑھائی اور وہیں بیٹھ کر تسبیح پڑھنے لگے، چند لمحے بھی نہیں گزرے تھے کہ آپ بیٹھے بیٹھے دائیں طرف ڈھلک گئے، فرمایا میری طبیعت خراب ہو رہی ہے اَبا جی کو بلاؤ، مفتی صاحب اندر سے تشریف لائے دیکھا تو آپ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

آن کی آن میں ہنستا بستا گھر ماتم کدہ بن گیا، اس جانکاہ حادثہ کی خبر ہوا کی طرح پھیلی اور بجلی بن کر متعلقین کے قلوب پر گری، کسی کو آپ کی وفات کا یقین نہیں آتا تھا، ہر شخص حیرت زدہ اور مجسمۂ سوال تھا کہ کیا واقعی حضرت قاری صاحبؒ کا انتقال ہو گیا؟ کیا واقعی آپ دُنیا سے چلے گئے اور ہمیں چھوڑ گئے؟ میں اس وقت مکتبہ پر تھا مجھے کچھ معلوم نہیں تھا تقریباً ڈھائی بجے مولانا رشید میاں صاحب کا ٹیلی فون آیا کہ نعیم صاحب، مفتی عبدالرشید صاحب کی اچانک طبیعت خراب ہو گئی ہے اور ان کی حالت نازک ہے، اتنی بات ہوئی تھی کہ اسی لمحہ مکتبہ مدنیہ سے ایک صاحب آئے اور کہنے لگے کہ حضرت قاری صاحب کا انتقال ہو گیا ہے، اِنَّا

لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُونَ۔ آپ کے انتقال کی خبر سن کر ایسے لگا جیسے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی ہو، مکتبہ مدنیہ انوار صاحب کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہ خبر سن کر بیہوش ہو گئے ہیں۔ اُنہیں گاڑی میں ڈال کر ہسپتال لیجایا گیا، میں نے اپنی دکان بند کی اور ایک دوست کے ساتھ جو اتفاقاً وہاں موجود تھے موٹر سائیکل پر حضرت قاری صاحبؒ کے گھر مزنگ پہنچا وہاں لوگوں کا ہجوم تھا اور کہرام مچا ہوا تھا، ہر آنکھ پُرنم اور ہر چہرہ اُداس تھا۔ تھوڑی دیر بعد آپ کی تجہیز و تکفین کا انتظام ہوا سنت کے مطابق غسل دیا گیا اور کفن پہنا کر جنازہ تیار کر دیا گیا، آپ کی دو بہنوں نے دوسرے شہروں سے پہنچنا تھا اس لیے دوسرے دن صبح سات بجے تدفین کا اعلان ہوا چنانچہ دوسرے دن صبح ہوتے ہی ہزاروں عقیدت مند، تلامذہ و متوسلین اور علماءِ رَبَّانیّین مزنگ پہنچنا شروع ہو گئے، وقت مقررہ پر جنازہ باہر لایا گیا کثرتِ ازدحام کی وجہ سے چارپائی کے ساتھ بانس باندھے گئے اور اس طرح ہزاروں سوگوار عقیدت مندوں کے کندھوں پر حضرت قاری صاحبؒ کا جنازہ اُٹھا۔

عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے - محبوب کی گلی سے ذرا گھوم کے نکلے

یوں لگتا تھا کہ آپ کی وفات پر آسمان بھی اشک بار ہے چنانچہ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ دھوپ نکلی ہوئی ہونے کے باوجود ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی ہے گویا آسمان بھی نوحہ کُناں ہے جنازہ آہستہ آہستہ بھاولپور روڈ سے ہوتا ہوا عیدگاہ پہنچا وہاں پہلے سے بہت سے علماء طلباء اور عوام موجود تھے، حضرت سیّد نفیس الحسینی شاہ صاحب دامت برکاتھم نے نماز جنازہ پڑھائی، تقریباً ساڑھے آٹھ بجے حضرت طاہر بندگی قدس سرہٗ کے جوار اور حضرت مولانا سیّد حامد میاں رحمہ اللہ کی پائینتی آہوں اور سسکیوں کے ساتھ آپ کی تدفین ہوئی، رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی وفات کے بعد تعزیت کے لیے آنے والوں کا تانتا بندھا رہا، بہت سے علماء و مشائخ اور سیاسی زعماء و قائدین تعزیت

کیلئے تشریف لائے اور بہت سے حضرات نے خطوط کے ذریعہ تعزیت کی۔

آپ کی وفات پر آپ کے والد حضرت مفتی صاحب دامت برکاتھم بہت متاثر نظر آتے تھے اور اُن کا متاثر ہونا بجا تھا کہ پہلے اہلیہ کا انتقال ہو چکا تھا اور اب نوجوان عالم فاضل اور مطیع وفرمانبردار بیٹے کی جدائی کا صدمہ اچانک آپڑا تاہم آپ نے انتہائی صبر اور تسلیم ورضا کا مظاہرہ فرمایا: تدفین کے موقع پر صرف ایک جملہ آپ کی زبان سے سنا گیا: فرمایا ''میں نے اپنی پوری زندگی کا ماحصل آج اپنے ہاتھ سے مٹی میں دفن کر دیا ہے، مگر میں اللہ کی رضاء میں راضی اور ہر حالت میں اس کا شکر گزار ہوں،'' حضرت سیّد نفیس الحسینی شاہ صاحب دامت برکاتھم حضرت قاری صاحبؒ سے بہت ہی زیادہ محبت وخلوص کا معاملہ فرماتے تھے۔ آپ قاری صاحبؒ کے علوم کے صحیح قدردان ہیں چنانچہ آپ حضرت قاری صاحبؒ کو بحرالعلوم اور فخر اہلسنّت کے لقب سے یاد کرتے ہیں، جب بھی قاری صاحبؒ کا تذکرہ آتا ہے افسردہ ہو جاتے ہیں راقم الحروف نے حضرت کی زبان سے کئی دفعہ یہ فرماتے سنا کہ ''قاری صاحبؒ کے جانے سے ہماری کمر ٹوٹ گئی'' حضرت قاری صاحبؒ کو بھی حضرت شاہ صاحب سے انتہائی عقیدت ومحبت تھی آپ کا روزانہ کا معمول تھا کہ مدرسہ میں اسباق سے فارغ ہو کر حضرت شاہ صاحب دامت برکاتھم سے ضرور ملاقات کرتے تھے نیز آپ حضرت شاہ صاحب دامت برکاتھم کو اپنا امیر قرار دیتے تھے۔

قاری صاحب مرحوم کے حضرت علامہ خالد محمود صاحب دامت برکاتھم سے بھی گہرے مراسم تھے، حضرت علامہ صاحب نے حضرت قاری صاحبؒ کی وفات پر ان الفاظ میں اپنے تأثرات کا اظہار کیا۔

''قاری صاحبؒ مرحوم ایک شخص نہیں ایک انجمن تھے، آپ دریا کے اُلٹے بھاؤ تیرنا جانتے تھے اور کبھی کنج عافیت کے متلاشی نہیں دیکھے

گیئے اہل باطل کے خلاف چومکھی لڑائی لڑنا آپ کا ایک ادنیٰ ذوق تھا
اور تدریس میں فنائیت آپ کا ایک علمی شوق تھا، ؎

بچھڑے وہ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی - اِک شخص سارے شہر کو ویراں کر گیا

حضرت مولانا سیّد ابومعاویہ ابوذر بخاریؒ نے فرمایا:

''مولانا قاری عبدالرشید صاحب کو میں نے حضرت قبلہ سیّد نفیس الحسینی مدظلہ کی مجلس میں اکثر دیکھا، ان کی عظمت و نجابت اور فقاہت اُن کی شخصیت میں نمایاں محسوس ہو گئی تھی، میرے نزدیک حنفی علمی عملی تحریک کا نام ہی قاری عبدالرشید تھا، میں جب بھی ان کو دیکھتا تو ان کے قلب میں دینی، علمی، فقہی اور مسلکی خدمات کے لیے اُٹھنے والی پُر جوش لہروں کو محسوس کرتا تھا مجھے اس بات کا ہمیشہ افسوس رہے گا کہ میں اُن کے علمی مقام سے استفادہ نہ کر سکا''

قاری صاحبؒ کے ایک اُستاذ کبیر حضرت مولانا ظہورالحق دامت برکاتھم نے اپنے تاثرات میں فرمایا:

کنتَ مملوکی فصرت مالکی - ھذا من اعاجیب الزمن
وماکان قیس ھلکه ھلک واحد - ولکنه بنیان قوم تھدّما
زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا - تمہیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

تیرے قدموں نے دے کے رونق جو چھین لی رونق
وہ لاکھ آباد ہو اس گھر کی ویرانی نہیں جاتی

متکلم اسلام حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ کے حضرت قاری صاحبؒ کے ساتھ دیرینہ تعلقات تھے، بچپن میں اوکاڑہ میں قیام کے دوران قاری صاحبؒ مولانا اوکاڑوی مرحوم کی گودوں میں کھیلتے رہے تھے، دونوں بزرگوں کو ایک دوسرے کے نصب العین سے کلی اتفاق تھا دونوں بزرگوں کو فرق باطلہ کے ردّ

سے جنون کی حد تک لگاؤ تھا۔ مولانا اوکاڑوی مرحوم قاری صاحبؒ کی حیات میں لاہور تشریف لاتے تو قاری صاحبؒ ہی آپ کے میزبان ہوتے، آپ کے پروگراموں اور مناظروں میں شریک ہوتے، جس وقت حضرت قاری صاحبؒ کا انتقال ہوا آپ کراچی تشریف رکھتے تھے آپ کو قاری صاحبؒ کے انتقال کی خبر بعد میں ملی آپ نے حضرت قاری صاحبؒ کے والد محترم اور اپنے اُستاذ حضرت مفتی عبدالحمید صاحب کی خدمت میں تعزیتی خط تحریر فرمایا: حصولِ برکت کے لیے آپ کے خط کا عکس دیا جاتا ہے۔

از کراچی
[illegible] صفدر

مکرم و محترم حضرت اقدس جناب مفتی صاحب [illegible] دامت برکاتہم 5.5.1992ء

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج گرامی۔ احوال آنکہ حضرت مولانا رشید [illegible]
سے اتفاقاً ملاقات ہو گئی۔ انھوں نے لاہور کے احباب کا حال احوال پوچھا حضرت قاری صاحب کے بارہ
میں پوچھا تو فرمایا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ ان کے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا۔ میں نے کہا کہ
قاری صاحب کے ساتھ۔ فرمایا ان کا تو اچانک انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون
میں نے کہا کہ وہ تو الحمد للہ بالکل تندرست تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ بیمار تو ہوئے ہی نہیں۔ ظہر کی
نماز پڑھا کر گھر تشریف لے گئے ہیں۔ پہلے کبھی زندگی میں دل کا دورہ نہیں پڑا تھا۔ بس دل
کا دورہ پڑا اور ایک گھنٹے کے اندر اندر آپ کا وصال ہو گیا۔ ہمارے ہاں بھی بیمار تھا۔ اس
دن سے آنسو تھمنے کا نام نہیں لیتے۔ مرحوم حضرتی [illegible] کے آدمی تھے اپنے آرام کا خیال
تک نہ کرتے تھے۔ آپ کے بڑھاپے کا خیال آتا ہے تو اور صدمہ ہوتا ہے کہ اس عمر میں یہ صدمہ
آپ کے لئے کس طرح قابل برداشت ہو سکتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی قضا کسی سے ٹل نہیں
سکتی۔ حضرت قاری صاحب مرحوم و مغفور کی وفات پورے عالم اسلام کے لئے ایک بہت
بڑا صدمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بیوہ، اہل خانہ اور تمام اقارب اور احباب کو صبر جمیل
عطا فرمائیں اور مرحوم کو اپنے خاص جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائیں۔ میں جب
قاری صاحب سے باتیں کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بات سمجھانے کا جو ملکہ عطا کیا تھا
دل چاہتا تھا کہ ہماری زندگی بھی اس نوجوان کو مل جاتی۔ مگر اب سوائے صبر
کے کوئی چارہ کار نہیں۔ اب دنیا اندھیر نظر آ رہی ہے۔ صبر کرنا ہی مشکل
[illegible] ہے مگر اس کے بغیر چارہ نہیں۔ فقط والسلام

ابن صفدر
یکم ذوالقعدہ ۱۴۱۲ھ

اس کے علاوہ بھی بہت سے علماء و مشائخ کے خطوط آئے جنہیں طوالت کے خوف سے پس انداز کیا جارہا ہے۔

اولاد و احفاد:

حضرت قاری صاحبؒ نے اپنے پیچھے ہزاروں کی تعداد میں روحانی اولاد کے علاوہ جسمانی اولاد میں دولڑکے اور دولڑکیاں چھوڑیں بڑے صاحبزادہ مولانا محمد عمران صاحب جامعہ مدنیہ کے فاضل اور وہیں پر مدرس ہیں، چھوٹے صاحبزادہ محمد سلمان حافظ قرآن ہیں اور جامعہ مدنیہ میں درجہ وسطٰی کی کتابیں پڑھ رہے ہیں۔

حضرت قاری صاحبؒ کی دونوں صاحبزادیاں ماشاء اللہ حافظ اور عالم ہیں بڑی صاحبزادی ڈاکٹر محمد امجد صاحب سلمۂ سے منسوب ہیں۔

مشہور تلامذہ:

حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ سے اَنْ گِنَت افراد نے فیض پایا جن میں علماء طلباء اور عوام ہر طبقہ کے لوگ شامل ہیں ذیل میں آپ کے چند معروف تلامذہ کا تذکرہ کیا جاتا ہے، مشہور ہے "الشمرة تنبئ عن الشجرة" پھل سے درخت کی پہچان ہوتی ہے، اس حوالہ سے حضرت قاری صاحبؒ کے تلامذہ سے حضرت قاری صاحبؒ کی شخصیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

(۱)۔ حضرت مولانا سیّد محمود میاں صاحب مہتمم جامعہ مدنیہ جدید لاہور

(۲) حضرت مولانا سیّد وحید میاں صاحب دیوبند انڈیا

(۳) حضرت مولانا سیّد مسعود میاں صاحب فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ لاہور

(۴) مولانا سیّد انیس الحسن صاحب مرحوم صاحبزادہ حضرت شاہ صاحب دامت برکاتھم

(۵) حضرت مولانا مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب مفتی جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور

(۶) حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب خطیب جامع مسجد جانی شاہ مزنگ لاہور

(۷) حضرت مولانا عبدالوحید صاحب مہتمم مدرسہ علی المرتضیٰ کوٹ عبدالمالک لاہور
(۸) حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب مدرس دارالعلوم مدنیہ وخطیب جامع مسجد قرطبہ مزنگ لاہور
(۹) حضرت مولانا عبدالغنی صاحب خلیفہ ومجاز حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحبؒ
(۱۰) حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب فاضل ومدرس جامعہ مدنیہ وخطیب مکی مسجد تبلیغی مرکز بلال پارک لاہور
(۱۱) حضرت مولانا محمد ولید صاحب فاضل ومدرس جامعہ مدنیہ وخطیب جامع مسجد ربانی بھونڈ پورہ مزنگ لاہور
(۱۲) حضرت مولانا محمد عرفان صاحب فاضل ومدرس جامعہ مدنیہ لاہور
(۱۳) حضرت مولانا خالد محمود صاحب فاضل ومدرس جامعہ مدنیہ وخطیب غنی مسجد غنی محلّہ سنت نگر لاہور
(۱۴) مولانا امان اللہ صاحب فاضل جامعہ مدنیہ وسابق خطیب احناف مسقط عمان
(۱۵) حضرت مولانا پیر عبدالرحیم صاحب نقشبندی چکوال
(۱۶) مولانا محمد زکریا صاحب فاضل ومدرس جامعہ مدنیہ وخطیب مسجد بلال سمن آباد لاہور
(۱۷) ناچیز راقم الحروف

نذرانۂ عقیدت

بحضور

حضرت مولانا قاری عبدالرشید صاحب رحمۃ اللہ علیہ

از: مولانا قاری غلام مصطفیٰ قاسمی زید مجدہٗ

سُن کے لاہور میرے آنے کی
ٹھان لی کیوں یہاں سے جانے کی

چند لمحے تو رُو بہ رُو رہتے
اتنی جلدی بھی کیا تھی جانے کی

کچھ بھی کہنے نہ پائے تھے باہم
مِسل لپٹی گئی فسانے کی

ہنستا کھلتا گلاب سا مُکھڑا
جان تھی سیتاپور گھرانے کی

قصرِ شاہی سے مجھ کو تھی محبوب
خاک تیرے غریب خانے کی

غیر ممکن ہے تیرے بعد رشیدؒ
ہو ہوس دل کہیں لگانے کی

کیا سمجھ کے چھپایا مٹی میں
تھی کلید علم کے خزانے کی

ایسی باطل کو مات دی تُو نے
چھوڑی جرأت نہ سر اُٹھانے کی

زُہد و تقویٰ، خلوص و علم و یقین
ان سے زینت تھی اس زمانے کی

دیر تھی مُنہ تیرے چُھپانے کی
بدلی دیکھی فضا زمانے کی

اس سراسیمگی کی حالت میں
رہ گئی بات اِک سُنانے کی

مَیں نے دیکھا رشیدؒ جنت میں
چوکھٹیں پکڑے بالا خانے کی

کتنے احباب کو لُبھاتی ہے
اِک غزل قاسمی دِوانے کی

کتابیات

قرآن کریم		
ابن ماجہ اور علم حدیث	مولانا عبدالرشید نعمانیؒ	میر محمد کتب خانہ کراچی
احسن الفتاوٰی	مفتی رشید احمد لدھیانویؒ	ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی
اشرف السوانح	خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
اصلاح الرسوم	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
الافاضات الیومیۃ	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ	ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
البلاغ	(ماہنامہ) کراچی	
انوارِ مدینہ	(ماہنامہ) لاہور	
تذکرۃ الخلیل	مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ	
تصفیۃ العقائد	حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ	دارالاشاعت کراچی
تفسیر القرآن العظیم	عماد الدین حافظ ابن کثیرؒ	دار المعرفۃ بیروت
تفسیر نعیمی	مفتی اقتدار احمد خان گجراتی	نعیمی کتب خانہ گجرات
جامع الترمذی	محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذیؒ	ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی
الجامع الصحیح	امام محمد بن اسماعیل البخاریؒ	ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی
حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت	مولانا ابوالحسن علی ندویؒ	مجلس نشریات اسلام کراچی

حکایاتِ اولیاء	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ	دارالاشاعت کراچی
حکیم الامت	مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ	مکتبہ مدنیہ لاہور
دائرہ معارفِ اسلامیہ		پنجاب یونیورسٹی لاہور
راہِ سنت	حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر	مکتبہ صفدریہ گوجرانوالہ
روزنامہ الجمعیت دہلی	شیخ الاسلام نمبر	مکتبہ مدنیہ گوجرانوالہ
سنن ابن ماجہ	محمد بن یزید بن ماجہ قزوینیؒ	ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی
سنن ابی داؤد	سلیمان بن اشعث السجستانیؒ	ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی
سنن دارمی	ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمیؒ	قدیمی کتب خانہ کراچی
السنن الکبریٰ	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقیؒ	ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ ملتان
سوانح قاسمی	حضرت مولانا محمد مناظر احسن گیلانیؒ	مکتبہ رحمانیہ لاہور
شعب الایمان	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقیؒ	دار الکتب العلمیۃ بیروت
شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی حیاتؒ وکارنامے	ڈاکٹر رشید الوحیدی	الجمعیت بک ڈپو دہلی
الصحیح لمسلم	مسلم بن حجاج القشیریؒ	ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی
فتاویٰ رحیمیہ	مولانا مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ	انڈیا
فتاویٰ محمودیہ	مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ	کتب خانہ مظہری کراچی
فضائل درود شریف	حضرت مولانا محمد زکریاؒ	مکتبہ مدنیہ لاہور
فضائل رمضان	حضرت مولانا محمد زکریاؒ	مکتبہ مدنیہ لاہور
کفایت المفتی	حضرت مولانا مفتی کفایت اللہؒ	مکتبہ امدادیہ ملتان
کلیات شیخ الہندؒ	حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ	
المستدرک علی الصحیحین	ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم	مکتبہ النصر الحدیثہ ریاض
مشکوٰۃ المصابیح	ولی الدین الخطیب العمریؒ	ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی

معجم طبرانی الاوسط | ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانیؒ |
--- | --- | ---
معلقات سبع | |
مفتی اعظم کی یاد | مولانا مفتی حفیظ الرحمٰن واصفؒ | انڈیا
مفتی محمود ایک قومی رہنما | محمد فاروق قریشی | مفتی محمود اکیڈمی، کراچی
مکتوبات شیخ الاسلام | حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ | مکتبہ رشیدیہ کراچی
ملفوظات اعلیٰ حضرت | مولانا احمد رضا خان بریلوی | محمد علی کارخانہ اسلامی کتب کراچی
ملفوظات محدث کشمیریؒ | مولانا احمد رضا بجنوریؒ | مکتبہ اشرفیہ لاہور
میرے والد ماجد اور ان کے مجرب عملیات | حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ | دارالاشاعت کراچی

دیگر تصنیفات

(1) جواہر پارے (دو جلد)

(2) فضیلت کی راتیں

(3) شبِ براءت کی فضیلت

(4) حلال وحرام

(5) مسجد محلّہ میں جماعت ثانیہ کا حکم

(6) اَحکام الجنائز

(7) نفل نمازوں کے فضائل اور اُن کے پڑھنے کا طریقہ

(8) منزل مع اضافات (خورد۔ کلاں)

(9) شکر اور فکر

(10) اخلاص اور اتباع

(11) کامیاب تجارت

(12) توبہ کی حقیقت

(13) چہل اَحادیث

(14) گلدستۂ اَحادیث — زیرِ طبع

(15) مجموعہ وظائف — //

(16) ضعیف حدیث کی شرعی حیثیت — //

(17) تصوف اور صوفیاءِ کرام — //

(18) تعوّذ (تفسیر اعوذ باللہ) — //

(19) تسمیہ (تفسیر بسم اللہ) — //

مرکز رشد و ہدایت جامع مسجد جانی شاہ کا بیرونی منظر
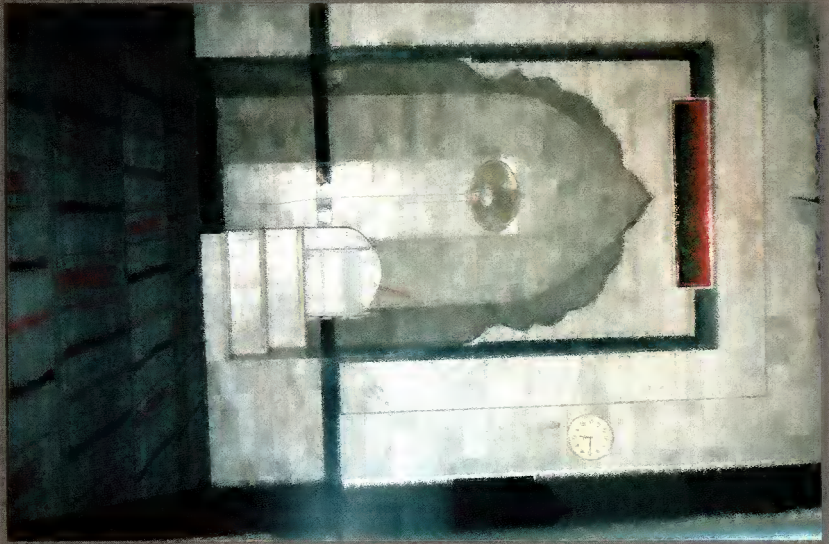
جامع مسجد جانی شاہ کا منبر و محراب جہاں حضرت قاری صاحبؒ
تا حیات رشد و ہدایت کا درس دیتے رہے

حضرت قاری صاحبؒ کی لائبریری میں سجی ہوئی کتب کا ایک خوبصورت منظر

حضرت قاری صاحبؒ کے رہائشی کمرہ کا ایک منظر

حضرت قاری صاحبؒ کی آخری آرامگاہ

(1) پس منظر میں حضرت طاہر بندگیؒ کے مزارِ مبارک کا گنبد (2) حضرت قاری صاحبؒ کی قبر مبارک کے سرہانے حضرت اقدس مولانا سید حامد میاں صاحب رحمہ اللہ [illegible] مزار مبارک پر نصب کتبہ اور احاطہ

حضرت اقدس مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ کی آخری آرامگاہ

حضرت طاہر بندگی رحمہ اللہ کے مزارِ مبارک کا احاطہ